عمر بن عبدالعزیز | امام ابوحنیفہ | امام احمد بن حنبل | امام غزالی | شیخ عبدالقادر جیلانی | صلاح الدین ایوبی

امام ابن تیمیہ | محمود غزنوی | مجدد الف ثانی | شیخ عبدالحق | اورنگزیب عالمگیر | شاہ ولی اللہ | احمد شاہ ابدالی | فتح علی ٹیپو شہید | شاہ اسماعیل شہید | مولانا فضل حق | امداد اللہ مہاجر مکی | محمود حسن شیخ الہند

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے کی

21 اسلامی انقلابی شخصیّات

تعارف، کارنامے، ملّی خدمات

مکمّل

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

علامہ محمد اقبال | مولانا محمد علی جوہر | مولانا محمد الیاس

Marfat.com

Marfat.com

A 790
9

عمر بن عبدالعزیز | امام ابوحنیفہ | امام احمد بن حنبل | امام غزالی | شیخ عبدالقادر جیلانی | صلاح الدین ایوبی

سلسلۂ مطبوعات 7

دورِ صحابہ ؓ کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے کی

21 اسلامی انقلابی شخصیات

تعارف، کارنامے، ملّی خدمات

مکمّل

امام ابن تیمیہ | محمود غزنوی | مجدد الف ثانی | شیخ عبدالحق | اورنگزیب عالمگیر | شاہ ولی اللہ | احمد شاہ ابدالی | فتح علی ٹیپو شہید | شاہ اسماعیل شہید | مولانا فضل حق | امداد اللہ مہاجر مکی | محمود حسن شیخ الہند

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861 047-7630863

علامہ محمد اقبال | مولانا محمد علی جوہر | مولانا محمد الیاس

Marfat.com

297-9924
1592

117421
1/

جملہ حقوق بحق انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ محفوظ ہیں

نام کتاب	21/اسلامی انقلابی شخصیات مکمل
تحریر	انجینئر مختار حسین فاروقی
ناشر	مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ
مقام اشاعت	قرآن اکیڈمی، لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر
	فون: 047-7630861
	ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com
	ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com
تاریخ اشاعت	اگست 2013ء بمطابق رمضان المبارک 1434ھ
تعداد	500
مطبع	سلطان باہو پرنٹنگ پریس فوارہ چوک جھنگ صدر
قیمت	Rs.380.00

ISBN NO: 978-969-9771-04-0

Marfat.com

انتساب

ان مسلمان خواتین و حضرات کی
سعید روحوں کے نام

- جنہوں نے گزشتہ ایک صدی میں
احیائے اسلام اور احیائے خلافت
کی کوششوں میں
مال اور وقت کی قربانی دی
گھربار کی قربانی دی
مصائب جھیلے وطن چھوڑا
جان بھی قربان کردی
اور ہمارے لیے لازوال، انمٹ نقوش چھوڑے
کہ اس قافلے کو اب منزل کے قریب کردیں اور

- جو آج اسی مقصد کے لیے خدا بیزار اور
خدا نا شناس۔ انسان دشمن اور اخلاق دشمن قوتوں
سے نبرد آزما ہیں اور

- جو آئندہ بھی اس سنگلاخ راستے پر
نکل کر کھڑے ہونے کا فیصلہ کرلیں گے

Marfat.com

قَالَ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم :

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِاْةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ بھیجتا رہے گا اس امت میں ہر سو سال پر ایسا شخص جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کر دے گا

(رواہ ابوداود، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیبِ کتاب

حصہ اوّل
001

حضرت عمر بن عبدالعزیز
21

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت
33

امام احمد بن حنبل
47

امام غزالی محمد بن محمد
59

شیخ عبدالقادر جیلانی
67

سلطان صلاح الدین ایوبی
83

امام ابن تیمیہ تقی الدین
93

حصہ دوم
107

سلطان محمود غزنوی ناصر الدین
113

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
123

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
143

حضرت اورنگزیب عالمگیر محی الدین
153

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
163

حضرت احمد شاہ ابدالی
175

سلطان فتح علی ٹیپو شہید
191

حصہ سوم
215

حضرت شاہ اسماعیل شہید
221

حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی
233

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی
245

حضرت محمود حسن شیخ الہند
255

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی
271

حضرت مولانا محمد علی جوہر
277

حضرت علامہ محمد اقبال
289

رحمۃ اللہ علیہم

Marfat.com

فرمودۂ اقبال

طارق کی دعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم، اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دِل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی!
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے!

Marfat.com

حصّہ اوّل

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشمولات

1	مقدمہ	6
2	حرفِ آرزو	16
3	حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ	21
4	حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ	33
5	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	47
6	حضرت امام غزالی محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ	59
7	حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	67
8	حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ	83
9	حضرت امام ابن تیمیہ تقی الدین رحمۃ اللہ علیہ	93

Marfat.com

فرمودۂ اقبال

بہ یارانِ طریق

بیا تا کارِ ایں امّت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم!
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر
کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم!

(امت مسلمہ اور ملت کا درد رکھنے والو!) آؤ کہ اس اُمت (کی بھلائی اور بیداری) کے لیے کام کریں اور جواں مردوں کی طرح (اس کام میں سب کچھ جھونک دیں (تا کہ اللہ آخرت میں ہمیں سرخرو کردے) ہم مسلمانوں کے عوام و خواص کے سامنے یوں نالہ و فریاد کریں کہ مسلمان اہل علم کا دل نرم کردیں (کہ وہ بھی اس کام میں لگ جائیں)

Marfat.com

مقدمہ

1 تلاشِ حق اور 'نامعلوم' کو 'معلوم' کرنے کی جستجو انسان کی فطری خواہش ہے اور ہر دور کا انسان اس باب میں اپنے حصّے کا کام کرتا آرہا ہے۔ صدیوں کے اس سفر میں انسان نے بے شمار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور آج کا انسان بامِ عروج پر کھڑا ہے۔ بقولِ علامہ اقبال

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
یہ ٹوٹا ہوا تارا کہیں مہ کامل نہ بن جائے

پیچھے مُڑ کر نگاہ ڈالیں تو ـــــ اگرچہ ہزار سال کی پہلے کی کامیابیاں 'کم تر' اور 'حقیر' محسوس ہوتی ہیں اور پچاس سیڑھیاں چڑھ کر نیچے دیکھنے والے کو ابتدائی سیڑھیاں (STEPS) بہت 'بے وقعت' ہی نظر آتی ہیں مگر غور کرنے سے یہ حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی کہ یہی سابقہ کامیابیاں اور ابتدائی سیڑھیاں ہی اس کا باعث بنی ہیں کہ آج ہم اعلیٰ درجے کی کامیابیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں یا اُونچے درجے کی سیڑھیوں پر کھڑے اپنی قسمت پر خوش اور نازاں ہیں۔

انفرادی زندگی میں جس طرح انسان بچپن، لڑکپن سے گزر کر جوانی میں قدم رکھتا ہے پھر نفسیاتی بلوغت اور علمی عروج کا دور دیکھتا ہے۔ اسی طرح مجموعی طور پر نسل انسانی بھی بچپن سے بلوغت اور بڑھاپے کا سفر طے کر رہی ہے اور اس سفر کے مختلف مراحل صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں اور اس کا کینوس (CANVAS) بھی بڑا وسیع ہے۔ تجرباتی علوم میں اس 'عمل' کا مشاہدہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ 'پہیّے' کی ایجاد تاریخ انسانی کی ایک شاہکار ایجاد

Marfat.com

ہے مگر آج کا نوجوان بادی النظر میں شاید اس بات کو کوئی اہمیت نہ دے۔ اسی طرح لکھنے پڑھنے کے لئے حروفِ تہجی (ALPHABET) اور اعداد وشمار (NUMBERS) کی ایجاد واختراع بھی بہت بنیادی کام تھے۔

انہیں تجرباتی علوم کی ترقی کے ساتھ آسمانی وحی اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور ان کی تعلیمات کی نوعیّت (CONTENTS) بھی منسلک ہے۔ جب انسان ہی کو علم سکھانا ہے اور ہدایت دینی ہے تو انسان کے علمی معیار اور صلاحیّتوں، ضروریات اور تقاضوں سے صرف نظر کیسے ممکن ہے۔ اس لئے ابتدائی دور کے انبیاء کرام علیہم السلام زبانی 'وحی' لائے کہ انسان نے لکھنا پڑھنا ایجاد ہی نہیں کیا تھا۔ قانون بھی بڑا سادہ تھا کہ ابھی معاشرتی، معاشی اور سیاسی جھمیلے اور جھنجھٹ نہیں تھے۔ پھر انسان نے لکھنا پڑھنا سیکھا کاغذ ایجاد کیا کتابیں بنانا سیکھیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی تحریری 'وحی' نازل فرمائی۔ تورات، زبور، انجیل اور قرآن جیسی نادر کتابیں نازل فرما کر انسانیّت کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ایجادات کے وسیع ہونے پر تمدّنی زندگی کے پھیلاؤ سے مختلف سطحوں پر انسانی بے راہ روی میں اضافہ ہوگیا نئے ابعاد (DIMENSIONS) اور گوشے دریافت ہوئے جس کی ہدایت کے لیے بالآخر تکمیلی اور اِتمامی شان کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 'ختم نبوت' کے اعلان کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے اور قرآنِ مجید ـــ جو ع نوعِ انسانی را پیامِ آخریں کا مصداق ہے، انسانیت کے لئے اعزاز کا باعث بنا۔ بالفاظ دیگر ختم نبوت کا اعلان اجتماعی انسانی سوچ اور فہم کی بلوغت اور فکری پختگی (MATURITY) کا اعلان تھا کہ قرآنِ مجید میں جن ابدی اصولوں کا بیان ہے ان کا فہم وادراک حاصل کر کے ان اصولوں کی بنیاد پر تفصیلی خاکہ اور ڈھانچہ بنا دینا ایک عقل سلیم اور قلب سلیم رکھنے والے انسان کی پہنچ میں ہے۔ ختم نبوت کا اعلان انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور تخلیقی ذہن کا اعتراف بھی تھا اور اونچے درجے کا اعتماد بھی۔

یہی وجہ ہے کہ اب ختم نبوت کے بعد انسانی رہنمائی کے لئے انسانوں کو انگلی پکڑ کر چلانے کی ضرورت نہیں رہی اور قرآنِ مجید کے متن میں مضمر ہدایت کے بعید گوشے بھی انسان (وقت کے ساتھ ساتھ تجرباتی علوم کی روشنی میں) اپنی خداداد صلاحیتوں سے اخذ کرنے اور

Marfat.com

آشکارا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر صدی کے 'رأس' پر ایک مجدّد بھیجتا رہے گا جو دو تین نسلوں میں فکر اسلامی پر خارجی حالات وافکار کی گرد کو اپنی مومنانہ فراست اور مجاہدانہ وانقلابی سرگرمیوں سے جھاڑ کر صاف کر دیا کرے گا۔ یاد رہے کہ کسی بھی 'مجدّد' کا کام ہر زمانے کے ظروف احوال سے نکل کر مستقبل میں دو چار عشرے بعد کے حالات کی تیاری کا ہوتا رہا ہے اور ہم عصر لوگوں کی نگاہوں میں وہ 'خرقِ عادت'، انہونی بات یا انقلابی بات ہی شمار کی جاتی رہی ہے اور ان 'خلافِ رسم' اور ROUTINE کے رسوم و رواج کے خلاف اصلاحی اور تعمیری کوششوں کی ہمیشہ مخالفت بھی ہوتی رہی ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر نظیری کے بقول

خلافِ رسم دریں عہد ز خرقِ عادت داں
کہ کار ہائے چنیں از شمار بوالعجبی ست!

(زمانے کی روش کے خلاف خرق عادت ہی ہے کہ ایسے کام ہی پہلے معجزات کہلاتے تھے اور حیرانی کا باعث ہوتے تھے)

یا بقول علامہ اقبال

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اس مقام پر جدید وقدیم اور حال و مستقبل میں ایک نظریاتی توازن اور تسلسل برقرار رکھنا ایک 'زندہ دل' اور 'مومنانہ نگاہ' کا متقاضی ہے اور اس شان کے افراد کے لئے صرف لفظ 'مجدّد' کا جامہ ہی راست آتا ہے۔ یہ اصطلاح اس دور کے تجدّد پسند اور متجددین کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ اسی قسم کے مسلم زعماء اور مغرب پرست مذہبی وسیاسی رہنماؤں کے لئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

شیخ او لُردِ فرنگی را مرید گرچہ گوید از مقامِ بایزید

● لرد انگریزی لفظ 'لارڈ' سے ماخوذ ہے۔

دولت اغیار را رحمت شمرد رقص ہا گردِ کلیسا کرد و مُرد

(آج مسلمانوں کے دینی رہنما بھی مغربی دنیا اور آسائشوں کے مرید ہیں اگرچہ گفتگو میں ایسے لگتا

Marfat.com

ہے کہ وہ مقامِ بایزید پر کھڑے ہیں جو دنیاوی ترقی اور مغربی تعلیم کو رحمت گردانتے ہیں اور مغربی تہذیب و ترقی کے دلدادہ ہیں اور اسی میں زندگی گزار دیتے ہیں)

''21 اسلامی انقلابی شخصیات'' نامی اس کتاب میں ہم نے تاریخ اسلامی کے شاداب گلستان میں سے گلہائے سر سبد یعنی 'مجدّ دین' کا تذکرہ یک جا کر دیا ہے تا کہ قارئین کرام تاریخ اسلام پر اس پہلو سے بھی نگاہ ڈال سکیں کہ 'مسلمانوں کی تاریخ' اور 'مسلمان بادشاہوں کی تاریخ' کے ساتھ ساتھ 'حقیقی اسلام' یا 'احیائے اسلام' کے لئے سرگرم شخصیات نے کیا کیا اور کیسے حالات میں اپنی مساعی جاری رکھی ہیں، اس سفر میں کیا نشیب و فراز آئے ہیں اور آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟

'مجددین اُمت' کی مساعی کے اس تذکرے کو بیانیہ انداز اور واقعاتی انداز میں کئی اہل قلم نے بیان کیا ہے ان پر ناقدانہ آراء بھی دی ہیں تاہم ہم نے اپنی ناقص رائے میں 'اسلام کی تاریخ' پر طائرانہ نگاہ ڈالنے والے حضرات کے لئے کچھ مواد جغرافیائی اور تاریخی پس منظر کے ساتھ بھی یکجا کر دیا ہے تا کہ کام آسان ہو جائے۔

اس ضمن میں ایک بات پیش نظر رہنی چاہیے اور یہ بات ہم نے ان سیمیناروں کے سلسلہ کے آغاز میں بھی واضح کر دی تھی جس کی بنا پر یہ تفصیلات پہلے ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ کے صفحات کی زینت بنیں اور ان شاء اللہ یکے بعد دیگرے تین حصوں میں افادہ عام کے لئے کتابی شکل میں شائع کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وسائل دیے تو ان کو یکجا کر کے ایک کتاب کی صورت میں بھی شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ وما النصر اِلّامن عنداللہ العظیم

وہ اہم بات ہے کہ اِکیس شخصیات کی یہ فہرست کوئی 'الہامی' یا حتمی نہیں ہے بلکہ اپنے 'مزاج' اور 'ذوق' کی بنیاد ہم نے ترتیب دی ہے۔ شخصی افتاد طبع اور مسلکی وابستگی سے 'مبرا' ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا لہٰذا کوئی دوسرا صاحب علم اسی بات کے لئے اگر فہرست مرتب کرے گا تو امکانِ غالب ہے کہ وہ اس فہرست سے یکسر مختلف رہے تاہم اپنی بے بضاعتی، بے علمی اور محدود معلومات کی روشنی میں 'تاریخ اسلام' کے باب میں جو بن پڑا ہے وہ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اگر اس مختصر کاوش سے چند سعید روحوں کے دل میں بھی ماضی کے اس احیائی عمل کی کوششوں کو جاری رکھنے کا جذبہ اور عزم بیدار ہو جائے اور وہ اپنا 'متاعِ زیست' اس راہ میں لگا دینے پر آمادہ ہو جائیں ____ تو یہ بارگاہ خداوندی میں اس کاوش کی قبولیت کا نشان ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

2

اس کرۂ ارض پر یوں تو آج تک اربوں کی تعداد میں انسان پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کے شب و روز گزار کر راہی ملک عدم ہو گئے تاہم یہ بات بڑی اہم ہے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت صرف اپنی ذات کے لئے زندہ رہی اور وہ نان شبینہ اور ذاتی ضروریات کی فراہمی میں مگن رہ کر زندگی کا وقت پورا کر کے چلے گئے اور ان میں سے اکثر کسی ضابطہ، اصول اور اخلاق و کردار کے کسی معیار مطلوب پر بھی پورے نہیں اتر سکے۔ تاہم قلیل تعداد میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں اور آج میں بھی ہیں جو زندگی صرف کھانے پینے اور عیش و آرام کے لئے نہیں گزارتے بلکہ کسی مشن، جذبے، اعلیٰ اقدار اور دوسروں کی فلاح و بہبود کے لئے جیتے ہیں اور اس کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتے ہیں حتی کہ بعض تو اس راہ میں جان بھی قربان کر دیتے ہیں ایسے انسان ہی دراصل عظیم لوگ ہیں اور معراجِ انسانیت پر فائز ہیں اور جاننے والے جانتے ہیں کہ حقیقی معنی میں یہی لوگ دانا بھی ہیں اور حکیم بھی، عالم بھی ہیں اور اہل دل بھی اور انہی کا درجہ انسانیت میں بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ ع او گرامی تر است کو دانا ست

ایسے اعلیٰ انسانوں میں سے بھی بلند ترین درجے میں انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جو کامل ترین انسان، معصوم عن الخطاء، مامور من اللہ اور واجب الاطاعت تھے۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک جماعت میں سے اولوالعزم پیغمبر ہیں اور ان میں سے بھی سب سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو خاتم النّبیین بھی ہیں اور خاتم المرسلین بھی، کامل بھی ہیں اور اکمل بھی، وہی اب قیامت تک کے انسانوں کے لئے اسوۂ کامل بھی ہیں اور نمونہ اور IDEAL بھی۔

ان کی لائی ہوئی کتاب ''قرآن مجید'' ہدایت اور آسمانی رہنمائی کے ضمن میں

Marfat.com

'حرفِ آخر' ہے اور خالق ارض وسماء کا پیغام آخریں ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن صرف پہنچایا ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا ہے اور یوں آپ 'قرآنِ مجسّم' ہیں آپ کی ہدایات اور تشریحات اور قرآن کی تفسیر 'اطاعت رسول' کے عنوان سے ایمان کا تقاضا ہے۔

یوں تو انسانی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں گھر، خاندان، رشتہ دار، کنبہ، قبیلہ، گلی، محلّہ، شہر، کاروبار، معاملات، خوراک، اشیائے ضرورت وصحت، ہسپتال، سکول کالج، امن وامان، چوری ڈاکہ کے واقعات، عدالتیں، بازار، منڈی، کچہریاں، تھانے، الیکشن، سیاست غرض تفصیلات میں جائیں تو بے حد وسیع میدان ہے تاہم ایک تقسیم بڑی بنیادی ہے اور ہر ذہنی سطح کے آدمی کے لئے قابلِ فہم بھی ہے یعنی ــــــ انفرادی زندگی ــــــ اور ــــــ اجتماعی زندگی۔

مغربی افکار کے زیر اثر آج کے ماحول میں انفرادی زندگی میں انسان کی نشست و برخاست، رہن سہن، فیملی لائف، کھانا پینا، پسند ناپسند، لباس، رشتہ داریاں، دوست، فارغ اوقات کے مشغلے آتے ہیں اور مذہب کے نام سے عقیدہ، عبادت، زندگی موت اور خوشی غمی کی رسومات بھی اسی عنوان کے تحت آتی ہیں۔ جبکہ سماجی اور معاشرتی اقدار، اخلاقی اقدار، معاشی اور اقتصادی قواعد وضوابط اور پالیسیاں، سیاست حکومت اور سب سے بڑھ کر قانون سازی اور حاکمیّت کے تصوّرات یہ کام اجتماعی زندگی کے دائرہ میں آتے ہیں اور اوپر درج کردہ تفصیل کے مطابق یہ مذہب کی اجارہ داری اور گرفت سے مبرّا اور خارج سمجھے جاتے ہیں اور ان ایوانوں میں نہ مذہب پر بحث ہوتی ہے نہ اس کی کوئی مداخلت تسلیم کی جاتی ہے اسے اصطلاحاً سیکولر (SECULAR) اور اس سوچ وفکر اور نظام کو سیکولرازم (SECULARISM) کہا جاتا ہے۔

گزشتہ دو صدیوں کے مغربی تسلط کے زیر اثر آج یورپی دنیا میں (ماسوائے چند محدود معاشروں کے) یہی سوچ پروان چڑھ کر پختہ ہو چکی ہے، مغرب میں تو اب اس سوچ کے تحت پروان چڑھ کر ایسی دو نسلیں عملی زندگی میں قدم رکھ چکی ہیں جو انسانی اخلاق وکردار اور مذہب کے تحت حلال وحرام کے تصورات کو فرسودہ خیال کرتی ہیں، اباحیّت پسندی (LIBERALISM) کی قائل ہیں یعنی ہر چیز استعمال کرو یہ حلال وحرام، سچ اور جھوٹ، اخلاق اور کردار (MORALITY) سب پرانے خیالات ہیں۔ اب آج کا امریکی معاشرہ VALUELESS

Marfat.com

اور MORALLESS معاشرہ بن چکا ہے یعنی حیوانی معاشرہ جہاں افراد صرف جبلّی تقاضوں (ANIMAL INSTINCTS) کے تحت زندگی میں بھاگ دوڑ کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ انسانی کمزوری ہے کہ ہر دور میں عام طور پر انسان جس نظام میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے اکثر انسان یہ سوچ رکھتے ہیں کہ شاید اس طرزِ زندگی کے علاوہ کوئی اور طرزِ زندگی ممکن نہیں ہے اور آج کے ترقی یافتہ ممالک کے شہری تو اپنی اخلاقی گراوٹ کے باوجود بھی یقین رکھتے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی اور طرز زندگی ہے تو وہ فرسودہ، جاہلانہ اور انسانوں کے لئے نقصان دہ ہے لہٰذا جلد از جلد لوگوں کو ان جیسا طرز زندگی اختیار کر لینا چاہیے۔ اس سوچ پر مزید ایک تہہ یہ بیٹھتی ہے کہ ان معاشروں کے افراد بشمول آج کے مغربی انسان کے، ان کا یہ دورِ عروج ہمیشہ رہے گا اور ان کو زوال نہیں ہے اور ان کو جو عیش و آرام میسّر ہے وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

یہ عیشِ دوام کا تصور ان کی خواہش تو ہو سکتی ہے مگر یہ کائنات عیش پسند اور ظالم و جابر انسانوں نے نہیں بنائی بلکہ ایک حکیم و دانا، قادرِ مطلق، علیم و خبیر ہستی کی تخلیق ہے۔ جس نے سب کچھ با مقصد بنایا ہے اور ہر انسان کو یہ زندگی امتحان و آزمائش کے لئے دی گئی ہے جبکہ اصل زندگی مرنے کے بعد شروع ہو گی جس میں آج کے اعمال کے مطابق سہولیات ملیں گی یا پھر سزا ہو گی۔ وہ معاشرے جو اخلاقی اقدار اور قانون الٰہی سے آزاد زندگی بسر کرتے ہیں بالآخر اپنے زعم میں مست ہو کر ایسے آگے بڑھتے ہیں کہ آخر کار ان کا مقدر تباہی ہوتا ہے، ایسی تہذیبیں صفحۂ ہستی سے مٹ جایا کرتی ہیں۔ مصر، ہندوستان، ایران، یونان، چین غرض دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں سابقہ مقتدر اقوام اور تہذیبوں کے مدفن اور قبرستان موجود نہ ہوں۔ دست قدرت ایسے لوگوں کو ہٹا کر اپنی منشا کے مطابق زندگی گزارنے والے اور دوسروں کو اسی راہ پر چلنے کی دعوت دینے والے لوگوں کو سامنے لے آتا ہے۔

تاریخ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے واقعات سے لبریز ہے آسمانی کتابیں بالخصوص قرآن مجید ایسے واقعات سے انسانیت کو عبرت دلاتا ہے اور ہر انسان کو اپنی عاقبت اور موت کے بعد کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے دنیا میں 'ضمیر' اور 'اعلیٰ کردار' کے مطابق اور 'وحیِ آسمانی' کے تحت زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات تھیں اور انہوں نے خود بھی اور ان کے

Marfat.com

مصاحبین، حواری اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہی طرز زندگی اختیار کیا تھا۔

یہی کام آج سے 1400 سال قبل جزیرہ نمائے عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے ساتھیوں نے سرانجام دیا تھا اور سیکولر طرزِ زندگی کو رد کر کے زندگی کے تمام شعبوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ماتحت کر دیا تھا اور انسانوں کو دنیا کے بجائے آخرت کی زندگی کا عاشق بنا دیا تھا۔

اگر آج ہم اپنا موازنہ اسلام سے پہلے کے جاہلی معاشرے سے کریں تو دین و دنیا اور مذہب و سیاست کی تقسیم ہماری زندگی میں بھی ہے اور وہ افراد جو مغرب اور امریکہ کے خلاف سرگرم ہیں ان کی زبان پر بھی دینی مصروفیات اور دنیوی مصروفیات اور دین اور دنیا کے علیحدہ علیحدہ خانے موجود ہیں یہ سیکولرازم ہی کا زہر ہے جو ہمارے ذہنوں میں سرایت کر چکا ہے۔

ہمارے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے دین و دنیا، مذہب و سیاست، انفرادی اور اجتماعی زندگی کو یکجا کر کے اور ان کی دوئی ختم کر کے آسمانی ہدایت کے تابع کر دیا تھا اور یہی بات آج کی اصطلاح میں انقلابی فکر اور یہ کام انقلاب کہلاتا ہے۔ اسی معنی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلاب کے داعی اور نقیب تھے اور یوں انہیں پیغمبر انقلاب کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان یکتائی اور انقلابی شان ایسی ہے کہ دنیا کی معلوم تاریخ میں ان کا کوئی ثانی اور ہم پلہ تو کیا قریب بھی نہیں پہنچا۔ آپ کے لائے ہوئے انقلاب میں کوئی ایک گوشہ نہیں بدلا، صرف سیکولرزم کی جگہ اسلام نہیں آیا بلکہ اجتماعی زندگی اور انفرادی زندگی کے تمام شعبے اپنی سابقہ ڈگر سے اکھاڑ کر نئی راہ ''اسوۂ حسنہ'' پر ڈال دیے گئے اور اللہ کی ہدایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تحت زندگی رواں دواں ہوگئی۔ اس انقلاب کے روبعمل آنے کے بعد اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے ساتھیوں اور تربیت یافتہ لوگوں نے اس انقلاب کو مستحکم کیا اور انقلاب دشمن طاقتوں کا قلع قمع کر کے ایک ایسے معاشرے کی داغ بیل ڈالی جس کے اثرات آج چودہ صدیوں بعد بھی مسلم معاشروں میں بچشم سر دیکھے جا سکتے ہے۔ یہ تھا وہ دور خلافت راشدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (11ھ تا 13ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (13ھ تا 24ھ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

(24ھ تا 35ھ) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (35ھ تا 40ھ)۔

یہ دور خالصتاً 'آسمانی بادشاہت' یا نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور تھا جس میں صرف اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اگر تقابل کریں تو مجموعی طور پر معاشرہ کے افراد میں اسلام کے پھیلاؤ اور کثیر تعداد میں لوگوں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور اسلامی انقلابی فکر کی پختگی حاصل کرنے اور ابتدائی مراحل میں ہونے کے لحاظ سے دور ابوبکر رضی اللہ عنہ میں خالص للّٰہیت اور اتباعِ رسول کا جو درجہ تھا وہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں برقرار نہ رہ سکا؛ اکابر اور اَجلّ صحابہ رضی اللہ عنہم کا انتقال فرما جانا اپنی جگہ مگر لاکھوں نئے افراد اور سینکڑوں نئی اقوام کا حلقہ بگوش اسلام ہونا اور دشمنان اسلام کی کاسہ لیسیوں کا عمل دخل بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

خَیرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی (سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) یقیناً بلا شک وشبہ سب سے بہتر زمانہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے اس کے بعد ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ دور خلافت راشدہ ہے اور اس سے بھی ایک قدم نیچے ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ وہ دور ہے جو حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے دورِ حکومت سے شروع ہوا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ تو صرف چھ ماہ برسر اقتدار یعنی مسند خلافت پر متمکن رہے یہ تیسرا دور جولسانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق بعد کے ادوار سے بہت بہتر اور خلافت راشدہ کے درمیان ہے یہ بنواُمیّہ کا دور حکومت ہے۔ اس میں سب سے نامور اور سب سے اشرف اور ممتاز اسم گرامی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے جن کا دور بیس سال پر محیط ہے اور امن وامان بھی مثالی تھا اور فتوحات کا سلسلہ بھی رواں دواں تھا۔

دورِ بنواُمیّہ 40ھ سے 132ھ تک 92 سال ہے۔ اس عرصے میں اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ولید بن عبدالملک کا دور بھی نمایاں اور ممتاز دور ہے مگر وہ لوگ ابھی زندہ تھے جنہوں نے دورِ صحابہ دیکھا تھا اور وہ آنکھیں ابھی بند نہیں ہوئی تھیں جنہوں نے خلافت راشدہ کے روشن دور کا نظارہ کیا تھا............ اور یہ احساس ان کے لئے 'آپ بیتی' کا درجہ رکھتا تھا لہٰذا عام مسلمانوں میں بھی یہ احساس پھیلتا چلا گیا کہ مسلمان معاشرہ دور خلافت راشدہ جیسی برکات سے محروم ہوتا جا رہا ہے اور اسلام کی مکمل انقلابی تعلیمات، مساوات، عدل وانصاف، عدلِ اجتماعی، کفالت عامہ وغیرہ کا رنگ پھیکا پڑتا جا رہا ہے جس سے خاندانی وگروہی تعصبات، ظلم اور

Marfat.com

ناانصافی جیسے رویّے جنم لے کر پروان چڑھ رہے تھے۔

یہ وہ وقت ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کی ایک اور پیش گوئی اور مستقبل بینی کی بصیرت باطنی کی صداقت کی چکا چوند روشنی کے سامنے آنے کا وقت آ گیا اور وہ روشنی اور مثال یعنی ہدایت ظاہر ہو کر رہی جیسے فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

''اللہ اس امت میں ہر سو سال پر ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کردے گا۔'' (رواہ ابوداؤد، عن ابی ہریرۃ)

انسانی تاریخ اور سوشل سائنس کا ادنیٰ طالب بھی جانتا ہے کہ وقت کے ساتھ انسانی رویّوں میں اضمحلال اور کمزوری آتی ہے اور نظریات اور اعتقادات کے میدان بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ یہ بات ہمارے محبوب پیغمبر نبی آخر الزمان ﷺ کی نگاہوں سے کیسے اوجھل ہو سکتی تھی اور مزید یہ کہ انسانی طرزِ عمل کی اتنی بڑی حقیقت سے اپنی امت کو کیسے بے خبر رکھ سکتے تھے چنانچہ اس فرمان رسالت ﷺ میں اس حقیقت کا اعتراف بھی ہے، امّت کی تعلیم بھی ہے اور ساتھ ختم نبوت و رسالت کے ضمن میں تدبیر خداوندی کی ایک کڑی کا ہمت بڑھانے والا اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے عرصے کے اہم حصے پر ایسی شخصیّات اٹھاتا رہے گا جو اسی انقلابی فکر کی حامل ہوں گی (انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام کی تعلیمات سے باخبر) اور ایسی شخصیّات اپنے دور میں اسلام کے روشن چہرے پر عجمی اثرات اور غیر اسلامی نظریات اور معاشرتی دباؤ کے تحت دینی اقدار کے تحفظ کے ضمن میں سستی، اضمحلال، چشم پوشی اور بدعملی جیسے عوارض کا علاج کر کے امت کے ایک معتدبہ حصے کو اسلام کی انقلابی فکر کی پٹڑی پر چڑھانے کا کام کریں گے۔

فقط

خاکپائے مجاہدین وغازیان وکارکنانِ غلبۂ اسلام

انجینئر مختار فاروقی

Marfat.com

حرفِ آرزو

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تائید ونصرت سے قرآن اکیڈمی جھنگ میں سلسلہ وار ماہانہ سیمیناروں میں 20 نامور اسلامی انقلابی شخصیات سے متعلق تقاریر اور خطابات میں پیش کردہ مواد کو یکجا کر کے پیش کیا جارہا ہے تاکہ یہ قیمتی علمی ورثہ زیادہ سے زیادہ قدر دانوں کے سامنے آسکے اور وسیع پیمانے پر لوگ اس سے استفادہ کر سکیں اس سے جہاں ہماری نئی نسل میں اسلام کی عظمت کا احساس ہوگا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوگا، وہاں کیا عجب کہ ع ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی'' کے مصداق، ہمارے نونہالانِ ملت سے کوئی محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور کوئی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ بن کر اُمت کی کشتی کو منزل مراد تک پہنچا دے۔ یہ 21 شخصیات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیام پاکستان سے پہلے کی ہیں جنہوں نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر ملت کی بیداری اور اسلام کے احیاء اور غلبے کے لئے کام کیا ہے۔ یاد دہانی کے طور پر سلسلۂ سیمینار کے آغاز کے موقع پر لکھا گیا ''حرف آرزو'' اس سلسلہ کے آغاز پر بھی شائع کیا جارہا ہے تاکہ اس ضمن میں سابقہ کوششوں کے ساتھ ایک ذہنی تسلسل قائم ہوسکے۔

ان اِکّیس شخصیّات کے انتخاب میں جن باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

- بالعموم ہمارے ہاں محافل سیرت اور مجالس حمد ونعت کے ساتھ ساتھ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام بکثرت ہوتے ہیں پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے حالات پر بھی اخبارات وغیرہ میں ایڈیشن شائع ہوتے ہیں، سیمینار، کانفرنس اور مشاعرے منعقد ہوتے ہیں جبکہ تاریخ کی دیگر عظیم شخصیّات کا تذکرہ دن بدن کم ہوتا جارہا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ ان کی یاد تازہ کی جائے۔
- ان شخصیّات کے انتخاب میں انفرادی ذاتی نیکی اور اعلیٰ مقام کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

ملّی، اجتماعی اور سیاسی مساعی کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے ورنہ کون انکار کرسکتا ہے کہ تصوّف کے لحاظ سے ترتیب میں حضرت جنید بغدادی اور بایزید بسطامی کا اسم گرامی سرفہرست ہوگا، محدّثین کے حوالے سے امام بخاری اور امام مسلم کا نام نامی بہت عزت وشرف کا حامل ہے، فقہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ امام شافعی، امام مالک اور حضرت جعفر صادق کے نام باعث برکت ہوں گے، اسی طرح صرف بادشاہوں کی فہرست ہوتو بہت سے نمایاں روشن ستارے ہیں۔ تاہم یہ فہرست ہمہ گیر شخصیّتوں پر مشتمل ہے ہم نے نیک نیتی سے فہرست بنائی ہے تاہم اختلاف کی گنجائش رہے گی جس کا قارئین کوحق حاصل ہے۔

○ اس فہرست میں عالم عرب کے دور سے براعظم پاک وہند کی طرف آئے ہیں لہٰذا گزشتہ چار صدیوں کے زعماء ملّت جو پاک وہند سے باہر ہیں وہ اس فہرست سے رہ گئے ہیں۔

اس فہرست سے مقصود صرف یہ ہے کہ ہم سب اپنی تاریخ کے ان روشن ستاروں کے حالات کو پڑھیں اور ان کے کارناموں سے آگہی حاصل کریں؛ اس لئے کہ قوم اور ملّت کے لئے تاریخ ایسے ہی ہے جیسے کسی ایک فرد انسانی کے لئے حافظہ، اگر کسی حادثہ میں کسی شخص کا حافظہ خراب ہوجائے تو اس کے کرب اور دکھ کا کوئی سمجھدار آدمی ہی تصوّر کرسکتا ہے۔ اسی طرح جو قوم یا ملّت اپنی تاریخ سے روگردانی کرے یا بھول جائے وہ کٹی پتنگ کی طرح ہے جسے کوئی طالع آزما جہاں چاہے لے جائے۔ یہ سلسلہ قرآن اکیڈمی میں ماہانہ پروگراموں کے طور پر ہوگا اور ان شاء اللہ دو سالوں میں مکمل ہوگا۔

ان محترم شخصیّات کا انتخاب آج کے دور کی گروہی تقسیم سے بالاتر ہوکر کیا گیا ہے لہٰذا اگر ان شخصیّات میں کسی ایسی شخصیّت کا نام آگیا ہے جو آپ کے نزدیک نہیں ہونا چاہیے تھا تو درگزر فرمائیں اور اگر کوئی نام آپ کی دانست میں شامل ہونا چاہیے تھا مگر شامل نہیں ہے تو بھی دل بڑا کرکے ہمیں معاف فرمائیں۔

Marfat.com

دورِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سے قیامِ پاکستان تک کی 121 اسلامی انقلابی شخصیات کے اسمائے گرامی

1 حضرت عمر بن عبدالعزیز
2 امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت
3 امام احمد بن حنبل
4 امام غزالی محمد بن محمد
5 شیخ عبدالقادر جیلانی
6 سلطان صلاح الدین ایوبی
7 امام ابن تیمیہ تقی الدین
8 سلطان محمود غزنوی ناصر الدین
9 حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
10 حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی
11 حضرت اورنگزیب عالمگیر محی الدین
12 حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی
13 حضرت احمد شاہ ابدالی
14 سلطان فتح علی ٹیپو شہید
15 حضرت شاہ اسماعیل شہید
16 حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی
17 حضرت امداد اللہ مہاجر مکی
18 حضرت محمود حسن شیخ الہند
19 حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی
20 حضرت مولانا محمد علی جوہر
21 حضرت علامہ محمد اقبال

Marfat.com

اسلامی تاریخ کی اہم شخصیات

چھٹی تا چودھویں صدی عیسوی

اہم اسلامی شخصیات / عیسوی صدیاں	6 501-600AD 126-23BH	7 601-700AD 23BH-81AH	8 701-800AD 81-184AH	9 801-900AD 184-288AH	10 901-1000AD 288-391AH	11 1001-1100AD 391-494AH	12 1101-1200AD 494-597AH	13 1201-1300AD 597-700AH	14 1301-1400AD 700-803AH
حکمران	حضرت محمد ﷺ 571–632	خلافت راشدہ 632–661 دورِ بنو اُمیہ 661–750	دورِ بنو عباس 750–1258						
علماء			امام ابو یوسف امام مالک	امام شافعی امام بخاری امام مسلم امام ابن ماجہ امام ابو داؤد امام ترمذی امام نسائی					
صوفیاء		اویس قرنی (تابعی)	الحسن البصری (تابعی) ابراہیم بن ادھم	جنید بغدادی	بایزید بسطامی	علی ہجویری		شہاب الدین سہروردی معین الدین چشتی مولانا روم	
شخصیات حصہ اوّل		عمر بن عبدالعزیز امام ابو حنیفہ		امام احمد		امام غزالی	شیخ عبدالقادر جیلانی سلطان صلاح الدین ایوبی	امام ابن تیمیہ	

Marfat.com

1

مجدد اوّل، نامور منصف حکمران،

عمر ثانی، خلیفۂ راشد

حضرت

عمر بن عبد العزیز

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : 61ھ/681ء مدینہ منورہ میں ہوئی۔

- 87ھ/706ء میں حجاز کے گورنر مقرر ہوئے۔
- 99ھ میں ولی عہد نامزد کیے گئے۔

وفات : رجب 101ھ/فروری 717ء

- حلب کے قریب دیر سمعان میں مدفون ہیں

Marfat.com

سلطنتِ بنواُمیہ

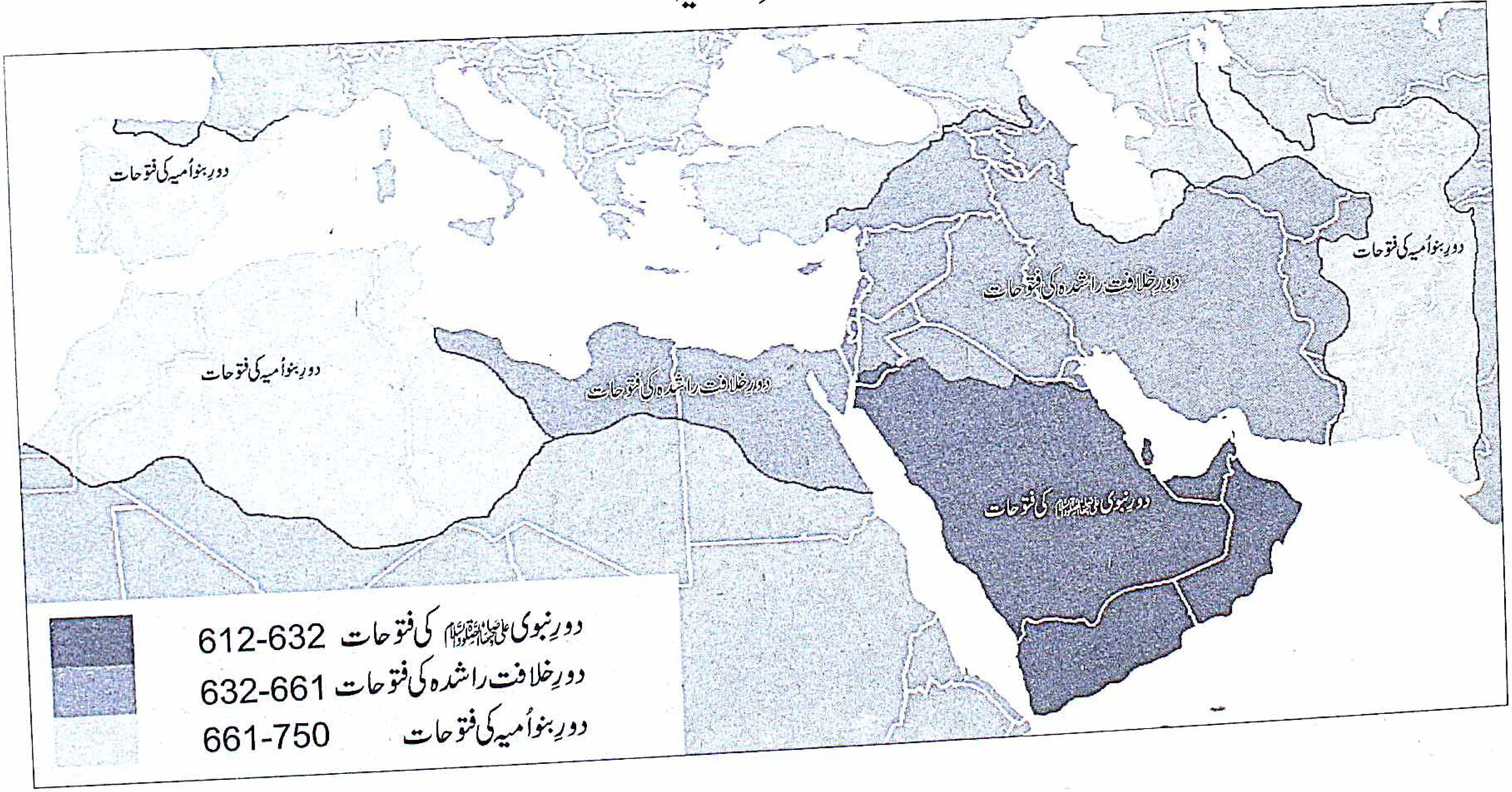

Marfat.com

بنواُمیہ کے چشم و چراغ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خاندانِ بنواُمیہ کے حکمرانوں کے گلدستہ کے سب سے خوشبودار پھول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس طرح تربیت فرمائی تھی اور دین و دنیا کو، سیاست و مذہب کو اور حکمرانی و رہبانیت کو ایک ایک انسانی پیکر میں یکجا کر دیا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ اس کی تفصیل سے بھری پڑی ہے لیکن بعد کے ادوار میں یہ یکجائی و یک رنگی قائم نہ رہ سکی اور سیرت نبوی کا عکس جمیل دھندلا ہوتا چلا گیا۔ تاہم جماعت تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ملت کے ہمدرد، خدمت خلق کے پیکر، عدلِ اجتماعی کے علمبردار اور ایک وسیع سلطنت کے 'خلیفہ' ہونے کے باوصف جس 'درویشی اور فقر' کا نمونہ بن کر جیئے وہ جریدۂ عالم کے صفحات پر نقشِ دوام کا منظر پیش کرتا رہے گا۔

آپ کے حالاتِ زندگی و دیگر ملّی و دینی کارنامے مختصراً درج ذیل ہیں:

ذاتی حالات وکوائف

ابوحفص کنیت اور عمر نام تھا۔ باپ کا نام عبدالعزیز اور ماں کا نام اُمّ عاصم تھا، جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عاصم رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پڑنانا تھے۔

آپ کی ولادت ثقہ روایت کے مطابق 65ھ میں مدینہ میں ہوئی اور آپ کی تربیت آپ کے والد کے زمانۂ گورنری میں مصر میں آسودہ حالی کے ماحول میں ہوئی۔ نازونعم میں پیدا ہونے والا یہ سلیم الفطرت نوجوان ابتداہی سے اعلیٰ انسانی اقدار، امانت، دیانت اور شرافت کا پیکر

Marfat.com

ثابت ہوا، فنونِ حرب اور گھڑسواری تو عرب کے خون میں شامل تھی اور وراثت میں ملی تھی ان اعلیٰ اوصاف سے متصف جب یہ مردِ جلیل عملی زندگی میں آیا تو بنوامیہ کے برسراقتدار طبقہ کے عام افراد سے مختلف عادات و اطوار کا انسان ثابت ہوا۔ باپ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جہاں اپنی صلاحیتیں منوانے کا موقع ملا وہ مدینہ کی گورنری کا دور ہے۔ جب آپ کو مدینہ کے گورنر کی حیثیت سے تقرری کا موقع آیا تو آپ نے انکار کر دیا اور اس شرط پر راضی ہوئے کہ مجھ سے سابق گورنروں کے نقش قدم پر ظلم اور جبر کی توقع نہ کی جائے۔ ولید نے کہا آپ حق پر عمل کیجیے گا چاہے ہمیں ایک بھی درہم ٹیکس وصول نہ ہو۔ یہاں مدینہ منوّرہ آ کر آپ نے دیگر رفاہِ عامّہ کے کاموں اور خدمت خلق کی مصروفیات کے علاوہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر و توسیع کے کام کی نگرانی کی اور اللہ کے گھر کی تعمیر میں دل و جان سے عملی حصہ لیا۔ اس جذبۂ خدمت اور عملی دلچسپی کے ساتھ ساتھ حسن انتظام کے جو مظاہر سامنے آئے اس سے ایک طرف عوام میں آپ کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف دارالحکومت میں آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔

خاندان خلافت کا حصہ ہونا آپ کو اسلامی ریاست کے انتظامی عہدوں پر لے آیا ورنہ آپ کی ذاتی تربیّت جن اصولوں پر ہوئی تھی وہ تو علماء و فضلاء کے ساتھ مسند تعلیم و ارشاد تھی تاہم گورنر مدینہ کی حیثیّت میں بھی آپ نے علماء و فضلاء سے رابطہ رکھا اور ان سے رہنمائی لیتے رہے اور عوام کی دادرسی کے لیے علماء و فضلاء کے ذریعے سے ہی اطلاعات اور معلومات لینے کا نظام قائم کیے رکھا۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ بڑے بڑے محدثین کو ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ الحفّاظ'' میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

كان امامًا فقيها مجتهدًا عارفًا بالسنن كبير الشان ثبتًا حجّةً حافظًا

''وہ بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد، حدیث کے بڑے ماہر، بڑی شان والے، معتبر، سند اور حافظ تھے''

بطورِ خلیفہ نامزدگی

اگرچہ تمام خاندان بنواُمیہ مہماتِ امور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی کی

Marfat.com

طرف رجوع کرتے تھے لیکن سلیمان بن عبدالملک کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ گویا ان کو اپنا وزیر بنالیا تھا اس مصاحبت میں اس عظیم انسان کی جو خوبیاں سلیمان کے سامنے آئیں وہی اس بات کی بنیاد بن گئیں کہ مختلف اختلافات اور ردّ و کدح کے بعد بالآخر ان کی بطور خلیفہ نامزدگی کا 'وصیّت نامہ' سامنے آیا۔

سلیمان بن عبدالملک کے انتقال کے بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا وصیّت نامہ پڑھا گیا تو جلد ہی اتفاق ہوگیا کہ ایک اہل شخص کو اس کا حق مل گیا، آپ نے سلیمان کا جنازہ پڑھایا۔ بارِ خلافت کے تصور سے آپ نہایت متردّد اور متفکّر ہوگئے چنانچہ ایک استفسار پر آپ نے فرمایا:

''تشویشناک بات یہی ہے کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا پورا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو''۔

بالآخر آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

موروثی خلافت نہیں عوامی خلافت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو اعلیٰ خلقت کی حامل اور منفرد شخصیات کے مالک ہوتے ہی تھے پھر ان میں کامل ترین رسول اور اکمل ترین نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ساتھی بھی اولادِ آدم میں انفرادیت کے حامل ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیّت یافتہ تھے اور اس فضل و کمال میں بعد کے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کا سہیم اور شریک نہیں ہے ان کی خاص تربیت کا نتیجہ ہے کہ دین کے معاملے میں ننگی تلوار اور حق کے معاملے میں عدل و انصاف کے علمبردار تھے۔ ان کے ہاتھ سے کسی کی نامزدگی میں بھی ایک حسن اور لطافت کا پہلو تھا اور حق و انصاف کا دامن بھی ہاتھ سے نہ جاتا تھا مگر دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد یہ نامزدگی موروثیّت میں تبدیل ہوتی چلی گئی اور اس میں استحقاق اور اہلیت پر نگاہ کم اور عصبیّت اور رشتہ داری پر زیادہ ہوتی جارہی تھی۔ تاآنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ سامنے آیا تو پہلے عوامی خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! مجھ پر خلافت کا بار بغیر اس کے کہ مجھ سے رائے لی جاتی یا میں اس کا خواستگار

Marfat.com

ہوتا یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا، ڈال دیا گیا ہے میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اس کو نکال لیتا ہوں اب جس کو چاہو خلیفہ مقرر کرلو'

یہ موروثی خلافت اور امارت کا انقطاع تھا۔ اس خطبہ کو سن کر سارے مجمع نے باآواز بلند کہا: ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور آپ کی خلافت پر راضی ہوئے۔ یقیناً اس اجتماع میں وہ بھی تھے جو پہلے آپ کے خلیفہ بنائے جانے پر راضی نہ تھے اور صرف دیکھنے آئے تھے کہ کیا ہوتا ہے؟ اس پر شور وغل ہوا اور مسجد میں ہنگامی حالت کی سی کیفیت پیدا ہوگئی جب سکون ہوا اور لوگ آپ کی خلافت پر مطمئن ہوگئے تو آپ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کہتے ہوئے ایک مفصّل تقریر فرمائی جس میں تقویٰ، فکرِ آخرت اور تذکرۂ موت کی طرف توجہ دلائی اور پھر فرمایا:

''جو شخص اللہ کی اطاعت کرے گا اس کی اطاعت واجب ہے اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا اس کی اطاعت جائز نہیں۔ جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں میری اطاعت کرنا اور اگر میں نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں''۔

یوں ــــــ موروثی خلافت وحکمرانی سے بات استحقاق اور ''اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَهْلِهَا'' کی روح تک جا پہنچی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ خلافت میں ''حقیقی خلافت'' کے دھندلے نقوش دوبارہ سنوار کر اور عدل وانصاف اور کفالت عامّہ کی ذمّہ داری پوری کر کے 'خلافت راشدہ' کی یاد تازہ کردی جسے اپنے اور بیگانے سب تسلیم کرتے ہیں حتیٰ کہ 'خوارج' نے بھی آپ کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔

خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خدوخال

1 خلافت راشدہ کے نقش قدم پر

آپ نے خلافت کا بار اٹھاتے ہی کئی کام انجام دیے جو سب کے سب نہایت اہم اور وقیع ہیں اور ایسے کام وہی شخص کرسکتا ہے جو دل میں خوفِ خدا اور آخرت میں جوابدہی کا گہرا احساس رکھتا ہو اور مزید برآں عوامی مسائل اور دکھوں کا ادراک اور ان مسائل کے حل کے لیے

Marfat.com

قرآن وسنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے رجوع کے ساتھ قرآنی حکم کو نوشتہ دیوار سمجھتا ہو نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہو۔ چنانچہ طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے ایک خط میں اپنے ذہن اور پالیسی کا یوں اظہار فرمایا:

و قد رأيت ان اسير في الناس بسيرة عمر بن الخطاب رضي الله عنه ان قضى الله ذلك واستطعت اليه سبيلا فابعث اليّ بكتب عمر و قضائه في اهل القبلة و اهل العهد فاني متبع اثره و سائر بسيرته ان شاء الله تعالى (سیرت عمر بن عبدالعزیز)

''میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملے میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روش اختیار کروں۔ بشرطیکہ یہ خدا کو منظور ہو اور میں اس پر قادر ہوا۔ آپ میرے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریریں اور ان کے فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے متعلق کیے ہیں، بھیج دیجیے۔ اگر خدا کو منظور ہو گا تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا''

اگرچہ اس روش کے اختیار کرنے کے لیے آپ کا زمانہ اس قدر ناموزوں تھا کہ نہ 11ھ تا 35ھ کے دور کی عوام تھی اور نہ ارباب اختیار، تاہم آپ نے اس کا بیڑا اٹھایا اور نمایاں حد تک اس کارنامے کو کر دکھایا کہ اپنے پرائے انگشت بدنداں رہ گئے۔

2 اموالِ مغصوبہ کی واپسی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں میں عراق کی زمینوں کی فتح پر ان کو مال غنیمت قرار دینے کی بجائے خراجی زمین یعنی STATE LANDS قرار دینا تھا جو اہلیت اور مقاصد کی تکمیل تک عارضی طور پر کسی کو بھی دی جا سکتی تھی۔

مگر انسانی معاشرتی رویے اور انسانی نفسیات تو ہر جگہ کام کرتے ہیں۔ جب زمانہ 'خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ' سے 'ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ' میں داخل ہوا تو فرمان رسالت کے مطابق اگلی نسل میں ماحول وہ نہ رہا۔ جب تاریخ کے بہاؤ میں مزید 'ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ' کا دور آیا تو 'خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ' کے مقابلے اسلامی اقدار، اجتماعی عدل و انصاف اور کفالتِ عامّہ کا تصور مزید دھندلا ہو گیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پون صدی بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا

Marfat.com

دور آیا تو عوام اور ارباب اختیار بعد والوں سے بہت بہتر مگر پہلوں سے پیچھے تھے۔

سرکاری خزانہ اعلیٰ رہائش گاہوں، محلّات، آرام و آسائش پر صرف ہونے لگا تھا اور سرکاری زمین مستقل ذریعہ آمدنی کے طور پر مقتدر طبقہ اپنے اعزہ و اقارب کو 'جاگیر' عطا کر دیتے تھے تاکہ حکومت مضبوط ہو اور خاندان مفادات کی خاطر ہی سہی' جڑا رہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کافی پہلے محسوس کر لیا تھا اور اس کے اثراتِ بد سے بھی خوب آگاہ تھے۔ لہٰذا جیسے ہی انہوں نے زمامِ خلافت سنبھالی اموالِ مغصوبہ اور جاگیریں ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیں اور آغاز خود اپنی جاگیر اور گھر کے مال سے کیا۔

یہ بات بنوامیہّ کے شہزادوں رئیسوں مقتدر طبقہ کے اعزہ واقرباء کو سخت ناگوار گزری اور اس سے وہ مستقبل میں آسودگی کے دور کو اپنے پاؤں کے نیچے سے کھسکتا دیکھ کر تلملا اٹھے اور اس کا بارہا اور مختلف مقتدر لوگوں کے ذریعے اظہار بھی کیا گیا مگر ــــــ قربان جائیے اس مردِ درویش حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر، جو چٹان بن کر کھڑا رہا اور ان کے اہل بیت اور اولاد پر، کہ وہ بھی درد کو محسوس کرتے ہوئے اس کو برداشت کیے رہے اور آخرت کے اعلیٰ مراتب پا گئے۔

ع خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

3 ذمّیوں کے حقوق کی ادائیگی

محکوم غیر مسلم اقلیّتیں اہل اسلام سے چودہ صدیوں کا میل جول رکھتی ہیں اور اس معاملے میں اسلام کے اعلیٰ معیار خلافت راشدہ کے مقابلے میں چاہے بعد کے ادوار میں کمی آتی چلی گئی تاہم ذمیوں کے حقوق کے بارے میں تاریخ اسلام اس قدر روشن، تابناک اور زریں حروف سے رقم ہے کہ اپنوں سے زیادہ بیگانے اس کے معترف ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا آئیڈیل قرار دیا تھا؛ لہٰذا پہلی صدی ہجری کے اختتام تک ذمیوں اور غیر مسلم اقلیتّوں کے حقوق کے بارے کچھ ناروا باتیں سامنے آئی تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اصلاح فرمائی اور اس ضمن میں ہر قسم کے ظلم اور امتیاز اور جبر کا یکسر خاتمہ کر دیا جس سے اسلامی ریاست کے طول و عرض میں عدل و انصاف کے حصول پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

Marfat.com

4 کفالت عامّہ کا اہتمام

آسمانی ہدایت اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں اللہ کی رضا کے لیے عبادت کے ساتھ اجتماعی سطح پر حکومت کا حصول اور اسلام کا غلبہ ناگزیر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کامل طریقے سے عمل ہو سکے۔ اس کامل اور مکمّل عمل درآمد کا اہم گوشہ اسلامی ریاست میں رہنے والے ہر شہری کی کفالت ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

خلافت راشدہ کے کچھ عرصہ بعد سے یہ تصوّر دھندلا ہوتے ہوتے برائے نام رہ گیا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کفالت عامّہ کے تصور کو اجاگر کیا اور حکومت کے بیت المال کو جو جاگیروں کی واپسی سے بھر چکا تھا عوام اور بے سہارا لوگوں کی بہبود کے لیے لٹا دیا اور ہر مسلم و غیر مسلم کی کفالت کا انتظام کر دیا۔

یاد رہے کہ اسلام کی تعلیمات میں کفالت عامّہ کا یہ تصور بعد کے مسلم حکمرانوں نے قائم نہ رکھا اور عوام کی کفالت کے لیے حاصل شدہ رقوم سے ہمارے جابر و ظالم، عیّاش اور فاسق بادشاہ بڑے بڑے محلّات اور حرم بنا کر تاج محل قسم کی تعمیرات پر یہ رقم لٹاتے رہے اور عوام کا پیسہ ان کے حقوق کی بازیافت اور ان کی کفالت کے لئے خرچ نہ کرتے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کیا تھا جناب علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں کہ:

> ''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تقدیر مبرم ہے''۔

مزید برآں وہ فرماتے ہیں:

> ''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں''۔

اور اس ضمن میں وہ یہ بات کہتے ہیں کہ:

> ''اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیّت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے

Marfat.com

تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کر سکے''۔

یہ تصوّر آج بھی تشنۂ تکمیل ہے اگر چہ امت کے خوابوں اور ارمانوں میں یہ بات رچی بسی ہے کہ اسلام کی ایسی تعلیمات سے ہی بالآخر انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ملک کے مختلف مکاتب فکر کے نامور 31 علماء نے 22 متفقہ نکات پیش کیے تھے کہ یہ ہمارے نزدیک اسلام کا تصور ہے جو پاکستان میں قائم ہونا چاہیے جس میں کفالت عامہ کا تصور سب سے نمایاں تھا۔

یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی کفالت عامّہ کے تصور سے ماخوذ برطانیہ کا بیروزگاری الاؤنس کا تصور ہے یا امریکی شہری کے لیے امداد (SUBSISTANCE ALLOWANCE) ہے یا شمالی یورپ کے مما لک میں ''عمر الڈ'' کے نام سے کفالت عامّہ کا وہ تصوّر رائج ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے ماخوذ ہے۔ یاد رہے کہ اسی کفالت عامّہ کے اعلیٰ تصور ہی کی وجہ سے ان SCANDINAVIAN COUNTRIES کی SOCIAL DEMOCRACY اب تک کی انسانی ترقی کی معراج سمجھی جاتی ہے۔ یہ نیرنگیٔ زمانہ ہے کہ یہی مما لک (ڈنمارک وغیرہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکے بنانے میں پیش پیش ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ڈنمارک وغیرہ نے اسلام کے کفالت عامّہ کا تصور چرا کر دنیا میں عزت حاصل کر لی ہے اور اگر حقیقی اسلام پھیل گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عام ہو گئیں تو اسلامی ریاست میں امن وامان، عدل وانصاف، کفالت عامّہ اور بے کسوں اور معذوروں کے حقوق کی کس قدر نگہداشت ہو گی وہ تصوّر سے باہر ہے۔ یہ بات ہم مسلمانوں کے سوچنے کی ہے۔

5 ذاتی ایثار ــــــ درویش حکمران

آج کا تعلیم یافتہ طبقہ اور مغربی مما لک شاید تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ حکمرانی اور درویشی اکٹھے ہو سکتے ہیں یا ایک شخصیّت میں سما سکتے ہیں اگر چہ طالبان نے افغانستان میں حکمرانی کے دور میں مختصر مدت کے لیے مغرب کی آنکھیں چندھیا دی تھیں مگر اہل مغرب نے اپنی طاقت کے نشے میں طالبان کے نظام حکومت کو STUDY کرنے کی بجائے اس حکومت کو ہی ختم کر دیا

Marfat.com

لیکن وہ مثال اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ بقول علامہ اقبال ع ''عجم ہنوز نہ داند رموزِ دین ورنہ'' کے مصداق، اگر مغرب خلافت راشدہ کے اصولوں کو عام کرنے میں مسلمانوں کو برداشت کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ مختصر وقت میں انسانی دکھوں کا مداوا نہ ہو سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں بھی لازوال ایثار کر کے مثال قائم کردی اور اللہ نے ان کو وہ عزت دی کہ وہ عمرؓ ثانی کا لقب پا گئے اور زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھیں تو دنیا و آخرت میں بہت اعلیٰ درجات پائیں گے کئی احادیث ان کے اعلیٰ مقام و مرتبہ پر دال ہیں۔

پہلی صدی کے مجدّد

اہل علم جانتے ہیں کہ امت مسلمہ میں ختم نبوّت کا تصور نہایت بنیادی ہے اور عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بہت اہمیّت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس انقطاع نبوت کے بعد امت کی اجتماعی اصلاح کے لیے جو انتظام فرمائے ان میں قرآن مجید کی حفاظت، امت کا گمراہی پر کبھی نہ جمع ہونا اور علماء حق کا ہمیشہ موجود رہنا نمایاں ہیں انہیں میں سے ایک خدائی تدبیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

''اللہ اس امت میں ہر سو سال پر ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کر دے گا۔'' (رواہ ابوداؤد، عن ابی ہریرۃ)

چنانچہ اس کے نتیجہ میں مجدّدین کا ایک سلسلہ ہے جس سے اہل علم و فضل واقف ہیں۔ اس قول فیصل کی روشنی میں نگاہ دوڑائیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور خلافت 99ھ تا 101ھ ہے جو پہلی صدی ہجری کا اختتام اور دوسری ہجری کا آغاز ہے اور آپ نے اسلام کی اجتماعی سطح پر تعلیمات میں تجدید کا کارنامہ بھی بہ بانگ دہل سر انجام دیا لہٰذا بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے مجدّد ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور کروڑوں سلام بخشے اور ہمارے مقتدر حضرات کو بھی آج کے دور میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رومی بادشاہ کا تبصرہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر جب شاہِ روم نے سنی تو تخت سے اُتر کر فرش پر آ بیٹھا، سر سے اپنا تاج اُتار دیا اور اتنا رنجیدہ ہوا جیسے اس کا کوئی اپنا انتقال کر گیا ہو۔ پھر مسلمانوں کے سفیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"مجھے اس کی اچھی عادتوں اور پاک سیرت کی اطلاعات بکثرت ملی ہیں، اگر لوگ مجھ سے کہتے کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے تو میں مان لیتا۔ مجھے اس راہب پر تعجب ہوتا ہے، دنیا جس کے پاؤں تلے بچھ گئی مگر اس نے زہد اختیار کر لیا۔" (عظیم شخصیات کے آخری لمحات، تالیف، خواجہ طاہر محمود کوریجہ)

When the Khalifah died the Roman Emperor is reported to have said: "I should not be the least surprised if a monk renounces the world and busies himself in worship behind closed doors, but I am simply amazed at this man who has a vast empire at his feet but he rejected it and lived the life of a monk..." (www.islamicboard.com)

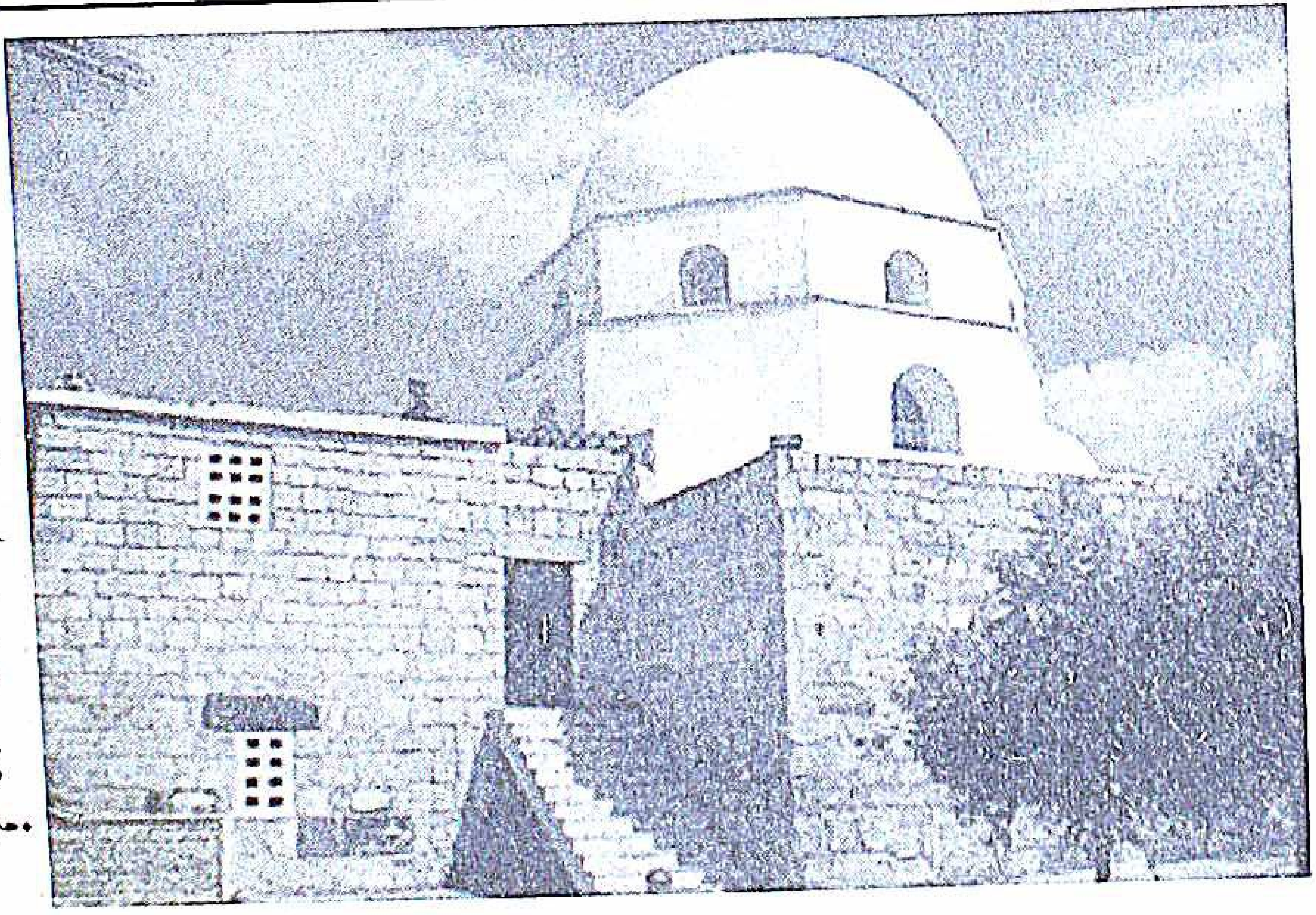

مدفن حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ، دیر سمعان (شام)

Marfat.com

2

بے مثال قانون دان، سیّد الفقہاء، حافظ حدود اللہ

حضرت نعمان بن ثابت

المعروف بہ

امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 80ھ/699ء

وفات: 150ھ/767ء

- بحالت اسیری بغداد میں فوت ہوئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔
- اس مزار پر 459ھ/1066ء میں ایک قبہ تعمیر کیا گیا تھا۔
- جس محلہ میں یہ مقبرہ واقع ہے وہ اب بھی امام اعظم کے نام پر اعظمیہ کہلاتا ہے۔

Marfat.com

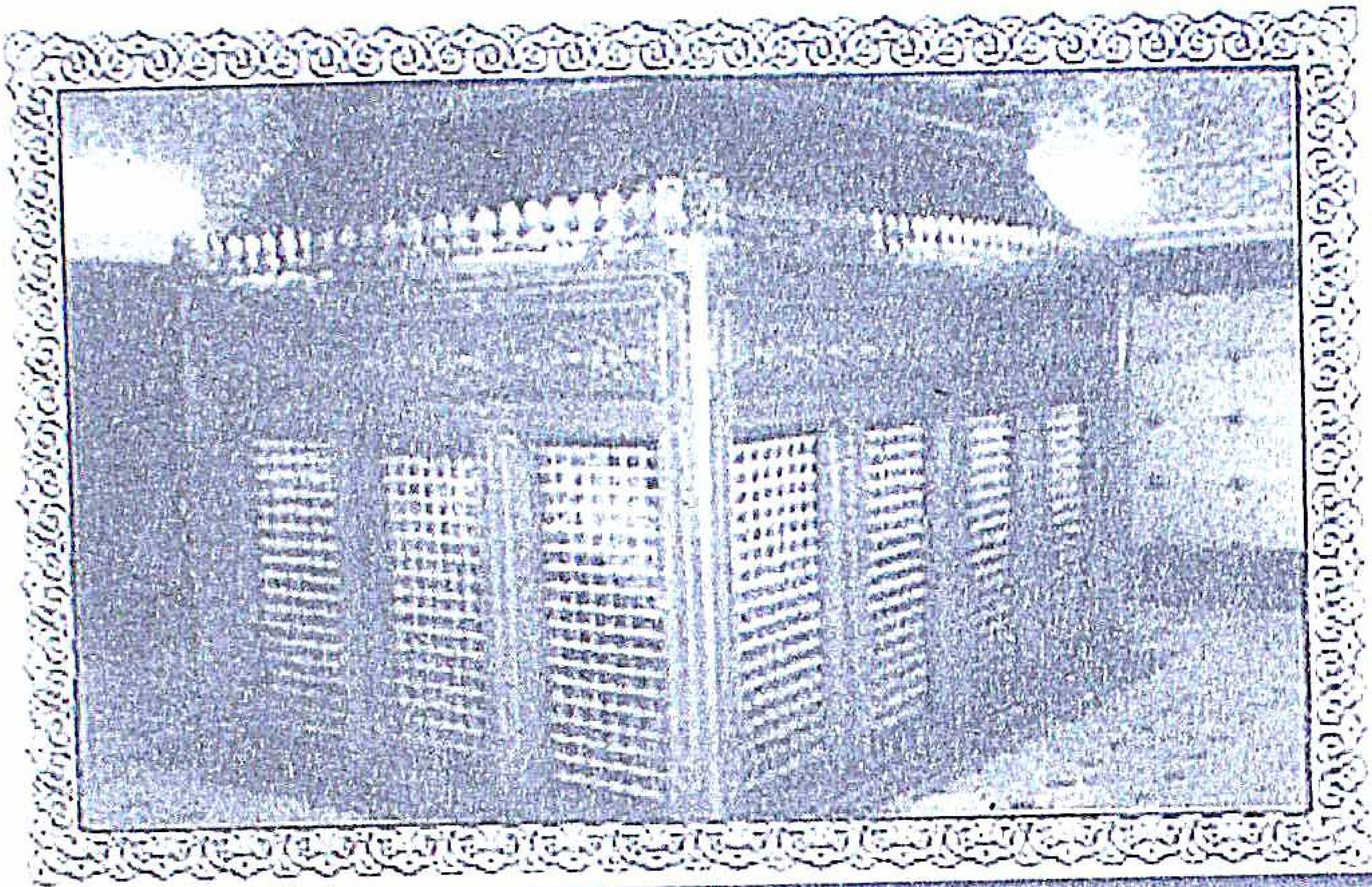

THE HOLY SHRINE OF
HAZRAT IMAM ABU HANIFA RAZI ALLAH TALA

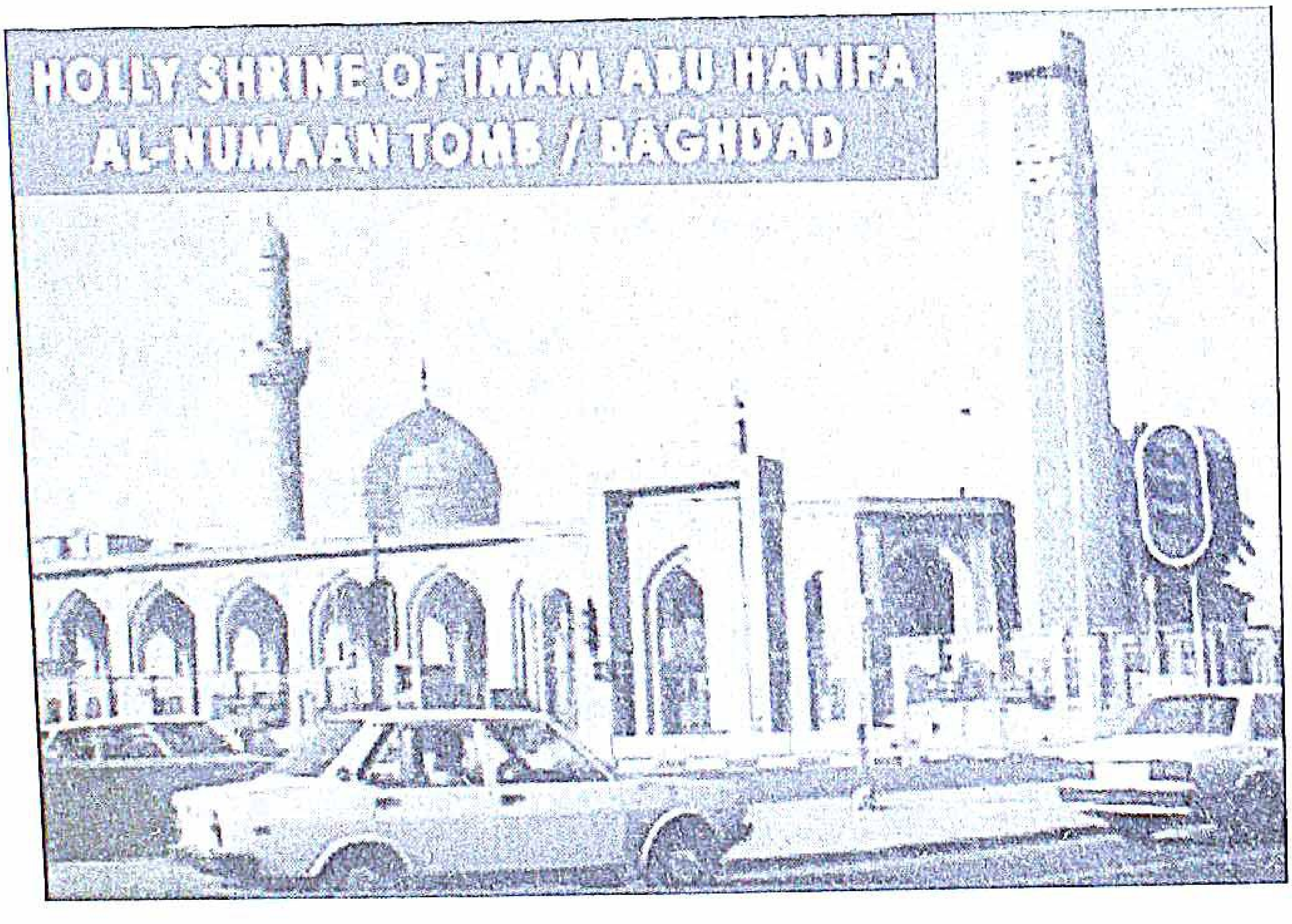

HOLLY SHRINE OF IMAM ABU HANIFA
AL-NUMAAN TOMB / BAGHDAD

Marfat.com

قرآن وسنت کے محکم دلائل پر مبنی اسلام کا تصوّرِ حکومت اور حکمرانوں کے کردار کا 'پیکرِ محسوس' خلافت راشدہ کے بابرکت دور میں یکا یک منصۂ شہود پر آیا اور نگاہوں کو خیرہ کر گیا۔ اس دور میں حکمران درویش صفت اور "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ" کی تفسیر تھے اور نظامِ حکومت "شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" کے سنہری اصولوں پر قائم تھا معاشرہ کامل مساوات انسانی پر مبنی تھا اور گروہی، لسانی، علاقائی، خاندانی تعصبات سے یکسر پاک تھا، عورت کو معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور اس کی عزت و آبرو ہر وقت محفوظ تھی، معاشی و اقتصادی سطح پر محنت کو اس کا صحیح مقام دیا گیا تھا، اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ کا نعرہ مستانہ زبان زدعام تھا اور مفت خوری، گداگری، غیر حاضر زمینداری، سرداری اور بادشاہتیں (بقول اقبال ' مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج'') غلط سمجھ کر یکسر مٹا دی گئیں تھیں۔ چنانچہ سٹّہ، سُود، جوا (CHANCE MONEY) شراب نوشی، منشیات، رقص و سرور اور بے لگام لہو ولعب پر پابندی تھی۔ زکوٰۃ اور عشر کے نظام سے کفالت عامہ کا تصور دیا گیا تھا کہ حکومت ہر مسلم اور غیر مسلم شہری کی ضروریات از قسم روٹی، کپڑا، مکان، کم از کم تعلیم اور علاج معالجہ کی کفیل تھی۔ جس سے معاشرے میں امن وسکون اور عدل وانصاف کا دور دورہ تھا نیز احترام جان ومال کا سبق سب کو یاد تھا۔ سیاسی سطح پر حکمرانی اور SOVEREIGNTY اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کر لیا گیا تھا اور عوام اور حکمران اللہ تعالیٰ کی نیابت وخلافت کے امین تھے اللہ کے احکام کی تنفیذ تھی۔ عہدے امانت اور اہلیت پر ملتے تھے نہ کہ خاندانی وراثت کے طور پر۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (11ھ) کے 30 سال بعد تک خلافت راشدہ ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا 20 سالہ دور ہے بعد ازاں آہستہ آہستہ ان اعلیٰ معیارات میں کمی آتی چلی گئی اور مسلم سوسائٹی اجتماعی معاشرتی اقدار کے حوالے سے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی —— ثُمَّ الَّذِیْنَ

Marfat.com

یَلُوْنَھُمْ ـــــــ پھر ایک درجہ اور نیچے ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ کے فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تفسیر بن گئی۔ اور قوموں کے عروج وزوال کے قانون فطرت کے عین مطابق اور باطنی انسانی داعیات پر ہدایت ربانی کی عمومی گرفت میں کمی ہونے پر برے نتائج کے ظہور کا مظہر۔

ان حالات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اُٹھایا اور انہوں نے اسلام کے انقلابی اصولوں سے جہاں جہاں ضعف واضمحلال پایا اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی۔ انہیں کل دو سال کا عرصہ ملا جبکہ معاشرے کے بااثر طبقات کے عمومی حالات بالکل دگرگوں تھے تاہم یہ مرد درویش اور خلیفہ راشد حالات کے سامنے سینہ سپر رہا اور ع "خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود" کے مصداق، تھوڑے عرصہ میں ہی اصول پسندی، ایثار اور قربانی کی ایک مثال ضرور قائم کر گیا۔

معروضی طور پر نگاہ ڈالیں تو بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام انہوں نے اوّلیت دے کر کیے وہی پہلو حد درجہ بگڑ چکے تھے تبھی انہیں یہ اصلاحی کام سرانجام دینا پڑے، جاگیروں کی واپسی، اموال مغصوبہ کی بیت المال میں جمع کرانے کی مہم، سرکاری عہدوں پر اہلیت کی بنیاد پر تقرری اور خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین ایسے اقدامات تھے جن سے ان کا خاندان اور اعزہ واقارب سب نہ صرف ناراض ہو گئے بلکہ جانی دشمن بن گئے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مالی معاملات میں سنگینی کتنی گہری تھی اور یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔ خاندان بنی امیہ نے بالخصوص اور طبقہ امراء اور آسودہ حال لوگوں نے بالعموم اجتماعی طور پر متحد ہو کر کوشش کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاحی اقدامات کو ختم کر دیا اور سابقہ ڈگر پر بیت المال کے ذاتی اغراض کے لئے استعمال اور ناجائز لوٹ مار کا دور دورہ ہو گیا۔

ہر عمل کا ایک ردِّ عمل اتنا ہی زیادہ اور مخالف سمت میں ہوتا ہے اصلاحی اقدامات کا یہ منفی ردِّعمل بھی اسی طرح زوردار اور ذاتی اغراض کی تکمیل کیلئے تھا جس کا اثر پورے معاشرے پر پڑا اور امن وامان، عدل وانصاف اور کفالت عامہ کی جگہ طوائف الملوکی اور سیاسی بے چینی نے لے لی۔

دوسری صدی ہجری کی ابتدائی تین دہائیاں وہ ہیں جن میں بنو امیہ کا اقتدار مستحکم نہ رہا اور ہچکولے کھاتا اور گرتا پڑتا بالآخر 132ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کل 72 سال بعد ختم ہو گیا۔

Marfat.com

اوپر درج شدہ تصویر ان حالات کی ہے جن میں تاریخ اسلام کی دوسری نامور شخصیت نے آنکھ کھولی اور بچپن اور جوانی کی عمر گزاری۔

ذاتی حالات و کوائف

نعمان نام، ابوحنیفہ کنیت اور امام اعظم لقب تھا۔ شجرہ نسب یوں ہے: نعمان بن ثابت بن نعمان (زوطی) بن مرزبان۔ پیدائش: کوفہ 80ھ/ 699ء، وفات 150ھ/ 767ء۔

آپ عجمی النسل تھے اور آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (پہلے پنجاب سے کابل اور پھر) کابل سے کوفہ جا کر مسلمان ہو گئے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا بچپن ایک پر آشوب دور تھا۔ حجاج بن یوسف عراق کا حاکم تھا اور مذہبی تصادم اپنے عروج پر تھا۔ عبدالملک اور اس کے بعد ولید کے عہدے داروں میں اکثریت ایسے ہی سفاک اور ظالم قسم کے حکمرانوں کی تھی۔ اس کے بعد سلیمان اور پھر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اسلامی دنیا کو کسی قدر سکون نصیب ہوا۔ ظالم عمالِ حکومت معزول کر دیے گئے اور مذہبی علوم کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ امام زہری نے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا۔ غرضیکہ امام ابوحنیفہ کے لئے اب وہ موقع آیا کہ آپ تحصیل علم کی طرف مناسب توجہ دے سکیں ان دنوں آپ کوفے میں ایک قسم کا ریشمی کپڑا بنایا کرتے اور اس کی تجارت کرتے تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 120ھ) کے درسوں میں شریک ہوتے تھے۔ یہاں آپ نے علم کلام اور فقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ حضرت حماد کے انتقال کے بعد کوفہ میں فقہ میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت کے مالک آپ ہی تھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور علماء سے بھی فقہ کی تحصیل کی۔ لیکن وہ اس فن خاص میں حضرت حماد ہی کے تربیّت یافتہ ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ فقہ میں امام موصوف نے زیادہ تر ان ہی کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن علم حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ دِرایت کے ساتھ روایت کی ضرورت تھی جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس وقت نہایت پریشان اور غریب المرتبت تھیں یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ کو بھی دو چار سو سے زیادہ احادیث یاد نہ

Marfat.com

تھیں اور یہ تعداد ضروری مسائل کے حل کے لئے بھی ناکافی تھی۔

علاوہ ازیں طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے معلوم نہ ہو، اس کے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک تعین دشوار تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا اس لئے نہایت سعی واہتمام سے حدیثوں کو بہم پہنچانے پر آپ نے توجہ دی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام موصوف نے زانوئے تلمّذ تہ نہ کیا ہو آپ کو ان مختلف اور متعدّد درسگاہوں سے اگرچہ احادیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے آپ نے حرمین شریفین میں جانا ضروری سمجھا جو علوم مذہبی کے اصل اور بڑے مراکز تھے۔

جس زمانے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظّمہ پہنچے، درس و تدریس کا بہت زور تھا۔ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ امام موصوف استفادہ کی خاطر حاضر خدمت ہوئے تو عطا بن ابی رباح نے آپ سے پوچھا۔ ”تمہارا عقیدہ کیا ہے؟“

”میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گناہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضا و قدر کا قائل ہوں۔“

عطا بن ابی رباح نے امام موصوف کو اجازت دے دی کچھ عرصے بعد یہ عالم تھا کہ جب وہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنے پہلو میں جگہ دینے لگے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ سالم رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور سلیمان سے بھی ملاقی ہوئے۔ آپ نے تحصیل علم کا سلسلہ آخر زندگی تک جاری رکھا۔ آپ اکثر حرمین جاتے اور پھر مہینوں وہاں پر قیام کرتے۔

حج کی تقریب پر ممالک اسلامیہ کے ہر گوشے سے بڑے بڑے اہل علم اور صاحبانِ کمال آ کر جمع ہوتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آپ کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے آپ کو ”قیاس“ مشہور کر دیا تھا ان ہی دنوں آپ کے شاگرد عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے فن حدیث کی تکمیل کریں جب ان کی ملاقات امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تو

Marfat.com

انہوں نے عبداللہ ابن مبارک کی زبانی تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کی غلط فہمی دور ہوگئی۔امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کے لیے جب امام اوزاعی مکہ تشریف لے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے۔ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا: ''اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے، بلاشبہ میری بدگمانی غلط تھی، جس کا مجھے افسوس ہے۔'' تاریخ شاہد ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کی ہے۔غالباً وہی زمانہ ہے کہ آپ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔

حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دوسری بار مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ایک علمی مکالمہ کے بعد حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے متعلق موجود غلط فہمی کو دور کر دیا اور آپ کی علمی حیثیت و وجاہت کا اعتراف کر لیا۔حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی چوم لی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔آپ اس خصوصیت سے مشہور ہیں کہ آپ کے شیوخِ حدیث بے شمار تھے۔

آپ نے خاندان بنوامیہ کا زوال بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بنی ہاشم اور بنی عباس کی مشترکہ کوششوں سے سلطنت بنی عباس کی تشکیل بھی آپ کی زندگی میں ہوئی۔

کسی خاندان کی سلطنت کا دور زوال ،خونریزی اور طوائف کا دور ہوتا ہے اور کسی دوسرے خاندان کی حکومت کے حصول کے بعد سلطنت کو استحکام دینے کی غرض سے مخالفین کا قتل اور سر اٹھانے والے گروہوں کا استیصال سمیت ممکنہ خطرات کی حامل شخصیات سے گلوخلاصی اس دور کی ناگزیر کارروائیوں کا حصہ ہوتی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دور اپنی عمر میں مشاہدہ کیے اور اس کی زہرناکیوں سے زخم خوردہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد میں سے آپ کے بیٹے حماد اور پوتے اسماعیل نے جو قاضی بصرہ اور قاضی درقہ تھے (متوفی 112ھ۔827ء) فقہ اسلامی میں ممتاز حیثیت حاصل کی۔

Marfat.com

شاہی عہدوں کی پیش کش

بنو اُمیّہ کے ایک حاکم مروان حمار کے دور میں آپ کو اعلیٰ عہدہ (صوبائی چیف سیکرٹری) کی پیش کش ہوئی جسے آپ نے کمال بے اعتنائی سے مسترد کر دیا اور دھمکیوں سے بھی بالکل مرعوب نہیں ہوئے۔ اسی طرح دورِ بنو عباس کے ابتدائی دور میں بھی آپ کو تسلسل کے ساتھ عہدوں کی پیش کشیں کی گئیں مگر آپ کی حقیقت شناس اور دُور اندیش طبیعت نے کبھی کوئی پیش کش قبول نہیں فرمائی۔ بقول نظیری

خلاف رسم در ایں عہد ز خرق عادت داں
کہ کار ہائے چنیں از شمار بوالعجبی ست

چنانچہ خاندان بنو عباس کے دوسرے حکمران ابو جعفر منصور نے آپ کو بلا کر قاضی القضاہ کے عہدے کی پیش کش کی جسے آپ نے ردّ کر دیا اور کسی رعب اور لالچ میں نہیں آئے حتیٰ کہ آپ کو قید کر دیا گیا اور چار سال کی قید کے دوران ہی ان کا انتقال ہوا اور قید خانے سے ہی جنازہ اٹھا۔

قانونِ اسلامی کی تشکیل و تحفظ

قانون اسلامی اپنی ٹھوس اور محکم بنیادوں، حکیمانہ اور فطری استدلال، نفسیاتِ انسانی میں موجود مثبت و منفی داعیات کے صحیح ادراک اور ان کے درمیان حسین اعتدال کے تصوّرات پر مبنی ہے اور اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اس کا خالق ارض و سماء اور فاطر فطرت کی طرف سے ہونے کا حقیقی دعویٰ ہے۔ ثانیاً ''اسلامی قانون'' کے ماخذوں کی حفاظت اور تاریخی طور پر ہر دور میں AVAILABILITY اور اس کا مطالعہ و تلاوت ہے۔ تقابلی طور پر دیکھیں تو دوسرے نظام ہائے قوانین بنیادی طور پر MAN MADE ہیں جس میں فطرتاً دوسرے انسانی گروہوں سے انصاف ناممکن ہے اور ثانیاً ان کا تدریجاً اور نسلاً بعد نسلٍ تشکیل پا کر تکمیل کے مراحل کرنا ہے۔

قانون اسلامی (جسے عرفِ عام میں فقہ یا فقہ اسلامی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے اور یہی زیادہ عام ہے) کے ماخذ چار بتائے جاتے ہیں:

① قرآن مجید ② سنت رسول ﷺ (حدیث)

Marfat.com

③ اِجماع ④ قیاس

ان چار ماخذ میں سے بنیادی ماخذ قرآن مجید و سنت رسول ﷺ ہی ہیں۔ قیاس تو ہوگا ہی اپنے دور میں جب کوئی مسئلہ درپیش ہو جبکہ اجماع کا معاملہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ایک نادر الوقوع واقع ہوگا اس کے لئے کسی رائے کو قبول عام حاصل ہونا کسی محنت اور تدبیر سے زیادہ اس کے داخلی اور فطری پہلوؤں پر منحصر ہے۔ لہٰذا ــــــ قانون اسلامی کے تحفّظ کے لئے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کا تحفّظ ازبس ضروری تھا اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

مزید غور کریں تو قرآن مجید کا معاملہ بہت مختلف ہے اور اس کی حفاظت کا معاملہ بھی طے شدہ ہے اس لئے کہ اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (15-9)

''بے شک یہ نصیحت (کتاب) ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

اس خدائی تدبیر کے کچھ اسباب بھی سامنے ہیں اور ان کا تسلسل ضروری ہے تاہم اس کی حفاظت کے اسباب ختم نبوت کے خدائی فیصلے کے لازمی نتائج ہیں۔ جو لازمی اور لابدی تھے اور تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو دوست اور دشمن سب مانتے ہیں کہ قرآن مجید اسلام دشمن لوگوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ماضی میں بھی محفوظ رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی ایسی ناپاک جسارتوں کی دست بُرد سے محفوظ رہے گا۔

قانون اسلامی کے تحفظ کے لئے اصل مسئلہ سنت رسول ﷺ کا تحفظ تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک اس پر کئی ادوار گزرے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

1۔ عہد نبوت ﷺ

2۔ عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

3۔ عہد صغار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم

حالات اب اس تیسرے دور سے چوتھے دور میں داخل ہو گئے تھے۔ جس میں صغار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وفات پا چکے تھے۔ اسلامی سلطنت بہت وسیع ہو چکی تھی اور اس کے اطراف و

Marfat.com

اکناف میں قانون اسلامی پر عمل درآمد کے لئے اس کی تدوین کی ضرورت کا احساس ہونے لگا تھا اس لئے دوسری صدی ہجری بالخصوص اشتغال بالفقہ الاسلامی کا دور ہے۔

قانونِ اسلامی کی تدوین پر گفتگو کرتے ہوئے ایک عملی پہلو جس کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ نظام عدل میں ایک منصف اور جج (یا قاضی) کے لئے کسی موجود قضیہ کے لئے کم سے کم وقت میں انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ تک پہنچنا ہے۔ نہ ہر منصف کے پاس یہ صلاحیّت ہوتی ہے کہ اصولوں سے استنباط کر کے اور قیاس کر کے موجود قضیہ پر اطلاق کر سکے اور نہ ہی ہر مسئلے میں وقت اور موقع میسّر آتا ہے۔

عہد نبوّت میں قاضی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے تھے، وسائل سادہ تھے اور مقدمات کم۔ ان حالات میں وہ اصولوں سے استنباط کر کے جلد فیصلے تک پہنچ جاتے تھے جب تک اسلامی سلطنت وسیع نہیں ہوئی تھی اہل علم وفضل اور باصلاحیت قاضی یہ فیصلے کرتے رہے اور اس سے نظائر اور عملی مسائل کے سلسلے میں اسلامی قانون کو عملی شکل دی جاتی رہی۔ دور خلافت راشدہ میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد موجود تھی اور پھر تبلیغ دین کی غرض سے بھی صحابہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلادِ شام وکوفہ میں آباد ہو گئے تھے کہ لوگ مقامی سطح پر ہی ان سے استفادہ کر سکیں۔

تیسرا دور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام کے ممتاز اور لائق شاگردوں کا ہے اور اس میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ ساتھ اہل علم وفضل کی بھی کثیر تعداد اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں ہر جگہ موجود تھی۔ تاہم عہد نبوت کے ایک صدی بعد حالات اس طرح آگے بڑھ رہے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزاجوں کے فرق کے ساتھ اب ان کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں میں ممکن تھا کہ اختلاف رائے کی وجہ سے قانون اسلامی کی تشریح قابل قبول اور قابل درگزر حدوں سے نکل جائے یہی دور ہے جس میں اسلامی حکومت میں شام، کوفہ، مصر، مدینہ میں مختلف شخصیّتیں اپنے اپنے مزاج اور ذوق کے مطابق کام کر رہی ہیں لوگ انہیں کا احترام کرتے ہیں اور انہی کے بتائے قانون اسلامی کی تشریح تسلیم کرتے ہیں جس سے قانون اسلامی کی تشریحات میں بعد پیدا ہو رہا تھا اور دشمنوں کو بھی موقع مل رہا تھا کہ وہ ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر شام، کوفہ، مدینہ میں

Marfat.com

اختلاف کو ہوا دے کر اس میں من مانی باتیں داخل کر سکیں۔ ان شارحین قانون اسلامی اور فقہائے امت کے آپس میں ملنے کے لئے ایک موقع حج اور عمرے کے اسفار تھے یہاں لوگ دور دراز سے آتے اور مہینوں قیام کر کے تبادلہ خیالات کرتے اپنے معلومات و تجربات SHARE کرتے اساتذہ سے قانون اسلامی کی اہم بنیاد "حدیث" کا علم حاصل کرتے اور واپس لوٹ جاتے۔

تاہم یہ ذریعہ جامع و مانع نہیں تھا اور نہ دشمنان اسلام کی شرارتوں سے محفوظ۔ چنانچہ حدیثوں کے گھڑنے اور متن حدیث میں ملاوٹ تدلیس جیسی باتیں اسی دور میں شروع ہو چکی تھیں۔

اس دور کے مخلص درد مند اور باصلاحیت لوگوں کے سامنے دو مسئلے بہت اہم تھے: پہلا یہ کہ حفاظت حدیث، یعنی حدیثوں کو جمع کیا جائے ان کی چھان پھٹک کر کے صحیح اور غیر صحیح، اصلی اور موضوع کی پہچان کی جائے اور اس کے اصول وضع کیے جائیں اور اس کو کتابوں میں محفوظ کر دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ـــــ اسلامی قانون جو کہ بلاد اسلامیہ کے ایک صدی کے تعامل اور عدالتی فیصلوں کے نظائر میں ابتدائی مراحل سے گزر چکا تھا اس کو مزید نکھار کر اور چھان پھٹک کر کے مدوّن کر دیا جائے جو کہ ایک منصف اور قاضی کی ضرورت ہے۔ تا کہ نظامِ عدل محکم بنیادوں پر استوار اور رواں دواں رہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اگر چہ پہلے کام پر بھی کافی توجّہ ہو چکی تھی اور لوگ احادیث کے جمع کرنے اور کتابوں کی شکل دینے میں مصروف ہو چکے تھے تاہم یہ کام کئی نسلوں میں پایہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا۔ جبکہ خلافت راشدہ کی صحت مند روایات اور صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے اثرات ابھی فضا میں چھائے ہوئے تھے تاہم دور بنو امیہ کے آخری عشروں کی بے امنی و بدسکونی اور باہمی خانہ جنگی سے یہ امر قرین قیاس تھا کہ اسلامی روایات اور قانون محفوظ نہ رہ سکے۔ لہٰذا بہت سے اصحاب علم و فضل اسلامی قانون کی تدوین اور حفاظت کو اوّلیت دے کر اس میں مشغول ہو گئے ان اصحاب علم و فضل میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے اساتذہ اور ان کے ساتھ کام کرنے والے افراد کی جماعت کے علاوہ اور بہت سی شخصیات اور جماعتیں تھی جو کام کر رہی تھیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں جس قدر وقیع کام کیا ہے اور جس منظّم انداز سے کیا ہے اسلامی قانون کی تدوین میں اس سے زیادہ کام غیر سرکاری سطح پر کوئی اور نہیں ہو سکا۔

Marfat.com

(فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سرکاری سطح پر حکومت کے زیر انتظام ہوئی ہے) اسلامی قانون کے اس طرح مدون ہو جانے سے اب قانون زبانی نہیں رہا اور نہ ہر منصف اور جج کے پاس وسیع امکان کہ وہ پیش آمدہ قضیہ میں جو چاہے فیصلہ کر دے اور اس طرح بلاد اسلامیہ میں انتشار کا سبب بن جائے بلکہ ترتیب وار اور شق وار تدوین کے بعد بہت چھوٹا سا دائرہ تھا جس میں قاضی کو معروضی حالات میں جرم کی نوعیت، مجرم کے حالات پس منظر اور عرف کا لحاظ رکھنا تھا۔ جس سے عباسی دور کے ابتداء میں ہی بلاد اسلامیہ کے طول و عرض قانون کی یکسانیت پیدا ہو گئی اور فیصلوں کے اجراء اور تنفیذ میں ذاتیات اور پسند ناپسند کا عنصر تقریباً ختم ہو گیا اور وسیع سلطنت کے شایانِ شان قانون اسلامی مدوّن شکل میں میسر آ گیا۔

قانون اسلامی کی اس تدوین اور حفاظت کا نتیجہ ہے کہ اس شعبے میں دشمنوں کی دراندازی کے امکانات ختم ہو گئے اور آج بھی اسلامی قانون ایک جاندار زندہ اور قابل عمل نظام قانون کے طور پر موجود ہے اور دوسرے تمام نظام ہائے قوانین کے مقابلے میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ (اگرچہ خود داخلی طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق دور حاضر کے مسائل پر غور کرنے اور اس کو UPDATE کرنے کی ضرورت ہے)۔

جبکہ حدیث کی حفاظت کا دوسرا میدان جو احادیث کو جمع کرنا اور اس کو کتابوں میں محفوظ کرنا تھا اس میں چونکہ ڈیڑھ صدی گزر گئی (امام بخاری وفات 256ھ۔870ء، امام مسلم وفات (261ھ۔875ء۔امام ترمذی 279ھ۔892ء، امام ابوداؤد 204ھ۔819ء) اس لئے دشمنانِ اسلام کو احادیث کے ذخیرہ میں موضوع احادیث کے داخل کرنے اور اس کے انبار لگا دینے کا موقع مل گیا اس کے علاوہ کتابوں کے متن کی تبدیلی و کمی بیشی اور روایات کا اضافہ کرنے کا موقع مل گیا جس سے صحیح احادیث کی تلاش میں اہل علم کو کہیں زیادہ محنت و مشقت سے کام لینا پڑا۔

ایمانی کیفیات کی حفاظت کے لئے فتنوں کا سدّ باب، عقائد کی تدوین

دین اسلام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اسلام کلمہ شہادت کی ادائیگی اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے اہتمام کا نام ہے جبکہ اس کے ساتھ دل میں اللہ کا یقین اس کی کتابوں، فرشتوں، قیامت کے دن، وحی، پیغمبروں علیہم السلام کا یقین ہو تو ایمانی

Marfat.com

کیفیّات ہیں اور آخرت میں کامیابی کا انحصار اسلام کے ساتھ ان ایمانی کیفیات پر بھی ہے۔ یہ ایمانی کیفیات چونکہ چھپی ہوئی اور دل میں ہوتی ہیں لہٰذا اس کے بارے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا یا کسی دوسرے مسلمان کو غلط فہمی میں ڈال دینا فتنہ پرور لوگوں کے لئے آسان ہے۔

دشمنانِ اسلام کے لئے یہ راستہ ہمیشہ سے پسندیدہ راستہ رہا ہے اور اس راستے میں بے شمار لوگ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی شاید اسلام کی حقیقت اور ایمان سے دور چلے جاتے ہیں۔ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی خوارج کا فتنہ ایک زور دار فتنہ تھا جس نے ایک وقت میں بلاد اسلامیہ میں افراتفری کی کیفیّت پیدا کردی تھی اور اس کے بعد بھی اسی نوعیّت کی علمی موشگافیاں ہر دور میں پہلے سے کہیں بڑھ کر سامنے آتی رہی ہیں۔ ان حالات میں ایمانی کیفیات کو عام آدمی کی پہچان کے لئے الفاظ میں معیّن شکل دینے کا کام نہایت ضروری اور ناگزیر تھا اس دور میں اس کی شدید ضرورت کا احساس آپ کی دُوررس نگاہ کو بروقت ہوا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس مرد جلیل کو بروقت خبردار کردیا اور عقائد کے مدوّن کرنے اور باقاعدہ عبارت بنا کر کتابوں میں لکھ دینے کا کام آپ کے دور میں شروع ہوا اور نہایت زور شور سے ہوا اور بالآخر مدوّن ہو کر امت کے اطمینان کا باعث بنا جس سے لاکھوں کروڑوں لوگ ایمان سے محروم ہونے سے بچ گئے۔ یہ کام عقائد کے عنوان سے ہوا اور تاریخ میں محفوظ ہے اور آج بھی اتنا ہی کارآمد جتنا پہلے تھا

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو خدمت قانونِ اسلامی کی تدوین میں کی وہ بے مثال ہے اس طرح امت اس میدان میں فتنوں اور گمراہی سے محفوظ ہوگئی انہیں کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ عباسی خلفاء کے ہاں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرلیا تھا جس سے انہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدوّن قانون اسلامی کو سرکاری طور پر رائج کرنے کا موقع مل گیا اور اس طرح دور بنی عباس میں عدالتی نظام میں یکسانیت، تسلسل، فیصلوں میں ہم آہنگی اور عدل وانصاف کی فوری فراہمی جیسی خوبیاں پیدا ہوگئیں اور عدالتی نظام کی یہ خوبیاں کسی قوم اور سلطنت کی بقا اور درازی عمر کا سبب ہوتی ہیں سرکاری عہدوں کے ساتھ ہر سطح پر کچھ پابندیاں اور حدود و قیود ہوتی ہیں اور اصلاً کسی سلطنت کے عہدے دار اس جاری نظام کے محافظ (CUSTODIAN) ہوتے ہیں لہٰذا وہ عہدے کے

Marfat.com

ساتھ نظام میں کسی بنیادی تبدیلی کا کام نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ دور بنی عباس جو بادشاہت تھی اور جاگیرداری کے نظام پر استوار کھڑی تھی اس پورے عرصے میں اس نظام کے خلاف کوئی آواز سرکاری سطح پر نہ اٹھ سکی اور شاید حالات کے جبر کی وجہ سے غیر سرکاری سطح پر بھی نہ اُٹھ سکی۔

دور بنی عباس جو 524 سال پر محیط ہے اس کی اس طوالت میں دیگر عوامل کے ساتھ عدالتی نظام کے اس استحکام اور یکسانیت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک منفرد انسان تھے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت

ع بندہ مومن ز آیات خدا است

ے أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

(میں نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہوں خود ان میں سے (ہونے کا مدعی) نہیں ہوں، امید رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے نیکی کی توفیق دے)

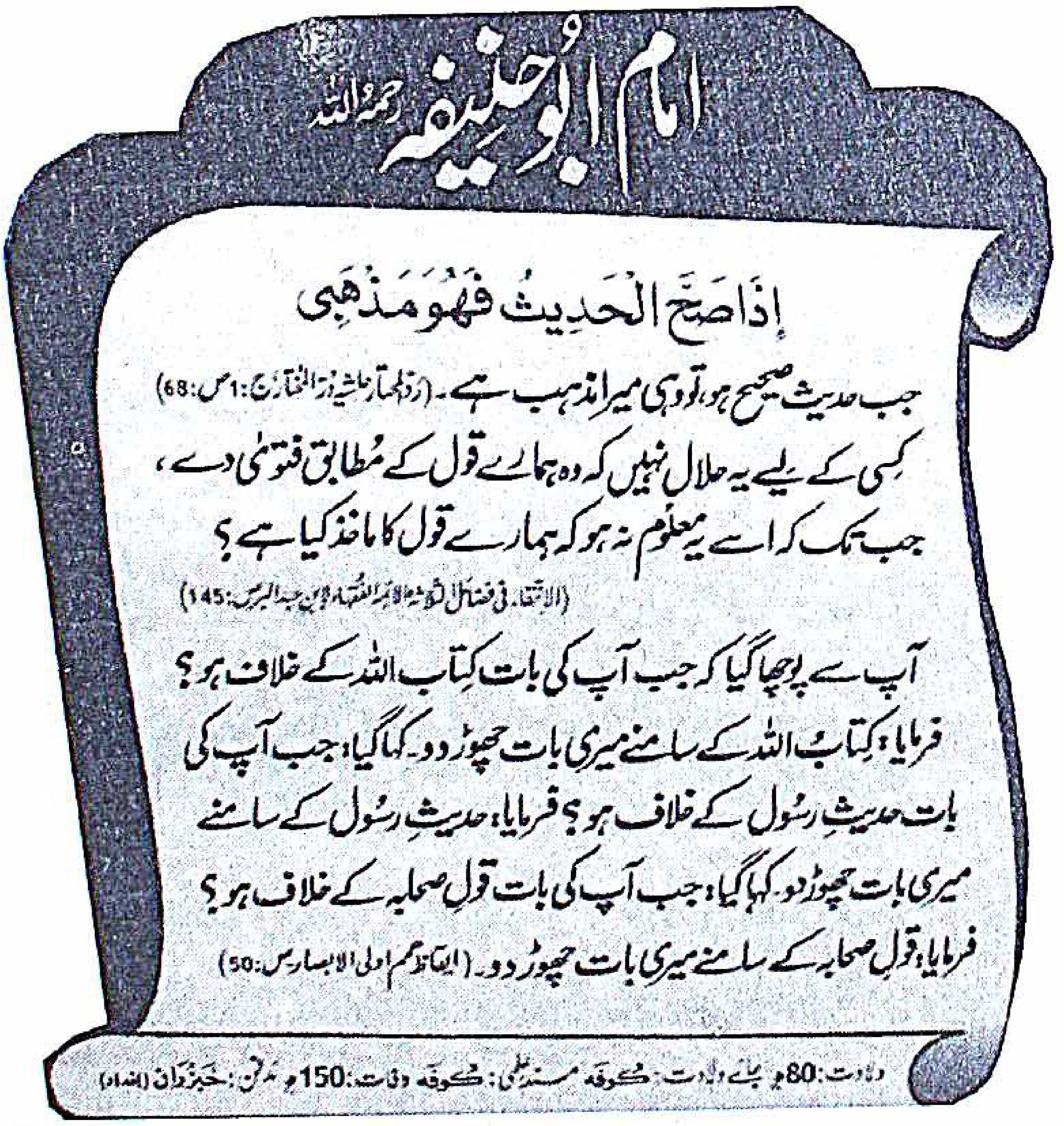

Marfat.com

3

محدّثِ کبیر، مردِ حق، بانیٔ فقہ حنبلی

حضرت

امام احمد بن حنبل

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 164ھ/780ء

وفات: 240ھ/855ء

مدفن: قبرستان بابِ حرب بغداد

Marfat.com

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

لَا تُقَلِّدْنِی وَلَا تُقَلِّدْ مَالِکًا وَلَا الشَّافِعِیَّ
وَلَا الْأَوْزَاعِیَّ وَلَا الثَّوْرِیَّ وَخُذْ مِنْ حَیْثُ اَخَذُوْا

نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک، شافعی، اوزاعی اور ثوری (جیسے ائمہ) کی تقلید کرو۔ بلکہ جہاں سے انہوں نے دین لیا ہے تم بھی وہاں (یعنی کتاب و سنت) سے دین حاصل کرو۔ (ایقاظ ھمم اولی الابصار ص:113)

دین کے معاملے میں لوگوں کی تقلید کرنا انسان کی کم فہمی کی علامت ہے۔ (اعلام الموقعین لابن قیم رحمہ اللہ ج:2 ص:178)

ولادت: 164ھ جائے ولادت: بغداد مسند علمی: بغداد وفات: 241ھ مدفن: قبرستان باب حرب (بغداد)

Marfat.com

دراصل 20 نامور شخصیّات پر سیمیناروں کا سلسلہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں جاری رہا اور بعدازاں ان شخصیات کے بارے میں حاصل شدہ معلومات کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تھا مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان زمانی فصل زیادہ ہے جس سے درمیانی عرصہ کے حالات پوری طرح دائرۂ تحریر میں نہیں آسکتے تھے؛ اس لیے حکمت بالغہ میں اور اب اس کتاب میں بھی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

دورِ بنی عباس کے ابتدائی عرصہ میں وسعت قلبی اور علم دوستی کی پالیسی سے فائدہ اُٹھا کر دشمنانِ اسلام نے یونان، عیسائیت، ایران اور ہندوستان کے ملحدانہ اور فاسد نظریات پر مبنی کتب کے تراجم کر کے اسلامی دنیا میں نظریاتی ہیجان پیدا کر دیا تھا جس سے اسلام کے مابعدالطبیعیاتی حقائق پر کامل ایمان کو ٹھیس پہنچی اور عمل میں اضمحلال آ گیا۔ دورِ نبوت سے دُوری کے باعث بے عملی اور نئے علاقوں کے نومسلم افراد کی پوری طرح دینی تربیّت کے فقدان سے ان میں بھی وہ جذبہ اور ایمانی کیفیات پیدا نہ ہوسکیں جو مطلوب تھیں۔ یونانی فلاسفہ بالخصوص ارسطو، افلاطون وغیرہ کے فاسد خیالات نے علمی حلقوں میں زہر پھیلا دیا جس سے اسلام کے مابعدالطبیعیاتی تصوّرات کے بارے میں مختلف آراء اور فرقے پیدا ہوگئے۔ بنیادی طور پر قرآن کی حتمیّت اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعیّت کے بارے میں بہت سے لوگ راہِ حق سے دور ہوتے چلے گئے جن کو بجاطور پر 'معتزلہ' کہا گیا۔

اس معرکہ خیروشر میں الفاظ کی جنگ کا ایک موقع ایسا آیا کہ قرآن کے بارے

Marfat.com

مامون الرشید نے معتزلہ کے غلط موقف کو سرکاری موقف قرار دیا اور مخالفین کو دار ورسن تک پہنچانے کا اہتمام کر دیا اس موقع پر بہت سے اہل حق میدانِ عمل میں آئے اور اپنے اپنے حصے کا کام کیا مگر مردِ حق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دربارِ شاہی میں کھڑے ہو کر اس موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ انہیں جھکانے کے لئے تشدّد اور بربریّت کا ہر حربہ استعمال کیا گیا مگر وہ مردِ حق ڈٹا رہا۔ تا آنکہ آنے والے حکمرانوں نے اس موقف کو بدل کر اہل سنّت کا موقف کہ قرآن مجید ـــــ کلام اللہ ہے اور ابدی ہدایت ہے، کو دوبارہ سرکاری موقف بنا دیا اس طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس اِلحاد اور بے دینی کے سیلاب کے آگے بند باندھ دیا۔

چنانچہ ہم معذرت کے ساتھ امام ابو محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے سے پہلے اضافی طور پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

کے مصداق ـــــ یوں تو خیر وشر کی کشاکش اور پنجہ آزمائی سے کوئی دور بھی خالی نہیں رہا تاہم محسنِ انسانیّت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد سے شر کی قوتوں نے جیسے متّحد ہو کر 'اہل خیر' کو دبانے کی بھرپور کوششیں کِی ہیں تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ بدر وخندق کے معرکوں سے لے کر جنگ یمامہ تک اور شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے لے کر سانحہ کربلا تک اہل شر اور دشمنانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا اور کوئی موقع نہیں چھوڑا جہاں اہل اسلام کا نقصان نہ کیا ہو۔

دورِ بنواُمیّہ کے آخری سالوں میں جو بدامنی اور داخلی خلفشار مسلمان اُمت کے حصے میں آیا اور اسلامی حکومت کے طول وعرض میں جس طرح کے انتقامی جذبات نے شدّت اختیار کی وہ بنواُمیّہ کی حکومت کے خاتمے (132ھ/ 750ء) کے بعد بھی ٹھنڈے نہیں پڑے بلکہ دورِ بنوعباس کا پہلا حکمران اتنا ظالم اور سفّاک ثابت ہوا اور اس نے خونِ مسلم کی ایسی ارزانی کر دی اور انتقامی جذبات کی تسکین کی کہ اس کی مثال نہیں ملتی اس ظلم اور بربریّت کے نتیجے میں

Marfat.com

عباسی سلطنت کو استحکام تو مل گیا اور دشمنوں کے خاتمے کے نتیجے میں سازشوں کا امکان نہ رہا مگر اسلام کی کشتی میں کئی جگہ ''سوراخ'' ہو گئے اور مختلف عجمی نظریات اور خیالات نے ''فکر اسلامی'' پر یلغار کر دی۔

ع ''گرچہ پیر ہے آدم جوان ہیں لات ومنات''

کے مصرعے پر غور فرمائیں تو آپ بھی اس بات سے اتفاق کریں گے کہ حق کے علمبردار سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر تاریخ کے دھندلکوں میں نگاہوں سے اُوجھل ہو جاتے ہیں جبکہ اہل شر منتشر ہونے کے باوجود موقع ملتے ہی دوبارہ منظّم ہو جاتے ہیں یا صحیح یہ ہوگا کہ کہا جائے کہ وہ منتشر ہو کر بھی منظم رہتے ہیں اور اپنے لئے دراندازی کے مواقع پیدا کرتے رہتے ہیں اور ان کی تلاش میں رہتے ہیں۔

پہلی صدی ہجری اور دوسری صدی ہجری میں جس طرح دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے سیاسی استحکام کو نقصان پہنچایا اور بعد ازاں بنو عباس کے ابتدائی دور میں ''سفاح'' کے کارناموں سے حکومت کے مخالفین تہ تیغ کر دیے گئے اور سلطنت کے تسلسل کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی محنت سے تیار کردہ فقہ حنفی کو ملکی قانون کا درجہ دے دیا گیا۔ جس سے ملک میں عدل وانصاف کی فراہمی کی راہ نکل آئی اور اُمت کی اجتماعی خواہش کہ شریعت اسلامی کا نفاذ ہو، بھی پوری ہو گئی۔

بنو عباس کی حکومت کے استحکام کے بعد دشمنانِ اسلام نے فکری سطح پر اسلام کے ایمانیات اور الٰہیات کے میدان میں رخنے ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہی دور ہے جب بنو عباس کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ تو رُک گیا گویا ''جہاد'' کا جذبہ تو ٹھنڈا ہی نہیں پڑا حکومتی سطح پر ختم ہو گیا۔ اس دور میں سارا زور ملک کے نظم ونسق کو چلانے اور امن وامان کو برقرار رکھنے پر صرف ہوا۔

اس پر سکون ماحول میں دوسرے علاقوں اور زبانوں سے مختلف مذاہب کی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں ہوئے، یونانی زبان سے ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے تراجم ہوئے، عیسائی اور یہودی کتابوں اور تورات وانجیل کی تفسیروں کے ترجمے ہوئے۔ ہندوستانی مذہبی کتابوں اور دیگر عجمی خیالات کا رطب ویابس بھی اس دور میں اسلامی ذہن کو پراگندہ کرنے کے

Marfat.com

لئے جمع کر دیا گیا۔

معاشی خوشحالی، جذبہ جہاد کے شل ہونے، دورِ نبوت سے دو صدیوں کے بعد، اسلامی روح کے مضمحل ہونے اور غیر اسلامی نظریات کے اس سیلاب کے نتیجے میں عالم اسلام میں نظریات کی ایک جنگ چھڑ گئی۔ اہل شر اور دشمنانِ اسلام نے اب سیاسی میدان کی بجائے مناظرے اور علم کا میدان منتخب کر لیا۔ اس جنگ کا غیر رسمی آغاز تو پہلی صدی کے اواخر میں ہی غیر مسلموں سے میل جول اور ان کے خیالات و نظریات کے ساتھ INTERACTION سے ہی ہو چکا تھا مگر دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے آغاز میں یہ کشاکش باقاعدہ لفظی جنگ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

اسلام کے دشمنوں کی فہرست میں یہود، مشرکین، نصاریٰ اور دیگر باطل اور ملحدانہ خیالات و نظریات کے حامل لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں یہود و مشرکین کو اسلام کے سب سے بڑے دشمن قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں میں سے بھی ''یہود'' سب سے آگے ہیں۔(5-82) یہود کبھی اسلام کے سامنے آ کر دشمنی نہیں کرتے اس لئے کہ وہ مذہبی بحث میں کامیاب نہیں ہو سکتے وہ ہمیشہ ملحد اور بے دین گروہوں سے اہل اسلام کو لڑا کر خود موقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور فوائد سمیٹنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے اس سیاسی معرکہ میں بھی یہود نے نصاریٰ کو آگے رکھا اور فکری سطح پر یونانی فکر و فلسفہ کو فروغ دے کر اور بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اہل اسلام کو دفاعی پوزیشن پر لا کھڑا کیا۔

دورِ نبوت سے بُعد کے باعث مسلم معاشرہ بے عملی کا شکار ہو چکا تھا اور بے عمل آدمی اپنی بے عملی کو چُھپانے کے لئے عقلی دلائل کا سہارا لیتا ہے کہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی سمجھانے والا مُبلّغ بھی مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ سامع اور ''مدعو'' کو مطمئن کر سکے۔ مزید برآں اگر سامع غیر اسلامی اور ملحدانہ خیالات سے متاثر ہو چکا ہو جیسا کہ دورِ بنو عباس میں افلاطون اور ارسطو کے خیالات عام ہوتے جا رہے تھے تو معاملہ اُلجھ جاتا ہے اور افہام و تفہیم کی بجائے بحث و تمحیص اور بحث برائے بحث کا راستہ کھل جاتا ہے۔

دورِ بنو عباس میں یہی کچھ ہوا اور اُمّت مسلمہ کا بے عمل اور ذہین عنصر اس طرف کھنچتا

Marfat.com

چلا گیا تا آنکہ گمراہی اور عقلیّت پرستی کے کئی SHADES وجود میں آ گئے اور بے شمار فرقے پیدا ہو گئے اور مختلف ناموں سے پہچانے جانے لگے۔

اس گمراہی کا ایک عمومی عنوان ''وحی'' کے مقابلے میں ''عقل'' یا عقلیّت پرستی تھا جس میں سارا زور دلائل پر تھا اور فطرتِ انسانی کے بدیہی حقائق اور ماورائے عقل حقائق کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ (یہ امر قارئین کے لئے نہایت دلچسپی کا باعث ہوگا کہ بعد کے ادوار میں بھی جب عقلیت پرستی نے زور پکڑا تو سوچ کے یہی پیمانے سامنے لائے گئے اور اس کی بنیاد پر اللہ، وحی، رسالت فرشتے غرض مذہب کی ہر بنیاد کو گرا دینا اس طرزِ فکر کا طرۂ امتیاز ٹھہرا۔ دورِ حاضر میں گزشتہ تین صدیوں سے مغرب میں یہ جنگ جاری ہے اور اب یہ جنگ پھیل کر عالمگیر ہو چکی ہے اور اب علمی درسگاہوں سے نکل کر میڈیا کا موضوع بن چکی ہے اور اس کے پیچھے مغرب کی بے پناہ ترقی اور وسائل ہیں لہٰذا جنگل کی آگ کی طرح ان نظریات کو فروغ مل رہا ہے۔)

عقلیت پرستی کے تحت دوسری صدی ہجری میں جو باتیں موضوعِ بحث بنیں وہ ذات باری تعالیٰ، صفاتِ باری تعالیٰ، وجودِ حقیقی، امکانی وجود، واجب الوجود، وحی، رسالت، فرشتے، تخلیق کائنات، انسان، حقیقت انسان، موت، جنّت دوزخ وغیرہ غرض اسلام کی تعلیمات کی ہر چیز موضوع بحث بن کر اپنی حقّانیت اور حتمیت سے محروم ہوتی چلی گئی اور اہل علم اس سے مرعوب ہو کر گھائل ہوتے چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں چند اٹل قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ ع ''توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری'' نیز ـــــ ہر فرعونے را موسیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اسلام کے دفاع اور احقاقِ حق کے لئے جن ہستیوں کو اُٹھایا اور ان سے اسلام کے فروغ کا کام لیا ان کی طویل فہرست میں ایک نمایاں نام امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہے۔

ہارون الرشید علم دوست حکمران تھا مگر اس کی سادگی کی آڑ میں یونان، یورپ اور ہندوستان کے ملحدانہ نظریات عربی میں ترجمہ ہو کر عالم اسلام میں آ گئے اور عقلیت پرستی کو فروغ ہوا اس دور میں دین سے انحراف کرنے والے اس طبقہ کو ''معتزلہ'' کا ایک مجموعی نام دیا گیا یعنی جو لوگ راہِ حق اور راہِ اعتدال سے خود ہٹ چکے ہیں وہ اعتزال کا شکار ہو کر خود معتزلہ ہو گئے ہیں۔ ان

Marfat.com

میں مختلف SHADES تھے مگر بنیادی گمراہی ایک ہی تھی وحی آسمانی کی تشریحات میں سنّت کی بجائے اپنی عقل کو فیصلہ کن حیثیت دے دینا جبکہ اہل سنّت اور اہل حق کی راہ یہ تھی وہ قرآن پاک کی وہی تشریح معتبر سمجھتے تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے احادیث کی روشنی میں ہم تک پہنچی ہے۔

لہٰذا اسی دور میں معتزلہ کے زیر اثر اور معاشرے کی ضرورت کے مطابق حدیثوں کو بھی گھڑا گیا اور ''موضوعات'' کا انبار لگ گیا۔ تاہم علمائے حق نے احادیث جمع کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور رطب و یابس کے اس ذخیرہ سے کھرا کھوٹا الگ کر دیا اور احادیث کے مجموعے ترتیب پا گئے چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کاوش یہ بھی فرمائی ہے کہ احادیث کو مسائل کی ترتیب سے لکھنے کی بجائے مجموعی طور پر راویان یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ناموں کی حروفِ تہجّی کے اعتبار سے ترتیب احادیث کو جمع کر دیا یوں کسی صحابی کی مرویات کو ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دوسرا بڑا کام امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ ''خلق القرآن'' کے سلسلے میں حکمران مامون الرشید کے دربار میں اپنے موقف پر ڈٹ جانا ہے۔

ہوا یوں کہ ہارون الرشید پر اعتزال اور عقلیت پرستی کا زیادہ اثر ہوا گیا تھا یا وقت کے ساتھ دینی اثرات میں کمی آ رہی تھی اور ہر آنے والی نسل پچھلی نسل کے مقابلے میں دینی علم اور ایمانی کیفیّات کے اعتبار سے کمزور ہو رہی تھی۔ مامون الرشید نے اقتدار سنبھالا تو اس نے معتزلہ کی سرکاری حمایت شروع کر دی اور اعتزال کے نظریات کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ اس فیصلے سے اسلامی مقبوضات کے طول و عرض میں اباحیّت پرستی، آزاد خیالی، سنّت سے اعراض اور روشن خیالی کی فضا ہموار ہونے لگی۔

دراصل اس سارے کھیل میں در پردہ عناصر بالخصوص یہود نے گل کھلائے اور اس تیر سے اسلامی تعلیمات کے ماخذ اوّل قرآن مجید کو نشانہ بنایا اور معتزلہ کو استعمال کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس نے ہر چیز پیدا کی ہے لہٰذا اس نے قرآن مجید کو بھی پیدا کیا ہے۔ ہر مخلوق پرانی بوسیدہ اور از کار رفتہ ہو جاتی ہے لہٰذا اب دو صدیوں کے بعد قرآن بھی پرانا ہو چکا ہے حالات بدل چکے ہیں لہٰذا اب قرآنی ہدایت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ناکافی ہیں لہٰذا اب نئے حالات میں اہل دانش کو اپنے لئے خود راستے نکالنے چاہئیں گویا آزاد خیالی اور سیکولرازم کی طرف

Marfat.com

سفر شروع ہو جانا چاہیے (اس فکر کے عام ہونے سے معاشرے کی مطلق راہنمائی کا اختیار اہل دانش کے پاس آ جاتا ہے جنہیں پیسے کے بل بوتے پر خرید کر پس پردہ عناصر اپنی مرضی کرتے ہیں اور دراصل یہ اختیار یہود کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے جیسا کہ بعد میں یورپ میں ہوا۔)

مامون الرشید دانستہ یا نادانستہ اس سازش میں شریک ہو گیا اور معتزلہ کے بے بنیاد اور من گھڑت موقف کے مخالفین اہل حق پر ظلم وتشدد کا دروازہ کھول دیا اور اہل حق قید کر دیے گئے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے اور بہت سے علماء کو جبراً اس کا قائل کیا گیا اور بعض کو روپے اور عہدے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملایا گیا۔

ہزاروں اہل حق نے اس سرکاری موقف کو ردّ کر دیا اور صدائے احتجاج بلند کی اس طبقہ کی اہل حق کے سرخیل تھے حضرت امام بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، جو مامون الرشید کے سامنے ڈٹ گئے اور سرکاری موقف ماننے سے انکار کر دیا اور قرآن مجید کو "کلامِ الٰہی" کہہ کر اس کے مخلوق یا غیر مخلوق کا فلسفہ ہوا میں اُڑا دیا۔

سرکاری سطح پر ظلم وتشدّد کے نتیجے میں آپ قید و بند کی صعوبتیں اور اذیّتیں سہتے رہے مگر قرآنِ مجید کے تا قیامِ قیامت ہدایت اور ابدی ہدایت ہونے کے موقف سے سرِ مو نہ ہٹے۔ اس سے عوام میں ان کی عزت اور نیک نامی کو خوب شہرہ ہوا اور آپ عوام کے دلوں کی آراء بن گئے۔

مامون الرشید کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی کوششیں کی مگر آپ حق پر ڈٹے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو اتنا مارا گیا اور پیٹا گیا کہ اگر ہاتھی کو بھی مارا جاتا تو چیخ اُٹھتا مگر آپ نے یہ ساری صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر لیں۔ پھر اگلے حکمران المتوکّل کے دور میں اس سرکاری موقف کو بے ہودہ قرار دے کر ترک کر دیا گیا اور اہل سنّت کے موقف کو سرکاری موقف قرار دیا گیا تو آپ کو قید و بند سے آزادی ملی آپ کو انعامات سے نوازنے ______ کی کوشش کی گئی مگر آپ نے کسی قسم کا انعام واکرام لینے سے گریز کیا اور ناپسند فرمایا۔

آپ کی بے پناہ ہمت اور چٹان کی طرح حق پر ڈٹ جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُمت کو ایک بڑی گمراہی سے بچا لیا اور یوں یہود اور اسلام دشمنان کی ایک اور سازش ناکام ہو گئی۔ جس سے دشمنانِ اسلام کو اس محاذ پر صدیوں سر اُٹھانے کی ہمّت نہیں ہوئی اور اُنہوں نے دل کا

Marfat.com

کینہ اور بغض نکالنے کے لئے اور میدان منتخب کر لئے۔

مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں احادیث کو جمع کرنا، ساری زندگی حق کا ساتھ دینا اور خلق قرآن کے مسئلے پر ''کلامِ الٰہی'' کے موقف کو بلند کر کے (قرآن کے ابدی ہدایت ہونے) اس پر قائم رہنا آپ کے کارناموں میں نمایاں ہیں۔

ذاتی حالات وکوائف

نام، احمد۔ والد کا نام، محمد۔ شجرۂ نسب یوں ہے: احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال۔ پیدائش: 164ھ/780ء بغداد، وفات: 240ھ/855ء۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نسلاً عرب تھے اور بنوشیبان کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے خاندان کی سکونت پہلے بصرہ میں تھی مگر آپ کے دادا حنبل بن ہلال مرد شہر چلے گئے وہاں سے آپ کے والد محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بغداد چلے گئے آپ وہیں پیدا ہوئے۔ آپ نے لغت، فقہ اور حدیث کی ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، بعدازاں عراق، حجاز، یمن اور شام کے سفر کیے تاہم آپ کا زیادہ تر قیام بصرہ میں رہا پانچ بار حج بھی کیا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں قاضی ابو یوسف، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور واقع بن جراح رحمۃ اللہ علیہم زیادہ اہم ہیں۔ بقول ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ علم فقہ میں آپ نے زیادہ تر دبستان سے تحصیل علم کیا۔

جب مامون الرشید نے معتزلہ کی حمایت کا اعلان کیا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ ابتلاء کا آغاز ہوا۔ آپ نے مامون کی سختیوں کے برعکس خلق قرآن کے نظریہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں گرفتار کر کے پابہ زنجیر مامون کی طرف روانہ کر دیا گیا جو اس وقت طرطوس میں مقیم تھا ابھی آپ راستے ہی میں تھے کہ مامون کا انتقال ہو گیا چنانچہ آپ کو واپس بغداد کے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ اگرچہ نیا خلیفہ المعتصم اس سزا کو ختم کرنا چاہتا تھا مگر سرکاری عُمّال کے خوف اور مشوروں کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکا۔ ایک بار دوبارہ امام احمد بن حنبل کو خلیفہ المعتصم کے سامنے پیش کیا گیا جہاں آپ نے دوبارہ خلق قرآن کے عقیدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا چنانچہ آپ کو بُری طرح زدوکوب کیا گیا تاہم آپ کو زندان سے رہائی مل گئی اور آپ اپنے گھر چلے گئے جس کے

Marfat.com

بعد المعتصم کے سارے عہد میں گوشہ نشین رہے اور درس و تدریس سے احتراز کرتے رہے۔

232ھ/ 847ء میں جب متوکل برسر اقتدار آیا اور معتزلہ کا دور ختم ہوا اور سُنّی مذہب سرکاری طور پر دوبارہ اختیار کر لیا گیا تو امام امام احمد بن حنبل نے بھی درس و تدریس دوبارہ شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ پر ظلم وستم کروانے والوں میں ایک معتزلی قاضی احمد بن داوٗد بھی تھا جسے اب معزول کر دیا گیا۔ 237ھ/ 852ء میں متوکّل نے آپ کو سامرا میں طلب کیا تا کہ آپ سے ترویج سنت اسلام کے لئے مدد لے سکے۔ سامرا پہنچنے پر حاجب نے آپ کی بڑی آوٗ بھگت کی اور ایتاخ کے پر تکلّف محل میں ٹھہرایا۔ شہزادہ المعتز سے بھی ملاقات ہوئی مگر آپ کی عمر اور صحت کے پیش نظر آپ سے کوئی خدمت نہ لی جا سکی کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کے بعد آپ بغداد چلے آئے جہاں 75 برس کی عمر میں وفات پائی اور شہیدوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دو منکوحہ بیویوں سے ایک ایک بیٹا صالح اور عبداللہ پیدا ہوئے اور ایک لونڈی کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیمات کا زیادہ تر حصہ صالح سے منقول ہے، جو بغداد میں 203ھ/ 818ء میں پیدا ہوئے اور 266ھ/ 879ء میں فوت ہوئے اور آپ کے ادبی کام کا زیادہ تر حصّہ عبداللہ کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے' جو بغداد میں 213ھ/ 828ء کو پیدا ہوئے اور 260ھ/ 903ء میں فوت ہوئے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت ایک مجتہد کی ہے جنہوں نے بقول ابن تیمیہ احادیث واخبار کے انبار میں سے اپنا مسلک خود تلاش کیا اور اپنی ذاتی رائے کے ساتھ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مفہوم سمجھا اور ان سے پیدا شدہ نتائج کا استخراج کیا۔

عقائد، اخلاق اور فقہ ہر قسم کے مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا جاتا تھا اور آپ اپنے فتوی پوچھنے والوں کو تنبیہ کرتے تھے کہ وہ ان کے افکار کو مدوّن کرنے سے پرہیز کریں۔ حنبلی مذہب کے ایک بڑے شارح امام ابن تیمیہ تھے چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ تر تعلیمات کا ماخذ انہی کی تحریریں ہیں جن کے زیر اثر بعد میں کئی تحریکیں بھی اُٹھیں ہیں۔

خوشا رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

Marfat.com

حجۃ الاسلام حضرت

محمد بن محمد

امام غزالی

ولادت : 445ھ/1059ء بمقام طوس

○ 484ھ میں دارالعلوم نظامیہ بغداد کے اعلیٰ افسر مقرر ہوئے جس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی علمی شہر حاصل ہوئی۔

وفات : 505ھ/ 1111ء

مدفن : طوس (صوبہ خراسان)

Marfat.com

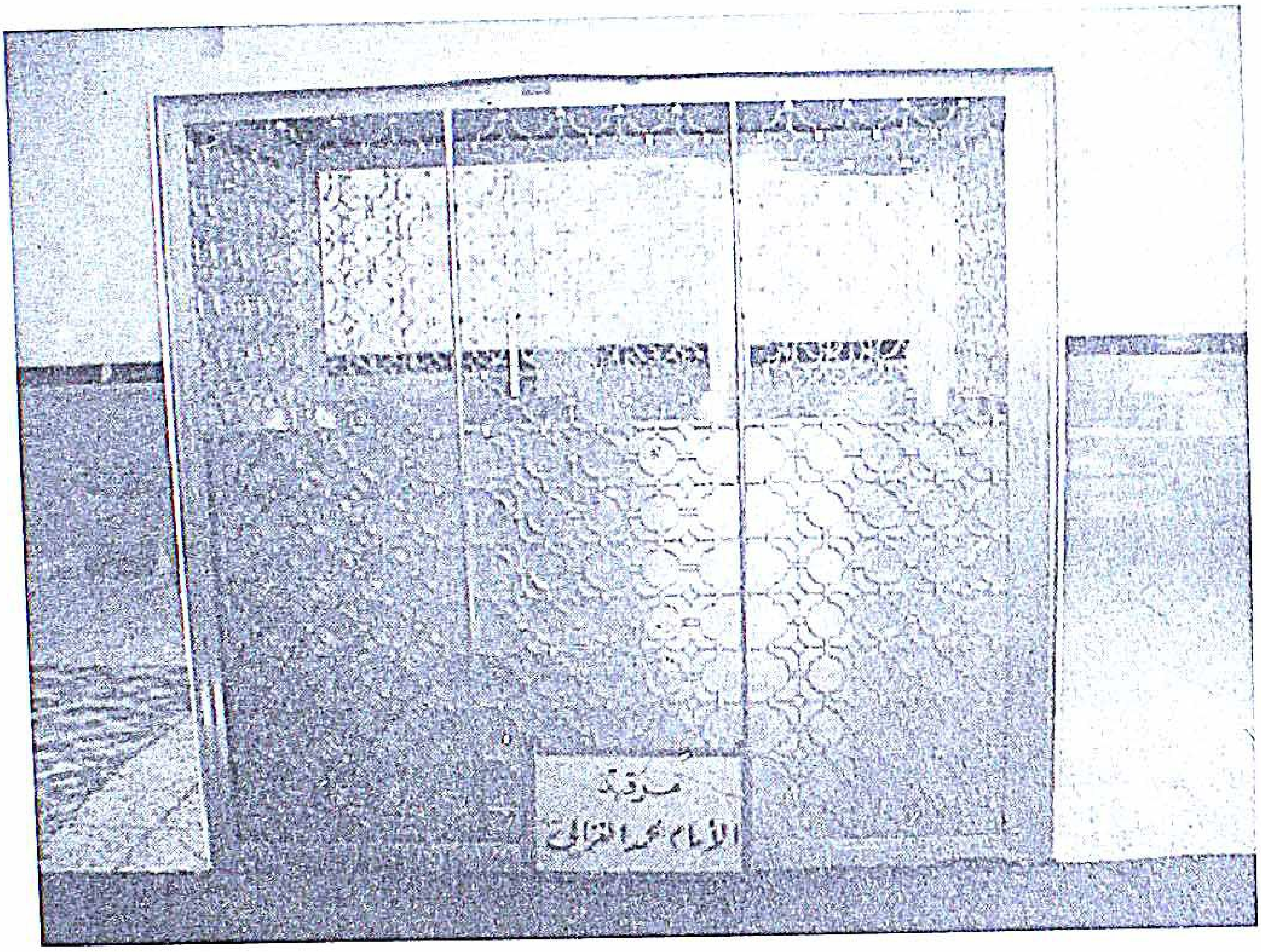

مدفن: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، طوس (خراسان)

Marfat.com

آپ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری ہے جو سن عیسوی کے اعتبار سے گیارہویں صدی کا آخری حصّہ اور بارہویں صدی کا ابتدائی حصّہ بنتا ہے۔ یہ دور ہے جس میں دورِ بنوعباس کے حکمران بہت کمزور ہو گئے تھے اور سلطنت زوال کا شکار تھی اور بہت کمزور ہو گئی تھی۔

دور بنوعباس کا آغاز 132ھ اور 750ء سے ہوتا ہے۔ ابتدائی 115 سال انتہائی شاندار اور دنیاوی اعتبار سے رعب و دبدبہ اور آسودگی اور خوشحالی کے ہیں، دنیا میں اس جیسی کوئی اور حکومت نہیں تھی۔ پھر 200 سال شکست و ریخت اور باہمی رنجشوں کے ہیں اس کے بعد دور زوال ہے اور علاقائی طاقتوں کی مرکز سے علیحدگی اور دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر اسلام کو نقصان پہنچانے کے ہیں تا آنکہ 1258ء میں یہ سلطنت سیاسی طور پر بھی ختم ہو گئی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو دورِ زوال کا عرصہ دیکھنا پڑا اور سیاسی طور پر مسلمان سلطنت عباسیہ کی وسعت کے باوجود اتنے کمزور تھے کہ 1097ء میں پورا مسیحی یورپ صلیبی جنگوں کا آغاز کر کے بیتُ المقدس مسلمانوں سے چھین چکا تھا اور پھر تقریباً ایک صدی بعد 1190ء میں سلطان صلاح الدین ایّوبی نے صلیبیوں کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کو بیت المقدس واپس دلایا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں جب یونان، ایران اور ہندوستان کے فلسفیوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں اور اسلام کی تعلیمات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا رواج چل نکلا تو اسلام کی تمام تعلیمات اور مابعد الطبیعیاتی تصورات کے بارے میں شکوک و شبہات جنم لینے لگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتے، وحی، قرآن، جنّت دوزخ، برزخ ہر چیز کے بارے میں عوام میں بے یقینی کی کیفیت عام ہوتی چلی گئی۔ اہل حق اور علماء صادقین کی طرف سے اس سلسلے میں جو دفاعی کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ایک بڑے حصّے کا ایمان

Marfat.com

بچالیا۔ یہ دفاعی کوششیں درج ذیل امور پر مشتمل ہیں:

1۔ اسلامی عقائد کا دفاع۔

2۔ اسلامی قانون اور شریعت کا دفاع۔

3۔ قرآن مجید کے متن کا دفاع۔

4۔ احادیث رسول ﷺ کی حفاظت اور دفاع۔

5۔ احادیث رسول ﷺ میں صحیح وغلط کی چھانٹی۔

6۔ اسلامی عقائد کو اہل عقل کے سامنے پیش کرنے اور اہل عقل (معتزلہ یا عقلیت پرستی) کے لئے ایک طرز استدلال نے جنم لیا اور ہوتے ہوتے راسخ ہو گیا یہ فن اور علم ''علم الکلام'' تھا۔

7۔ اسلامی حکومت کی حمایت اور استحکام۔

8۔ اسلامی احکام کی تبلیغ وترویج کے لئے اداروں اور مدارس کا قیام۔

9۔ اسلامی تعلیمات کی حفاظت اور فروغ کے لئے تصنیف وتالیف کا سلسلہ۔

10۔ اسلام کی تعلیمات کو ظاہر پرستی سے بچانے کے لئے اور خلوص واخلاص سے مائل کرنے کے لئے تصوّف کے سلسلوں کا آغاز اوران کی ترویج۔

اسی دوران میں اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور اس قرآن اور آخری شریعت کو دنیا سے غائب کرنے کے لئے بے شمار جتن کیے اور کوششیں کیں جن میں سے کچھ اِقدامات درج ذیل ہیں:

(I) یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفہ کو عام کرنا۔

(II) اسلام کے بنیادی عقائد کو موضوعِ بحث بنانا اور عوام کو عقل کے استعمال اور عقلیّت پرستی کا قائل کر کے ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی بنانا تا کہ اسلام کی اساسات پر ان کا یقین وایمان اٹھ جائے گا اور وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہیں رہیں گے۔

(III) ان فلسفیانہ بحثوں کا آغاز اور اسلام کو عقل کے خلاف ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا۔

(IV) اس رُخ پر پروان چڑھنے والے ذہین افراد کی حوصلہ افزائی اور مالی سرپرستی۔

Marfat.com

(V) ایسی سرگرمیوں کی مالی سرپرستی اوراس کے فروغ میں ہر ممکن تعاون۔

(VI) اسلام اور مسلمانوں کی حکومت کو سیاسی طور پر کمزور کرنے کے لیے مرکز گریز قوتوں کی تشکیل اوران کی حوصلہ افزائی۔ فاطمی حکومت 909ھ۔ 1171ء۔

(VII) عالم اسلام سے باہر قوتوں کو مجتمع کر کے اسلامی حکومت پر حملہ کی ترغیب اوراس کی مدد تا کہ اس کو ختم کیا جا سکے۔ گیارہویں صدی کے اواخر میں صلیبی جنگوں کا آغاز اوراس کی سرپرستی جس سے بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

(IX) مُتکلّمین اور باطنیہ فرقوں کا فروغ اور تصوّف کے حلقوں میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش۔

(X) اسلامی عقائد، عبادات اور تاریخ کو مستقل طور پر مشکوک بنانے کے لئے حدیث کی کتب میں تدلیس، مشاہیر اسلام کی کتابوں میں فرضی اضافے اور تاریخ وتصوف کی کتابوں میں من گھڑت عبارات کا اضافہ۔ تا کہ باہمی چپقلش اور عدمِ اعتماد کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس میں پریس کی عدم موجودگی میں ہاتھ سے کتابیں لکھنے کے فن نے اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ احادیث کے ضمن میں فرضی اور من گھڑت حدیثوں کی بھرمار کردی گئی تا کہ حق وباطل میں تمیز مشکل ہو جائے۔

ان حالات میں مُتکلّمین اور فلاسفہ کے بے شمار SHADES سامنے آگئے اور مُتکلّمین میں ہزاروں افراد پیدا ہوئے ہیں جن میں چند افراد نے اسلام کی بہت زیادہ خدمت کی اوران کا نام رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان میں سے اہم شخصیّت یہی حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس دور میں فلاسفہ میں بھی کئی ہستیاں پیدا ہوئیں جو خلوص اور اخلاص کے باوجود صرف فلسفہ کے میدان کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور تو ہوئیں تاہم عوامی سطح پر دلوں کی دھڑکن نہ بن سکیں۔ ان مشاہیر عالم ہستیوں میں ابوالنصر فارابی 870ء۔990ء (ایران)، ابن سینا 980ء۔ 1037ء (بخارا) ابن رشد 1126ء۔ 1198ء (اُندلس) عمر خیام 1039ء۔ 1131ء (ایران) بہت نمایاں ہیں۔

Marfat.com

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفیانہ نظریات کے خلاف خوب جہاد کیا اور تہامہ الفلاسفہ کے نام سے کتاب لکھی۔ اسلام کے عقائد اور اصلاحی خیالات کو مدوّن کر کے عام کیا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے تحفّظ اور فروغ کے لئے رات دن ایک کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی علمی زندگی کے 40 سالوں میں ان کی تصنیفات 16 صفحات روزانہ کے حساب سے ہیں جو بہت بڑی خدمت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی ہی میں بڑی شہرت دے دی تھی اور مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن گئے تھے۔ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت ان کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

بعد کے مسلمانوں میں جو خیالات تاریخ، ادب، تصوف اور فلسفہ کے بارے میں عام ہوئے وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہی تجویز کردہ اور پروان چڑھائے ہوئے ہیں۔ بقول نظیری

خلافِ رسم دریں عہد ز خرق عادت داں
کہ کارہائے چنیں از شمار بوالعجبی ست!

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے

امام صاحب نے امت مسلمہ کی زبوں حالی کو دیکھ کر اور فلسفہ و منطق میں عمومی دلچسپی کی وجہ سے مسلمانوں کی فکری پس ماندگی کے تناظر میں جو کام کیا اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری کیا وہ بہت قابل قدر ہے۔ تہافۃ الفلاسفہ، احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت جیسی شہرۂ آفاق تصانیف آپ کے تجدیدی کارناموں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگردوں کی محنت سے مسلمانوں میں ایک عمومی بیداری پیدا ہوئی اور اسلامی افکار کے تحفظ کی راہ ہموار ہوگئی چنانچہ بعد کی چھ سات صدیوں میں عالم اسلام میں مسلمانوں کے جو مذہبی افکار عام ہوئے وہ سب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مدوّن کردہ ہیں چنانچہ اخلاق، عقائد، معاشرت، حقیقت، تصوف، تفسیر، کلام ہر شعبہ میں ان کی اصلاحی اور تجدیدی مساعی کا عمل دخل نمایاں ہے۔

چنانچہ تاریخ اسلام کے ادبی طالب علم کی حیثیت سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے پہلے عروج و زوال (عربوں کے ذریعے) کے بعد دوسرے عروج کے فاتح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چنانچہ ترکوں میں سلطنت عثمانیہ، شمالی افریقہ اور ہندوستان کی مسلمان حکومتوں پر

Marfat.com

ان کے بڑے گہرے اثرات ہیں۔

ذاتی حالات وکوائف

نام محمد، لقب حجۃ الاسلام، پیدائش 445ھ/1059ء صوبہ خراسان کے شہر طوس میں۔ وفات 505ھ/ 1111ء۔ امام صاحب کے والد روئی کا کاروبار کرتے تھے اس مناسبت سے ان کا خاندان ''غزالی'' کہلایا۔ روئی کاتنے والے کو عربی میں 'غزالی' کہتے ہیں۔ امام صاحب کے والد خود تو تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن اپنے بیٹوں کو تعلیم دلانے کا بہت شوق تھا اس لیے مرتے وقت اپنے دونوں بیٹے ایک بزرگ کے سپرد کیے کہ ان دونوں بھائیوں کو تعلیم دلوادو۔

اساتذہ

امام صاحب کے اساتذہ میں ابو اسحاق شیرازی، حافظ عمر بن الحسن طوسی، امام ابونصر اسماعیلی اور ابو احمد اسفرائنی رحمہم اللہ ہیں۔ ابو اسحاق شیرازی جب تک حیات رہے اس وقت تک نیشاپور میں ان کے پاس پڑھتے رہے ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے اس شان کے ساتھ نکلے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا اس وقت ان کی عمر 28 برس تھی۔

نیشاپور سے آپ نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے آپ کی علمی شہرت کی بنا پر نظام الملک نے بڑی تعظیم کی اور علمی مناظروں کا اہتمام کیا، مناظروں میں امام صاحب ہی غالب رہتے۔ اس پر آپ کی بڑی شہرت ہوئی اور نظام نے انہیں مدرسہ نظامیہ کا اعلیٰ افسر مقرر کر دیا اس وقت عمر 34 برس تھی اتنی عمر میں یہ منصب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ جب آپ نے مدرسہ نظامیہ کی مسند تدریس سنبھالی تو تھوڑے عرصہ میں علم وفضل کی دھاک بیٹھ گئی حتیٰ کہ سلطنت کے اہم امور بھی آپ کی شرکت کے بغیر انجام نہیں پاتے تھے۔ خلیفہ مستنصر باللہ نہایت علم دوست اور قدردان ہونے کی بنا پر امام صاحب کی حد درجہ قدر کرتا تھا جب فرقہ باطنیہ نے زور پکڑا تو اس نے امام صاحب سے اس کے ردّ میں کتاب لکھنے کی درخواست کی، اس کتاب کا نام بھی انہوں نے 'مستنصر' رکھا۔

اس وقت چار فرقے مشہور تھے مُتکلّمین، باطنیہ، فلاسفہ اور صوفیہ۔ امام صاحب نے ان سب فرقوں کے علوم وعقائد کی تحقیقات شروع کیں، قدماء کی ساری تصانیف پڑھ ڈالیں۔

Marfat.com

448ھ سے آپ نے صوفیانہ طرز زندگی اختیار کرلیا اور دمشق پہنچ کر مجاہدہ ریاضت شروع کردی مراقبہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ جامع اُموی میں درس بھی دیتے رہے۔ دو برس بعد بیت المقدس زیارت کے لیے گئے زیارت کے بعد حج کے ارادہ سے مصر اور اسکندریہ سے ہوتے ہوئے مکہ پہنچے۔ حج کے بعد عہد کرلیا کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا نہ ہی عطیہ قبول کروں گا اور نہ ہی مناظرہ کروں گا چنانچہ مرتے دم تک اس عہد پر قائم رہے۔ امام صاحب نے احیاء العلوم اسی سفر میں تصنیف فرمائی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً بیس سال کے تھے کہ تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کرلیا درس و تدریس ہمیشہ جاری رکھی، ان کے تلامذہ کی تعداد کسی وقت بھی ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی۔ تصوف کے مشاغل کے علاوہ دور دور سے فتاویٰ آتے ان کا جواب الگ دیتے اس کے باوجود آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

تصانیف

1۔ وسیط	2۔ بسیط	3۔ خاصۃ الرسائل
4۔ تحصیل الماخذ	5۔ شفاء العلیل	6۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس
7۔ معیار العلم	8۔ محلم النظر	9۔ میزان العمل
10۔ مقاصد الفلاسفہ	11۔ تہافۃ الفلاسفہ	12۔ منقد
13۔ الجام التوام	14۔ احیاء العلوم	15۔ کیمیائے سعادت
16۔ مشکورۃ الانوار	17۔ منہاج العابدین	

Marfat.com

5

شیخ المشائخ، ولی کامل

حضرت

عبدالقادر جیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1077ء /470ھ جیلان

- عوامی وعظ ونصیحت کا آغاز 512ھ
- سفر ملتان 1128ء

وفات : 1162ء /561ھ بغداد

Marfat.com

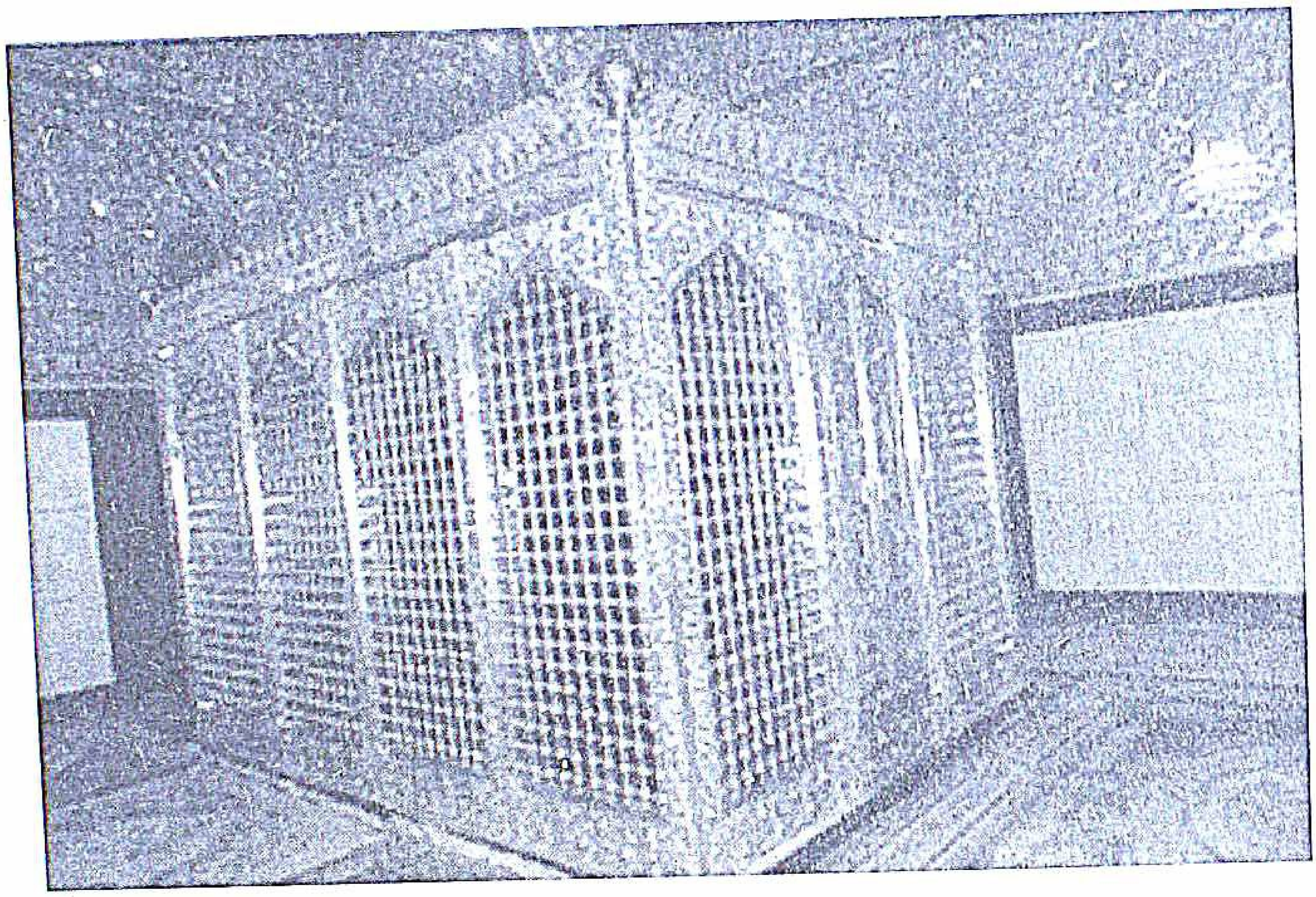

مدفن: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، بغداد

Marfat.com

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو عوام میں ''پیرانِ پیر'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت 1077ء/470ھ میں اور وفات 1162ء/561ھ میں ہوئی۔ آپ بحیرۂ کیسپین کے جنوبی علاقے جیلان میں پیدا ہوئے، جوانی کے بعد زیادہ وقت بغداد میں گزارا۔

آپ زمانی اعتبار سے بھی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کے ہیں نیز آپ کا مقام و مرتبہ اور زندگی بھر کی مساعی بھی مُتکلّمین اور اصحاب ظاہر کے درمیان بیچ کی راہ کی ہیں۔ فکری اور نظری لحاظ سے آپ کا مقام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی دو انتہاؤں کے درمیان موافقت کا ہے آپ نے اس فکری خلیج کو پاٹنے (BRIDGE کرنے) کی کوشش فرمائی ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں جو فکری دھارے اُمّت مسلمہ کے پیکر میں جاری تھے ان کا SYNTHESIS یا نقطۂ اتّصال جس شخصیت کے روپ میں ڈھل کر دنیا کی نگاہوں کے سامنے آیا اس شخصیّت کا اسم مبارک شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تو آپ کی شخصیّت کے آج بھی قدردان ہیں مگر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پرستار شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے اگرچہ مسلکاً شیخ جیلانی حنبلی تھے۔

آپ کے دور میں ایک طرف عجمی فلسفیانہ نظریات بالخصوص یونانی فلاسفہ کا چرچا عروج پر تھا اور اسلام کی طرف سے صفِ اوّل میں متکلّمین کا گروہ مردانہ وار ان کا مقابلہ کر رہا تھا اور اسلامی عقائد اور ایمانی کیفیات اور اثرات کے علاوہ اسلامی روایات اور ثقافت کے تحفّظ کا بھی ضامن تھا۔ اس جد وجہد میں دوسری انتہاء پر اصحاب ظاہر تھے جن کے طبقہ متقدّمین میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بعد میں یکے بعد دیگرے کئی اصحاب علم و فضل میدان میں اپنے جوہر دکھاتے رہے۔ اس طبقہ میں آخری اور بلند ترین مقام میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے شاگرد

Marfat.com

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس نظریاتی اور فکری کشاکش کے نتیجے میں اگرچہ مسلمانوں کا مجموعی عمل کے اعتبار سے گراف نیچے سے نیچے ہی گرتا رہا تاہم اس کا ایک فائدہ ہوا کہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کا بندوبست ہو گیا جس سے آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ہدایت کے بنیادی ماخذ زمانے کی دستبرد اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ گئے۔

شیخ موصوف علیہ الرحمہ کے زمانے میں اوپر درج خارجی حالات کے علاوہ چند اور باتوں کا ذکر ناگزیر ہے تاکہ اس ماحول کے پس منظر (SCENARIO) میں آپ کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں نیز امّت مسلمہ کی بیداری کے لئے آپ کی کوششوں کی اہمیّت و افادیّت کا اندازہ ہو سکے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے یعنی گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی کے جن چند خاص تاریخی اور انسانی عوامل کا تذکرہ ضروری ہے، وہ درج ذیل ہیں:

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بُعد کا نتیجہ

یہ بات ہمارے ایمان کا جزو ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات بنیادی طور پر ایک ہی تھیں البتہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مساعی چونکہ وقتی تھیں اور اپنے اپنے علاقے اور قوم میں تھیں پھر ابتدا میں وسائلِ آمد و رفت بھی ناپید تھے مزید براں نبوت و وحی کا سلسلہ جاری تھا، اضمحلال اور بے عملی پر اللہ تعالیٰ نیا نبی علیہ السلام مبعوث فرما دیتے تھے اور یوں اسلام کی تعلیمات کا تسلسل قائم رہتا تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان کو رحمت للعالمین بنا دیا۔ اپنے زمانے میں بھی وہ کل روئے ارضی کے لئے نبی تھے اور تا قیامِ قیامت بنی نوع انسان کی طرف بھی نبی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کئی اعتبار سے منفرد ہیں اور آپ کا دور مبارک نوعِ انسانی کے بلوغ کا زمانہ اور دورِ جدید کا افتتاحی دور ہے۔ لہٰذا آپ کی تعلیمات کی وسعت بھی زیادہ ہے اور زمانی تسلسل بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (اور تمام انبیاء علیہم السلام کی) تعلیمات کا خلاصہ چند جملوں میں

Marfat.com

بیان کیا جائے جس میں آپ کی ذاتی زندگی کی درخشاں مثالیں، غارِ حرا سے ہجرت تک کے مراحل، ہجرت سے میثاق مدینہ، بدر و اُحُد، خندق کے معرکے ـــــ صُلح حدیبیہ، خیبر اور فتح مکّہ کی کامرانیاں ـــــ پھر حنین، موتہ اور تبوک کے مراحل ـــــ نیز اسلام کی تعلیمات کا عملی نمونہ اور ـــــ نفاذِ حدود اللہ کا مرحلہ سب کی سب اس میں سما جائیں ـــــ وہ یہ ہے کہ:

○ آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کی عمومی سوچ یعنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے فرق کو مٹا کر زندگی کے تمام شعبوں کو ایک وحدت قرار دے دیا اور اس مجموعے کو اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت و تعلیمات یا قرآن و سنّت کے تابع کر دیا کہ زندگی کا کوئی گوشہ (WALK OF LIFE) اس سے مستثنیٰ نہ رہا۔ یہ آپ ﷺ کی انقلابی شان تھی اور ختم نبوت کے نتیجے میں انفرادیّت ـــــ اور منفرد ہونے کے تقاضوں کا عملی نمونہ تھا' تاریخ میں اجتماعی سطح پر اور وسیع پیمانے پر یہ کام پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس جدّوجہد اور جہاد کے نتیجے میں سیرت و کردار کے لحاظ سے اہل ایمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں سے ایسی شخصیّات اٹھیں کہ تاریخ انسانی میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے اور بعض واقعات ایسے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان نہیں کوئی SUPER MAN مخلوق لگتے ہیں اور "مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْم" (یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی معزّز فرشتہ ہے) والا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔

○ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت کر کے ایسی کندن شخصیات تیار کیں تھیں جو جامع الصّفات اور کامل شخصیات تھیں جس کا تذکرہ سورۃ فتح کے آخری رکوع میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو 'رات کا راہب' اور 'دن کا مجاہد' بنا دیا تھا۔

اس بات کو UNBELIEVABLE سمجھ کر ایرانیوں کے سپہ سالار نے اعتراف کیا تھا کہ یہ عام انسان نہیں ہیں۔ دنیا نے پہلے راہب بھی دیکھے تھے اور فوجی بھی۔ مگر وہ راہب بھی اور فوجی بھی 24 گھنٹے کے راہب اور فوجی ہوتے تھے راہب دن کا بھی راہب ہے اور رات کا بھی راہب' اس کے شب و روز اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اور ـــــ فوجی 24 گھنٹے کے فوجی تھے وہ دن میں فوجی کی ذمّہ داریاں ادا کرتے تھے اور رات کو عیّاشی کرتے تھے اور شراب اور بدکاری کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔

Marfat.com

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ یہ تھا اور انقلابی شان اور انقلابی تربیت یہ تھی کہ آپ نے جو ''اصحاب'' اور اہل ایمان دنیا کے سامنے پیش کیے وہ ''رات کے راہب'' اور ''دن کے مجاہد'' تھے۔ ایک ہی انسان ہے وہ رات کو مصلّی پر کھڑا رو رہا ہے سجدہ ریز ہے اور وہی شخص دن کو تلوار سنبھال کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا جہاد کر رہا ہے۔

یہ منظر دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؛ اسی لیے ایرانی فوج کیا ساری غیر مسلم دنیا پریشان تھی کہ ان کا مقابلہ مشکل ہے اور اس کی گواہی ایرانی سپہ سالار رستم نے یہ کہہ کر دی تھی کہ ''ھم رھبان باللیل وفُرسان بالنّھار'' (وہ رات کے راہب اور دن کے شاہسوار ہیں) یا ___ ع ''درکفِ جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق'' ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار کی حامل شخصیات تھیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھیں۔ تاہم حالات کے دباؤ اور قانونِ خداوندی اور فطرت انسانی کے عوامل کے تحت وہی کچھ ہوا ___ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا:

خَیرُ القُرُونِ قَرنِی ___ ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم ___ ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم

یعنی میرے دورِ نبوت سے بُعد کی وجہ سے ہر آنے والی نسل پہلی نسل سے علم و عمل میں نیچے ہوگی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے صرف ایک سو سال بعد یعنی تین نسلوں کے گزرنے پر مسلمانوں میں سیرت و کردار اور علم و عمل کے لحاظ سے زوال آتا چلا گیا۔

پہلی تقسیم یہ ہوئی کہ خلافت وراثت کے طور پر باپ سے بیٹے کو منتقل ہونا شروع ہوئی اور دین سے دُوری کے باعث حکمران سیاسی اعتبار سے منہ زور اور ناقابل اصلاح ہوتے چلے گئے علمائے حق حکمرانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور توجہ دلاتے تھے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے لہٰذا سیاسی حکمرانوں، بادشاہوں یا نام نہاد خلفاء کا طبقہ وجود میں آگیا جو ہر طرح کی بے راہ روی، لوٹ مار جائز و ناجائز دولت کمانے کو وطیرہ بنالیتے تھے۔ دوسری طرف اہل حق اور علماء حق تھے جو دین پر اپنی حد تک عمل کرتے تھے مگر اس کے نفاذ کی قوت سے محروم تھے وہ قوتِ نافذہ حکمرانوں کے پاس تھی جو اپنی عیاشی کے لئے اسلامی قوانین کا کُلّی نفاذ اپنے لیے موت سمجھتے تھے۔

پھر اس طبقۂ علماء حق میں دو طرح کے لوگ نمایاں ہوگئے ___ ایک وہ جو علم کے پڑھنے پڑھانے میں نمایاں تھے اور دوسرے جو علم کے حصول کے ساتھ باطنی ایمانی کیفیات، نیّت

Marfat.com

کی درستی، اصلاح باطن اور خلوص واخلاص کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ یہ علماء اور صوفیاء کے دوعلیحدہ رنگ کے لوگ معاشرے میں جگہ بنا کر عوام کی نگاہوں میں آچکے تھے۔ان تینوں طبقات میں عام انسانی کمزوریوں کی بنیاد پر مخلص بھی تھے حق کے علمبردار بھی تھے اور دنیا پرست اور موقع پرست بھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انہیں حکمرانوں میں سے اٹھے اور خلیفہ راشد اور عمر ثانیؓ کہلائے تاہم دورِ نبوت سے بُعد کی بنا پر ان تینوں طبقات میں اہل حق کم سے کم اور دنیا پرستوں کی نسبت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے بزرگ ہیں صاحب علم بھی ہیں صاحب سیف بھی ہیں ان کا مشہور شعر اپنے دور کے حالات کا مرثیہ ہے۔

وَ هَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ

وَ اَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا

''بادشاہوں، علماء سُوء اور راہبوں کے سوا، دین میں فساد اور کسی نے پیدا نہیں کیا''

گویا ــــ حکمرانوں میں غاصب ظالم دنیا پرست حاکم، علماء میں موقع پرست فتویٰ فروش سرکاری درباری علماء کا طبقہ اور صوفیاء میں نام نہاد صوفی اور لوگوں سے نذرانے وصول کرنے والے لوگ ــــ بھی عام ہو رہے تھے۔ یہ حالات خلافت راشدہ (11ھ-40ھ) کے صرف ایک صدی بعد (140ھ) دور بنواُمیہ کا اختتام اور دور بنوعباس کے آغاز کی چند دہائیوں میں واضح اور نمایاں ہو چکے تھے۔

- عوام کو لوٹنے والے تین طبقات کی تثلیث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی دنیا میں اپنی گرفت مضبوط رکھتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں غیر مسلم تو کیا خود مسلمانوں میں یہ طبقات عوام کو لوٹنے میں مشغول رہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے (ماسوائے چند تاریخی استثناءات کے جو شاذ کے حکم میں ہیں)۔

اس دوسری صدی میں اصلاحی کاموں کے لیے اہل حق علماء وصوفیاء نے کام شروع کیا ہے اور اسلام پر ہر چہار طرف سے اپنوں اور غیروں کی ہر یلغار کو اپنے سینوں پر روکا ہے اور جانوں پر کھیل کر اور ہر مصیبت اور آزمائش برداشت کر کے اسلام کا جھنڈا سر بلند رکھا ہے۔

Marfat.com

دوسری اہم بات جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں نمایاں ہو چکی تھی کہ اسلام کا دفاع کرنے والے دو طبقات ــــــ متکلمین اور اصحاب ظاہر جو دونوں گروہ اپنے اپنے مخصوص انداز میں اسلام کا دفاع کر رہے تھے اور اسلام کی جنگ لڑ رہے تھے، اس موقع پر دشمنان اسلام نے بڑی چابک دستی سے ان دو گروہوں کو آپس میں لڑا دیا تھا تا کہ اصل دشمن درمیان سے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے اور ثانیاً اسلام کی قوت کو آپس کی خانہ جنگی اور فرقہ واریت کی نذر کر کے مسلمانوں کو داخلی طور پر کمزور کر دیا جائے۔

افسوس کہ دور بنو عباس کے آغاز سے ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ دشمن اپنے تمام مقاصد میں آہستہ آہستہ کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کا رعب داب، کروفرّ اور حکومت ولشکر موجود تھے مگر وہ جذبہ اور شان آہستہ آہستہ ایمان کی کمزوری، دنیا پرستی اور حب جاہ کی وجہ سے ختم ہو رہی تھی۔

اس پس منظر میں جن اصحاب علم ودانش اور فہم وبصیرت نے دشمن کی چال کو سمجھ کر مسلمانوں کی داخلی لڑائی اور خانہ جنگی روکنے کی کوشش کی ہے وہ بہت عزت احترام کے حقدار ہیں

ع اُو گرامی تر است کُو دانا ست

ان گرامی قدر اصحاب علم وفضل میں نمایاں نام
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے

تیسری اہم بات یہ ہے کہ سیاسی طور پر بنو عباس کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اور حکمران طبقہ عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں پڑ چکا تھا، 300 سالہ اقتدار کی بنیادیں کمزور پڑ گئی تھیں، ترکستان، شمالی ایران وغیرہ کے علاقوں میں عباسی اقتدار کمزور اور سلجوقیوں کی حکومتیں مضبوط ہو گئیں تھی، دمشق، مصر، شمالی افریقہ میں بھی مقامی حکمرانوں نے سر اٹھایا تھا اور مرکز بغداد سے علیحدگی اور بغاوت کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ذیل میں درج چند اہم واقعات اسی دور کی کیفیت کی عکّاسی کرتے ہیں جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہوئے اور جن کے اسباب وعواقب ان کی نگاہوں میں تھے:

Marfat.com

(i) مصر میں فاطمیوں کا اقتدار جس میں کعبہ کی بے حرمتی اور حجر اسود کو اکھاڑ کر مصر لے جانے کے روح فرسا سانحات بھی شامل ہیں۔

(ii) غیر مسلم اسلام دشمن قوتیں بالخصوص یہود اتنے مؤثر اور اپنی کارروائیوں میں آگے بڑھ گئے تھے کہ ساڑھے چار سو سال پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہونے والے بیتُ المقدس کی حفاظت عباسی حکمرانوں کے بس میں نہ رہی یہود کی مسلمانوں کے اندر سازشوں سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کمزور ہوئی اور بیرونی سازشوں سے عالم عیسائیت جاگا اور پورا یورپ شہنشاہ روم کی قیادت میں مذہبی جنگ لڑنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور حالات ایسے ہوگئے کہ ان صلیبی جنگوں کے نتیجے میں 1098ء کے لگ بھگ بیت المقدس اور یروشلم کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور عیسائی قبضے میں چلا گیا، عیسائیوں نے مذہبی جنونی کیفیت میں اس علاقے میں قتل عام کیا اور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور قسطنطنیہ سمیت پورے یورپ نے فتح کے شادمانے بجائے۔ اس شکست اور اس کے بعد کے اثرات کو شیخ موصوف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(iii) دنیا میں خفیہ انجمنیں اور ادارے کام کرتے ہیں بالخصوص اسلام کے غلبے کے اس دور میں جتنی خفیہ سرگرمیاں زیر زمین پروان چڑھیں اس میں بلاشک وشبہ یہود کا ہاتھ تھا؛ بلکہ دنیا میں ہر خفیہ سوسائٹی میں اسی شیطانی اور ابلیسی گروہ کی کارستانیاں شامل ہوتی ہیں۔

بنو عباس کی حکومت کے اس روبہ زوال عرصے میں ایک طرف بیت المقدس بھی ہاتھوں سے نکل گیا ــــــــــ دوسری طرف خفیہ سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ان خفیہ ابلیسی سرگرمیوں کا نقطہ عروج حسن بن صباح نامی شخص کی سرگرمیاں ہیں جس نے اپنے پیروکاروں کو فدائین کے نام سے منظم کیا ایک صحت افزاء پہاڑی علاقہ میں خودساختہ جنّت بسائی اور مسلمان حکمرانوں اور اہم شخصیّات کو قتل کروانے کے لیے اپنے فدائیین کو استعمال کیا اس کی کارروائیوں سے پورا شمالی ایران ان کے زیر اثر رہا اور سلجوقی حکمران خوارزم شاہ سمیت بے شمار زعماء کو جو بھی اس کی مرضی پر چلنے کو تیار نہیں تھا قتل کروا دیا۔

ان تخریبی کارروائیوں میں قریب تھا کہ سارا مشرق وسطی صلیبی جنگوں کی نذر ہو جاتا اور صلیبی اقتدار کا حصہ بن جاتا۔ عیسائیوں کا یہ مذہبی جنگی جنون جاری تھا کہ اللہ تعالی نے دمشق میں

Marfat.com

''زنگی'' خاندان کو اٹھایا اور نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور پھر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام اور مسلمانوں پر بڑے احسان کیے ذاتی طور پر بھی وہ بہت خدا ترس، پارسا اور نیک حکمران تھے۔

(iv) حکمران نورالدین زنگیؒ کے دور میں وہ کلیجہ شق کر دینے والی سازش بھی سامنے آئی جس سے سب مسلمانوں کی سانسیں رک گئیں۔ دو یہودی شیطان مسلمانوں کے روپ میں مدینے میں آباد ہو کر بظاہر عبادت گزاری اور پارسائی کی آڑ میں سُرنگ کے ذریعے مسجد نبوی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک تک رسائی کی کوشش کر رہے تھے اور جسد مبارک کو نکال کر غائب کرنا چاہتے تھے جس کے خوفناک نتائج کا اہل علم ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کو بروقت خبردار کیا اور اس نے اس سازش کو پکڑا اور 'یہودی شیطانوں' کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایسے ناپاک کام یہودی اپنی ایجنسیوں کے ذریعے ہی کرواتے ہیں مگر ان کو شک گزرا کہ کوئی نام نہاد مسلمان اس غلیظ اور گھناؤنی حرکت میں شامل کریں گے تو شاید کہیں اس سازش کا راز ہی فاش نہ ہو جائے۔

ان سیاسی حالات میں اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے ماحول میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کام کیا اور مسلمانوں کو حوصلہ دے کر منظم کیا، وہ انہی کا کام تھا انہوں نے ایک مشنری جذبے کے ساتھ کام کیا اور امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو مشکلات اور خطرات کے بھنور سے نکالنے کی کوشش کی۔ شیخ موصوف 18 سال کی عمر میں بغداد آئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے بیرونی سفر بہت کم کیے اور وہ مشنری اسفار بھی حج وغیرہ کی طرح کے مذہبی اسفار تھے۔ ایک تذکرہ کے مطابق شیخ موصوف 1128ء میں ملتان بھی تشریف لائے تھے اور یہاں چند ماہ قیام فرمایا۔

شیخ موصوف نے وعظ و نصیحت اور اصلاحی تقاریر کے ذریعے لوگوں میں دین کے احیاء کا جذبہ بیدار کیا ان کا وعظ پر مغز، مؤثر اور دلنشیں ہوتا تھا اور ایک ایک وقت میں ہزاروں لوگ ان کی خانقاہ میں آ کر ان کے وعظ سے مستفیض ہوتے تھے ان کے وعظ سے جو حضرات متاثر ہو گئے تھے شیخ موصوف نے ان سے کام لینے کے لئے انہیں منظم فرمایا اور ان کی اپنے اصلاحی اور مشنری خیالات پر تربیّت کی، ان کی درجہ بندی فرمائی اس طرح ان کے ہزاروں کی تعداد میں تربیّت یافتہ

Marfat.com

شاگرد یا درویش یا ''اسلامی کامریڈ'' تیار ہوئے۔ شیخ موصوف ان تربیت یافتہ شاگردوں کی جماعت میں سے صلاحیت اور حالات کے مطابق مختلف جگہوں پر اپنے نمائندے بھیجتے تھے جو وہاں کے حالات کے مطابق کام کرتے تھے اور حالات کی نگرانی کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ان کا اپنے شاگردوں کے درمیان رابطہ تھا اور پیغام رسانی کا سلسلہ بھی۔ حیرت ہے کہ اس زمانے میں ایک شخص اتنا بیدار مغز اور حالات پر نظر رکھنے والا تھا کہ ہر چہار طرف انہوں نے اپنی اصلاحی کوششوں کے محاذ قائم کر دیے۔ سندھ، پنجاب، اجمیر، ملتان، افغانستان، ایران، عراق، مشرق وسطیٰ، عرب، شمالی افریقہ حتیٰ کی یورپ کے مغربی حصے اندلس (جسے سپین یا ہسپانیہ بھی کہا جاتا ہے مسلمانوں کے دور میں اسے اندلس کہا جاتا تھا 1492ء میں یورپ نے زبردستی مسلم حکومت ختم کر کے مسلمانوں کو ختم کیا تو اس علاقے کا نام بدل کر ہسپانیہ رکھ دیا جو بعد میں بگڑ کر اب صرف سپین رہ گیا ہے۔ یہ اس لئے کیا کہ تاریخ میں اندلس میں مسلم اقتدار کی تفصیلات پڑھ کر انہیں فوراً سمجھ میں نہ آسکے کہ کس علاقے کی بات ہو رہی ہے اور یورپ میں مسلم اقتدار کے تذکرے مسلمانوں کے ذہن سے محو ہو جائیں حالانکہ یورپ پر علمی، ثقافتی، تمدنی، تحقیقی، ادبی میدانوں میں عربوں کے اتنے احسانات ہیں کہ یورپ کبھی ان کا احسان بھلا نہیں سکتا تا آنکہ وہ احسان فراموشی اختیار نہ کر لے) تک کے دربار میں ان کی رسائی تھی اور ان کے شاگرد وہاں بھی مؤثر انداز میں عمائدین سلطنت اور عوام میں برابر کام کر رہے تھے۔ اس ساری عملی جدوجہد اور شاگردوں کی روحانی، اخلاقی اور سیاسی و معاشرتی تربیت کے نظام کو انہوں نے ''سلسلۂ قادریہ'' کے نام سے منظم فرمایا اور اس کے ذریعے اپنے شاگردوں میں وہ آگ بھر دی کہ ان کے دور میں بھی اور اس کے بعد کئی صدیوں تک ان کے اثرات مشرق و مغرب میں بچشم سر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ان کے سلسلۂ قادریہ کے کام میں قرآن وسنّت یا قرآن وحدیث کی بڑی اہمیّت تھی وہ مسلمانوں کے خارجی سیاسی حالات، حکومتوں کی اکھاڑ بچھاڑ، یہود کی ریشہ دوانیاں، فلاسفہ کی فکری کمزوریاں اور منطق کی قوت استدلال کے بودے پن کو خوب سمجھتے تھے اور اس ''نور بصیرت'' کو اپنے شاگردوں درویشوں اور خلفاء میں بھی عام کر رہے تھے۔

ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سابقہ تین صدیوں میں یونانی فلسفہ کی یلغار کے نتیجے

Marfat.com

میں پیدا ہونے والے علمی معرکوں کی دلدل سے لوگوں کو نکالا ہے اور روحانی تعلیمات کے ذریعے تصوف اور اِحسان کی طرف لے کر آئے ہیں۔ 'متکلّمین' اور 'اصحاب ظاہر' میں فکری اتّحاد و اتّصال (SYNTHESIS) کی کوششیں کی ہیں اور اپنی عملی زندگی میں اس سوچ اور طرز عمل کو کامیاب کر دکھایا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے وقت اور صدی کے مجدد تھے جنہوں نے دینی فکر اور انقلابی فکر کو از سر نو تازہ کر دیا۔

ان کی حد درجہ محنت اور ان کے شاگردوں کی جانثاری اور فدائیت کا یہ مظہر ہے کہ ہم مشرق و مغرب پورے عالم اسلام میں ان کے شاگردوں اور زیر اثر لوگوں کو بڑے بڑے کام اور کارنامے سرانجام دیتے دیکھتے ہیں۔ ان کے اس عالمی سطح کے نظام میں مختلف جگہوں پر اپنے خلفاء وغیرہ کا ایک نظام قائم تھا جنہیں انہوں نے اپنے اصلاحی فکر کی بنیاد پر اور تنظیم کی غرض سے مختلف روحانی نام دے رکھے تھے جس سے درجہ بندی اور CADRES معیّن ہوتے تھے۔ غوث، قطب، ابدال سب اسی دور کی اصطلاحات ہیں۔ اور یہ آج کل امیر، امیرِ حلقہ، معتمد، مرشد عام کی طرح کی ہیں۔ ان کا ملتان تک خود تشریف لانا اس ساری جدوجہد کی تنظیمی اور تربیّتی شکل ہے۔ ان کے شاگرد شمالی افریقہ اور اندلس (سپین) تک میں بڑے موثر تھے اور منظّم انداز میں کام کرتے تھے جس کے اثرات شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر صوفیاء کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

آپ نے اپنی مساعی اور تجدیدی کوششوں کے لئے تصوّف کا میدان چنا اور اسی میں اس قدر منہمک ہوئے کہ یہ ان کی پہچان بن گیا آپ مذہباً حنبلی تھے اور حنبلی فقہ کے ائمہ میں شامل تھے۔ تاہم یہ پہلو آپ کی اصلاحی سرگرمیوں میں دب گیا۔ آج کے ماحول میں آپ کی صوفیانہ خدمات کا تذکرہ عام ہے اور اس میدان میں حنفی بریلوی مسلمان پیش پیش ہیں آج اگرچہ ہمارے ہاں فرقہ بندی بلکہ فرقہ پرستی ہے مگر ہمارے اسلاف میں ان چیزوں کی شدّت نہیں تھی ہمارے اسلاف حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مذاہب کو فقہ کا ایک میدان سمجھتے تھے اور کسی کا حنفی یا حنبلی ہونا مسلمان ہونے پر فرق نہیں ڈالتا تھا اگرچہ آج یہاں حنفی ہونا مسلمان ہونے کے تقریباً ہم معنی ہے اور عوام کو اگر معلوم ہو جائے کہ ہمارے پیرانِ پیر حنبلی مسلک کے تھے اور رفع یدین کرتے تھے تو حیرانی ضرور ہوگی۔ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی حنبلی مسلک اور فقہی وراثت آج سعودی عرب اور

Marfat.com

امارات کے پاس ہے اوران کی سلسلۂ قادریہ کی وراثت بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کی عوام کے پاس ہے۔

شیخ موصوف کی تجدیدی اور اصلاحی کوششوں کے ضمن میں آپ کی سلسلہ قادریہ کے فروغ کے لیے اَن تھک محنت کا نتیجہ ہے کہ آپ صوفی زیادہ اور حنبلی کم پہچانے جاتے ہیں یہ آپ کی امت کے لئے اصلاحی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں اور طالبین کے لئے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب بہت مشہور ہیں ان کا قصیدہ غوثیہ بھی مشہور ہے جس کا ایک شعر ہدیہ قارئین ہے جس سے ان کی عالمی سطح پر بلادِ شرق وغرب میں سرگرمیوں کے انہماک اوران کی نگرانی کا غماز ہے۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعاً
کَخَرْدَلَۃٍ کحکم اتصال

(میں نے اللہ کی ساری سرزمین کے شہروں پر نظر کی جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہوتا ہے)

اس شعر میں معنویت کا ایک سمندر ہے کہ جیسے آج کل کوئی عالمی سطح کا رہنما دنیا کے نقشے پر مختلف ممالک کی سرگرمیوں کے جائزہ کے لئے غور وفکر کر رہا ہے اوران کے سرکردہ جانثار ساتھ شریک ہیں جسے آج کل دینی جماعتوں میں ''مرکزی شوریٰ'' کا نام دیا جاتا ہے۔

آپ کے خلوص و اخلاص، بے حد محنت، شب و روز کے مجاہدے اور ہزاروں شاگردوں، مریدوں کی فدائی تربیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ عوام میں لاکھوں کروڑوں عقیدت مندان کا نام آج بھی عزت سے لیتے ہیں اوراہل علم کے نزدیک ان کے کارنامے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے جاتے ہیں۔ ؏ خدارحمت کنداِیں عاشقانِ پاک طینت را

ذاتی حالات وکوائف

نام: سیدعبدالقادر، والد کا نام: سیدابوصالح عبداللہ (موسیٰ) بن جنگی دوست، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ بحیرۂ کیپین کے جنوبی علاقے میں واقع

Marfat.com

عراق کے ایک صوبے جیلان یا گیلان میں 470ھ / 1077ء کو پیدا ہوئے۔ اور وفات ربیع الثانی 561ھ / اپریل 1162ء کو بغداد میں ہوئی۔

آپ تین برس کی عمر میں والدین کے ساتھ بغداد آئے، وہاں دس سال رہے اور پھر والدین کے ہمراہ واپس آبائی علاقہ میں آ گئے، اس کے بعد دوبارہ اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیل علم کی غرض سے بغداد تشریف لے گئے اور اس وقت سے لے کر وفات تک یہی شہر آپ کی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنا رہا۔

دوسرے بہت سے اساتذہ کے علاوہ آپ نے علوم وفنون اور ادب کی تعلیم میں سے' فقہ حنبلی کی تعلیم ابوالوفاء بن العقیلی اور ابوسعد مبارک مخرمی سے اور حدیث کی تعلیم ''مصارع العشّاق'' کے مصنف ابو محمد جعفر سراج سے حاصل کی۔ اور تصوف سے ابوالخیر حماد الدباس نے آپ کو روشناس کرایا جو اپنے وقت کے نہایت محترم و مسلم صوفی اور بزرگ تھے' ان کی سخت ریاضت کا ذکر' جو یہ اپنی زیر تربیّت مُریدوں سے کرایا کرتے تھے' ابن اثیر نے بھی کیا ہے۔

521ھ یعنی پچاس سال کی عمر میں آپ نے وعظ و نصیحت کا آغاز کیا، آپ کے وعظ و درس کا چرچا دور دور تک پھیل گیا، اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کے استاد مخرمی کے مدرسے کا انتظام آپ کے حوالے کر دیا گیا، یہاں آپ کے اہم مشاغل افتاء، درس قرآن وحدیث اور بالخصوص وعظ تھے جن کی شہرت دور دور تک تھی جو دنیائے اسلام سے بے شمار شاگردوں کو کھینچ لائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے دلنشین حُسن وعظ کے باعث بہت سے غیر مسلم بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

شیخ نے ایسے دور میں زندگی بسر کی جب تصوف کا عروج اور صوفیاء کے مسلک میں وسعت پیدا ہو رہی تھی اور تاریخی حالات نے ایک سوال اٹھا رکھا تھا کہ زہد و تصوف کے عناصر کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کس طرح کیا جائے۔ بعض اہل علم نے تو تصوف کی ضرورت وافادیت سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ان حالات میں شیخ موصوف نے عملی سرگرمیاں شروع کیں اور وعظ و نصیحت کے ساتھ تصنیف کا کام بھی کیا۔ ''غُنیۃ الطالبین'' ان کی طرف منسوب مشہور اور ضخیم کتاب ہے جس میں شریعت و طریقت کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور مختلف فرقوں کے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں ان کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے، آپ کے مقالات پر مشتمل کتاب ''فتوح

Marfat.com

الغیب'' تصوف اور معرفت کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔فتح رحمانی اور فیض ربانی شیخ کے تریسٹھ خطبات کا مجموعہ ہے جوان کے نواسے شیخ عفیف الدین مبارک نے ترتیب دیے۔

آپ اخلاق میں اپنے تمام معاصر اولیاء سے ممتاز تھے۔تذکرہ مشائخ اولیاء میں درج ہے کہ سیرت و کردار کے لحاظ سے کوئی ولی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔آپ دنیوی ضروریات سے بے نیاز تھے اور بے خوفی سے کلمۂ حق کہتے تھے،حق گوئی، ایثار و سخاوت،عفو و درگزر کا پیکر تھے،کسی پر ظلم برداشت نہ کرتے غریبوں اور مظلوموں کی امداد کے لیے فوراً تیار ہو جاتے اور شریعت کے معاملے میں کبھی نرمی نہیں برتتے تھے۔

آپ کا مقبرہ بغداد میں ہے اور پوری دنیا کے مقابرِ اولیاء سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے ہر سال ہزاروں افراد وہاں حاضری کے لیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

6

الملک الناصر، فاتح بیت المقدس

سلطان یوسف اوّل

صلاح الدین ایوبی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : 532ھ/1138ء تکریت

○ 1169ء میں مصر کے حکمران بنے۔

○ 1190ء بیت المقدس فتح کیا۔

وفات : 589ھ/1193ء دمشق

Marfat.com

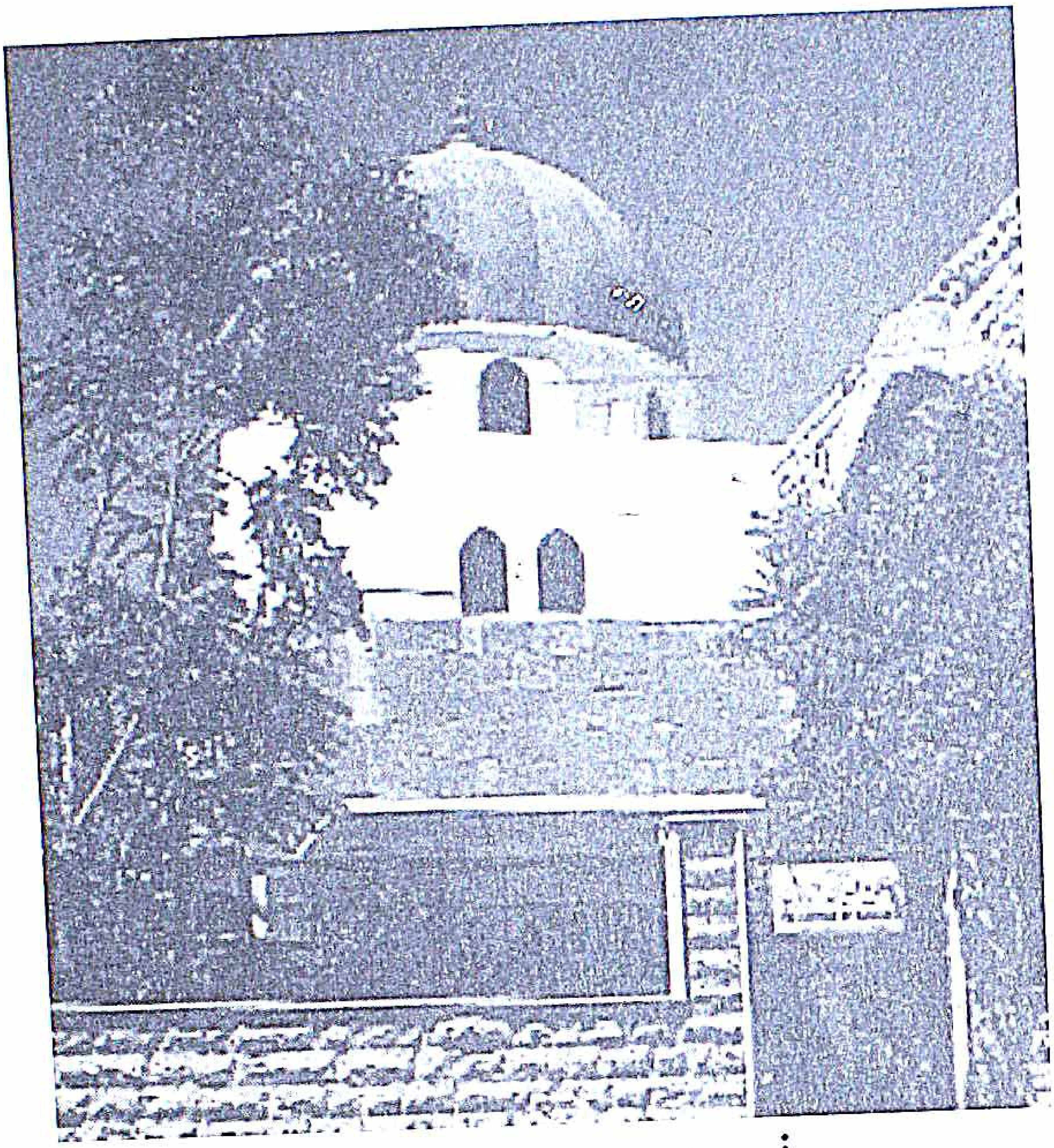

مدفن: سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ، دمشق

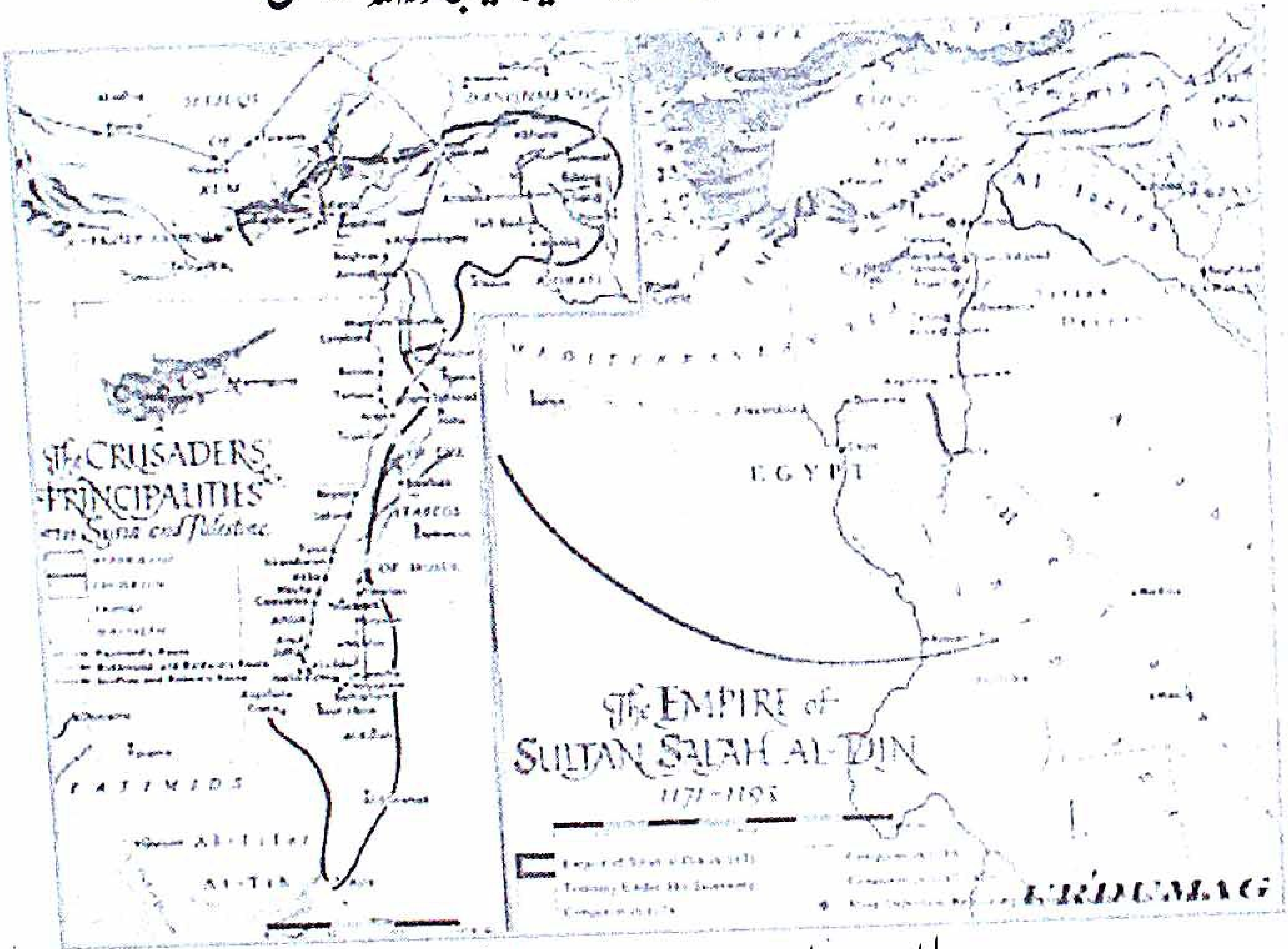

سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

آپ امیر نجم الدین ایوب کے ہاں 532ھ (1138ء) میں تکریت (عراق) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ صفر 589ھ (1193ء) میں دمشق میں وفات پائی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ، آٹھ صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی اسلامی دنیا میں معروف ہیں اور ان کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے، ان کا تذکرہ مسلمانوں کے خون میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے اور جذبہ و ولولہ پیدا کرتا ہے، آج بھی لوگوں کے لیے ان کی شخصیت روشنی اور ہدایت کا مینار ہے وہ علوم دینیہ کے دلدادہ اور علماء کے سرپرست اور تعمیرات کا شوق رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہو تو لازماً صلیبی جنگوں کا خیال آجاتا ہے اور ذہن ان یورپی مذہبی جنونیوں کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اپنے وطن سے بارہا پیادہ سینکڑوں میل کا سفر کر کے مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں سے جنگیں کرنے کے لئے حملہ آور ہوتے رہے۔ یہ صلیبی جنگیں جنہیں CRUSADES کہا جاتا ہے گزشتہ ایک ہزار سے جاری ہیں (یہاں تک کہ موجودہ اسلام دشمن اتحادی سرگرمیوں اور مسلم کُش حملوں کے لئے بھی 2001ء میں امریکی صدر بش کی زبان پر CRUSADES کا لفظ ہی آیا تھا، جو ان کے باطنی عزائم اور خفیہ منصوبوں کا اظہار تھا جس کے لئے بظاہر اس نے معذرت کر لی)۔

یہ صلیبی جنگیں کیا ہیں؟ اور کیوں لڑی گئیں اور آخر 1000 سال سے یہ جنگیں کیوں جاری ہیں؟ سلطان صلاح الدین کے حالات زندگی پڑھنے سے ان سب سوالوں کا جواب مل جاتا ہے۔ ان جنگوں کی شدّت اور یورپی مسیحی برادری کے دل کی جلن اور سینے کے داغوں کا' سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے وہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''جب تک ایک مسلمان زندہ ہے یورپی عیسائیوں کی طرف سے صلیبی جنگ جاری رہے گی تاوقتیکہ اس کو بھی ختم نہ کر دیں''

یہ جملہ اس سلطان کا ہے جو مسلسل چالیس سال تک ان سے نبرد آزما رہا اور ان اسلام دشمن صہیونی و مسیحی مذہبی جنونی طبقہ سے میل جول کے باعث ان کے عزائم اور منصوبوں سے بخوبی آگاہ تھا۔

مسیحی دنیا اور مسلمانوں کے درمیاں جنگوں کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شروع ہوا اور عیسائیوں نے اپنی ہی کتابوں کی پیشگوئیوں کے مطابق بغیر جنگ کے قلعہ بیتُ المقدس مسلمانوں کے حوالے کر دیا، تاہم وہ اسے آج تک بھلا نہ سکے۔

اس کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں نے میدان جنگ کی بجائے مسلم عسکری قوت کو نیچا دکھانے کے لیے سازشوں کا جال پھیلانے کا راستہ اختیار کیا اور ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کے عقائد اور ایمانیات کو مُتزلزل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ دور بنواُمیہ کے بعد جب دور بنوعباس آیا اور دارالحکومت دمشق سے بغداد منتقل ہو گیا تو مسیحی دنیا کو سازشوں کا جال وسیع کرنے کا نادر موقع مل گیا اور انہوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا، قسطنطنیہ اس وقت تک عیسائی دنیا کا گڑھ اور قوت کا مرکز تھا۔ لہٰذا اندرونی سازشوں سے مسلمانوں کو باہم لڑا کر جب کمزور کر دیا تو یہود اور عیسائیوں نے مسلمانوں کو نیچا دکھانے اور آسمانی ہدایت کو مٹانے کی غرض سے خوفناک منصوبہ بنایا اور اس کام کے لئے مسیحی دنیا کو آمادہ کرنے کے لئے اس منصوبہ کو مذہبی نام دیا صلیبی جنگ (CRUSADES)، جس سے یورپ کے طول وعرض میں مذہبی رہنما لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے اور عوام وخواص، پیرو جوان، غریب اور امیر، مزدور اور کسان، محنت کش اور راجے مہاراجے، لارڈ پرنس، غرض ہر سطح کے لوگوں کو اس مذہبی جنون نے اس درجہ متاثر کیا کہ لوگ اس مقدس جنگ میں شرکت کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔

یہ سلسلہ گیارھویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر پندرویں صدی تک چلا ہے اور اس طرح دس بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں۔

پہلی مہم جو 1095ء سے شروع ہو کر 1142ء میں ختم ہوئی اس مہم میں بنوعباس کی

Marfat.com

کمزوری کے باعث بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گیا اور وہ عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا اس فتح کے نشے سے سرشار ہو کر انہوں نے مزید مسلم علاقے بھی فتح کر لیے۔

ان حالات میں اللہ تعالی نے سلطان نورلدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اور سلطان صلاح الدین کی بھرپور مہم جوئی سے اس صلیبی جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور 1190ء کے لگ بھگ تقریباً نوّے سال بعد بیت المقدس کی بازیابی ممکن ہوسکی (مدینے میں آمد پر مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے بعد میں تحویل قبلہ کا حکم آیا اور مکہ میں اللہ کا گھر قبلہ قرار پایا پھر بیت المقدس معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ایک اہم پڑاؤ یا LANDMARK کی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک بھی بیت المقدس کی بڑی اہمیت ہے) اور صلیبی جنگ میں پورے یورپ کا تن تنہا مقابلہ کر کے ان کو شکست سے دوچار کر دینا یہ سلطان ہی کا کام تھا اور اسی کی کوششوں کا نتیجہ۔

سلطان کی بہادری، فیّاضی، عالی ظرفی دشمنوں سے بھی نیک سلوک کی وجہ سے آج بھی یورپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام سے خائف رہتا ہے اور دلوں میں شدید نفرت اور بغض چھپائے ہوئے ہے جو بظاہر چھپانے سے چھپتے نہیں۔ اس تیسرے کروسیڈ جس میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو فتح ہوئی اس کے بعد بھی مسیحی مذہبی رہنما بیت المقدس کے حصول کے لئے جنگی جنون کو عام کرتے رہے مگر ان کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کس طرح چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد بیت المقدس واپس لیا اور یورپ کا راستہ روکا اس کے متعلق تاریخ میں ہے کہ اس جلیل القدر سلطان کا حال یہ تھا کہ:

''سلطان صلاح الدین کا ایک خاص کریکٹر جس نے اس کو اسلامی دنیا میں عزیز الوجود اور مسلمانوں کا ایک محبوب ہیرو بنایا، تمام دنیا سے اس کی عظمت اور ناموری کو تسلیم کروایا، صلاح الدین اعظم کا اس کو خطاب دلوایا اور اس کے بزرگ نام کو صفحۂ ہستی پر لاثانی بنا دیا وہ اس کی بے نظیر ہمت، شجاعت استقلال اور اسلام کی حمایت کا اَن تھک جوش تھا جو کسی وقت اور کسی حالت میں کم نہیں ہوتا تھا۔ یہ اسی عدیم المثال ہمت اور

Marfat.com

جوش کا نتیجہ تھا کہ ہم ایک سلطان کو بلکہ زیادہ صحیح طور پر کہا جاوے کہ ایک شاہنشاہ کو جو مصر، شام، عراق، بحرین، یمن اور افریقہ کے بعض صوبوں کا مالک وفرمانروا تھا اور جس کے سامنے اسلامی سلاطین کے ہر ایک درجہ کی معاشرت اور عیش وعشرت کی زندگی کے نمونے اور سامان موجود تھے، تمام انسانی حظوظ سے کنارہ کش ہو کر ایک خیمہ کی مملکت کی زندگی بسر کرنے پر قانع اور مسرور دیکھتے ہیں' کسی انسان کا جوش یا ایک وصف اس سے بڑھ کر اور کیا قربانی اس سے کرا سکتا ہے۔ سلطانی عظیم الشان قصروں اور محلوں کی پر عیش وعشرت، پُر امن اور محفوظ زندگی کو ترک کر کے جو شخص اپنی خوشی سے عناصر کی شدتوں، برف، بارش اور طوفان اور کثیر التعداد دشمنوں کے مقابلہ میں ایک خیمہ کو اپنے واسطے اختیار کرتا ہے، وہ دنیا سے اس خراج کے حاصل کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے جو صلاح الدین نے حاصل کیا، خیمہ اس کی محل سرائے تھا، گھوڑے کی پیٹھ اس کا تخت تھا، اہل فوج اس کے درباری اور وہی اس کی پیاری اولاد تھے، تلوار کی چمک اس کی شان وشوکت کے سامان تھے اور یہی سرد لوہا اس کی دلچسپی کے اسباب۔ اس کے جوش استقلال، ہمّت اور شجاعت کی تشریح کے واسطے واقعات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تمام زندگی کے حالات جو بیان ہو چکے ہیں اس کو ایک بہادر سپاہی، ایک لائق جرنیل اور ایک اَن تھک اور پُر جوش مسلمان فرمانروا کے سوائے اور کچھ ثابت نہیں کرتے ہیں۔ وہاں نہ شاہانہ درباروں کی شوکتیں ہیں نہ مصنوعی عظمتوں اور ہیبتوں کے تماشے ہیں، نہ آراستہ وپیراستہ محلّوں میں راگ ورنگ کی محفلیں ہیں بلکہ یہاں تو صرف ننگی تلواروں کے ہیبت ناک مناظر ہیں جو نیاموں میں جانے کے بعد اپنے منہ پر سے خون کو بھی خشک نہیں ہونے دیتیں''۔

بیت المقدس چھن جانے کے باعث عیسائیوں میں غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی اور تیسرا صلیبی حملہ اس کا ردّعمل تھا۔ اس حملے میں جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا، انگلستان کے بادشاہ رچرڈ شیردل اور فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس نے شرکت کی۔ ان میں جرمنی کا بادشاہ تو ایشائے کوچک کے ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا اور فرانس کا بادشاہ' رچرڈ سے اختلاف کے باعث واپس

Marfat.com

چلا گیا جبکہ رچرڈ شیر دل سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بھی یورپ کے بظاہر امن پسند مسیحیوں کی جارحانہ اور جنوبی سرگرمیاں ختم نہیں ہوئیں بلکہ وقتاً فوقتاً صلیبی جنگوں میں عوام اور وسائل کو جھونکتے رہے مگر ہر بار ناکام رہے۔

ان ساری صلیبی جنگوں کے پیچھے 'یہود' کا سازشی ہاتھ کارفرما تھا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصلی پیروکار جو انہیں اللہ کا بندہ اور پیغمبر سمجھتے تھے بہت کم تھے اور وہ بھی غیر معروف جبکہ کیتھولک عقائد کے حامل مسیحی سینٹ پال کے پیروکار تھے اور ان کے عقائد تثلیث پر مبنی تھے جو ایک پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہیں۔ یہ تثلیث کا عقیدہ فروغ دینے میں بھی یہود کی مساعی سرفہرست ہیں۔ یہود نے یورپ کی فوجی قوت کے ذریعے مسلمانوں کو دبانا چاہا اور مسلم علاقے فتح کرنے چاہے جس میں ناکام اور نامراد ہوئے تو انہوں نے اپنی پالیسی اور طریقہ کار یکسر بدل دیا۔

سلطان صلاح الدین ذاتی کردار اور انسانی اوصاف اور حسن سلوک کے اعتبار سے اتنا بلند انسان تھا کہ اس کی تعریف میں مبالغہ کی حد تک بات درست ہے۔

''سلطان کے جوش اور شجاعت کا اثر اگر اس کی ذات یا ذاتی افعال تک محدود ہوتا تو معتد بہ نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا تھا، یہ اس کا جوش تھا جو اس کے چاروں طرف پھیل گیا تھا، یہ اس کا جوش تھا جس نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمع کر لیا تھا، یہ اس کا جوش تھا جس کا عکس مسلمانوں کے دلوں پر پڑ رہا تھا، یہ اس کا جوش اور اس کی ہمت تھی جس نے قوم کے لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں کو مضبوط کر کے اسے کھڑا کر دیا تھا، یہ اس کی ہمت اور شجاعت تھی جس نے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا بھولتا ہوا سبق پھر یاد دلایا تھا جس نے پژمردہ دلوں کو تازگی دی تھی اور مسخر کر لیا تھا یہ اس کا دل تھا جس نے مسلمانوں کے متفرق دلوں کو ایک مشترک غرض کے واسطے جمع کر لیا تھا۔ اسلامی دنیا اس وقت سو چکی تھی، ایوان اسلام بوسیدہ ہونے لگا تھا جس دردناک صدا اور دلکش نغمہ نے سوتوں کو جگا لیا تھا وہ صلاح الدین ہی کا تھا جن ہاتھوں نے اس عمارت کو گرنے سے بچا لیا وہ صلاح الدین کے تھے۔ عیسائی دنیا اور فرنگستانی عالم

Marfat.com

کے مقابلہ میں جو وجود ایک آہنی دیوار اور مضبوط پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے اور جنہوں نے اسلامی عزت اور ننگ ناموس کو ازلی دشمنوں کے ہاتھوں سے بچالیا ان میں صلاح الدین کا دل تھا''۔

سلطان کی ہمت اور شجاعت کے بارے میں مؤرخ ابن شداد لکھتا ہے:

''وہ بڑا قوی دل، بارعب، بہادر، بے مثل شجاع اور حد درجہ کا ثابت قدم تھا کوئی مہم اور کوئی مصیبت اس کو ڈرا نہیں سکتی تھی عیسائیوں کے ساتھ سخت سے سخت مقابلوں کی وہ پرواہ نہیں کرتا تھا۔ موسم سرما کی شدید سردیوں میں جنگ اور حملوں میں مصروف رہتا تھا اور بہت دفعہ قلیل فوج کے ساتھ کثیر التعداد دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں تامّل نہیں کرتا تھا''۔

اعلائے کلمۃ الحق کے جوش کے سوا سلطان کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں تھا اور اس کی تمام کامیابیوں میں جو اسے عیسائیوں کے مقابلے میں حاصل ہوئیں یہ کامیابی قابل ذکر ہے کہ اس نے قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کو عیسائیوں کے اس دارالحکومت میں مسجد کی تعمیر اور اماموں اور مؤذّنوں کے تقرّر پر راضی کر لیا۔

اس کے ذاتی اخلاق میں فیّاضی، احسان، عفوودرگزر، مروّت اور حلم بہت نمایاں ہیں سلطان ایک عدل پسند بادشاہ اور انصاف کرنے والا حکمران تھا اور ان شاءاللہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سائے میں نمایاں جگہ دے گا۔

سلطان علم کی قدردانی کرتا اور اہل علم سے تعلّقات بڑھاتا اور ان کی قدر کرتا، علم کے حصول کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا اہل علم کی محفلوں میں شریک رہتا اور قرآن و حدیث اور جہاد سے متعلّق باتیں سن کر انہیں پلے باندھ لیتا۔

سلطان نے اپنے دورِ حکومت میں بے شمار مدارس تعمیر کرائے اور اس کے لئے قابل اساتذہ مقرر کیے اور شاندار عمارات تعمیر کرائیں۔ کتابوں سے اس کو خصوصی شغف تھا اس نے کتابیں جمع کیں اور کتب خانے تعمیر کرائے جس سے رعایا میں علم کا ذوق پیدا ہو گیا۔ اس نے رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی دلچسپی لی اور شفاخانے تعمیر کرائے اور ان کا بہترین انتظام کیا۔

Marfat.com

سلطان کا بڑا کارنامہ مصر کے فاطمی حکمرانوں کے اقتدار کا خاتمہ تھا اللہ نے یہ سعادت اس کے لئے لکھ دی تھی فاطمی حکمران مسلمان ریاست سے روابط بڑھانے کی بجائے مرکز گریز رجحانات کی بنا پر دشمنوں سے زیادہ رابطہ رکھتے تھے اور کئی موقعوں پر فاطمی حکمرانوں نے صلیبیوں کی مدد کی تھی تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جاسکے۔

سلطان ایک فیاض اور سخی انسان تھا اور ان سب اوصاف کے ساتھ وہ پابند شریعت تھا اور خود اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں اپنی سعادت سمجھتا تھا اور دینی احکام کی پابندی میں فخر محسوس کرتا تھا۔

غرض سلطان ذاتی اخلاق و کردار، شریعت کی پابندی اور جہاد و حکومت انتظام و انصرام مملکت پر کام میں ایک مثالی انسان تھا اور اس کے کردار کے اثرات اسی دور کے معاشرے پر بھی پڑے اور آج تک مسلمانوں کے اجتماعی شعور اور حافظے پر موجود ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

حکمران جب اپنی جان کی
حفاظت کو ترجیح دینے
لگیں تو وہ ملک و قوم کی آبرو
کی حفاظت کے قابل
نہیں رہتے

فاتح بیت المقدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

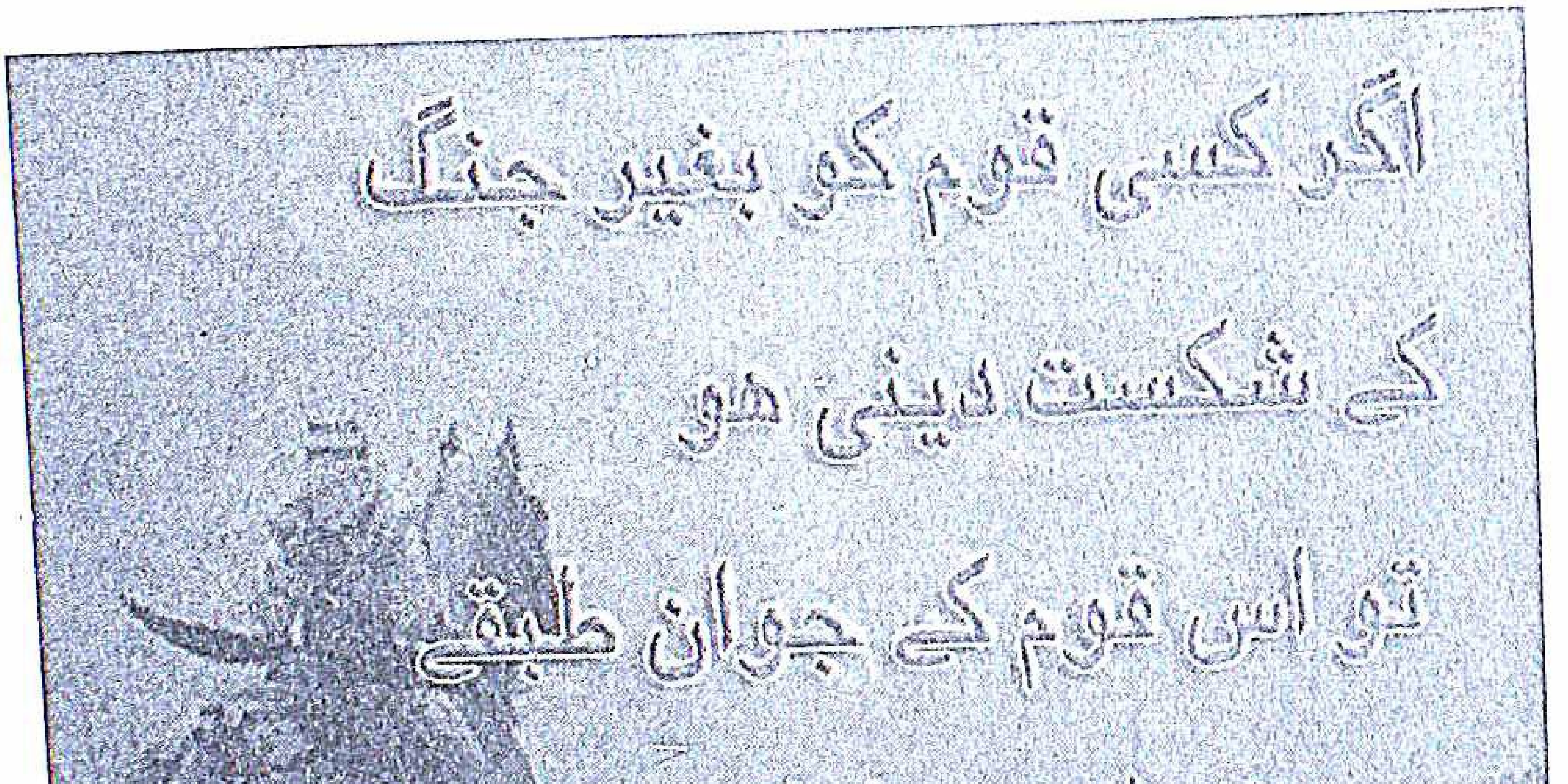

Marfat.com

7

حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابوالعباس احمد

المعروف بہ

امام ابن تیمیہ

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 661ھ/1263ء

وفات: 728ھ/1328ء

Marfat.com

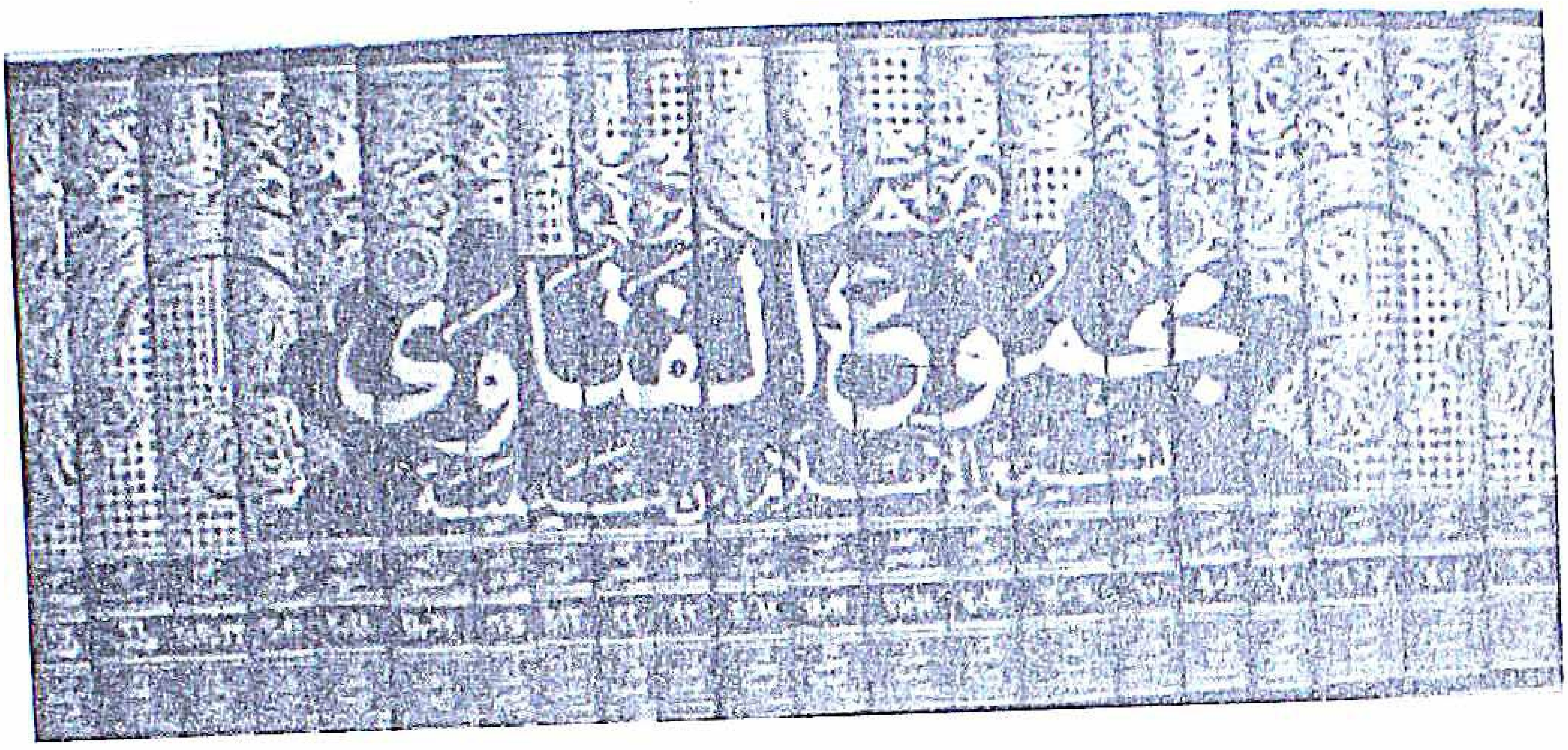

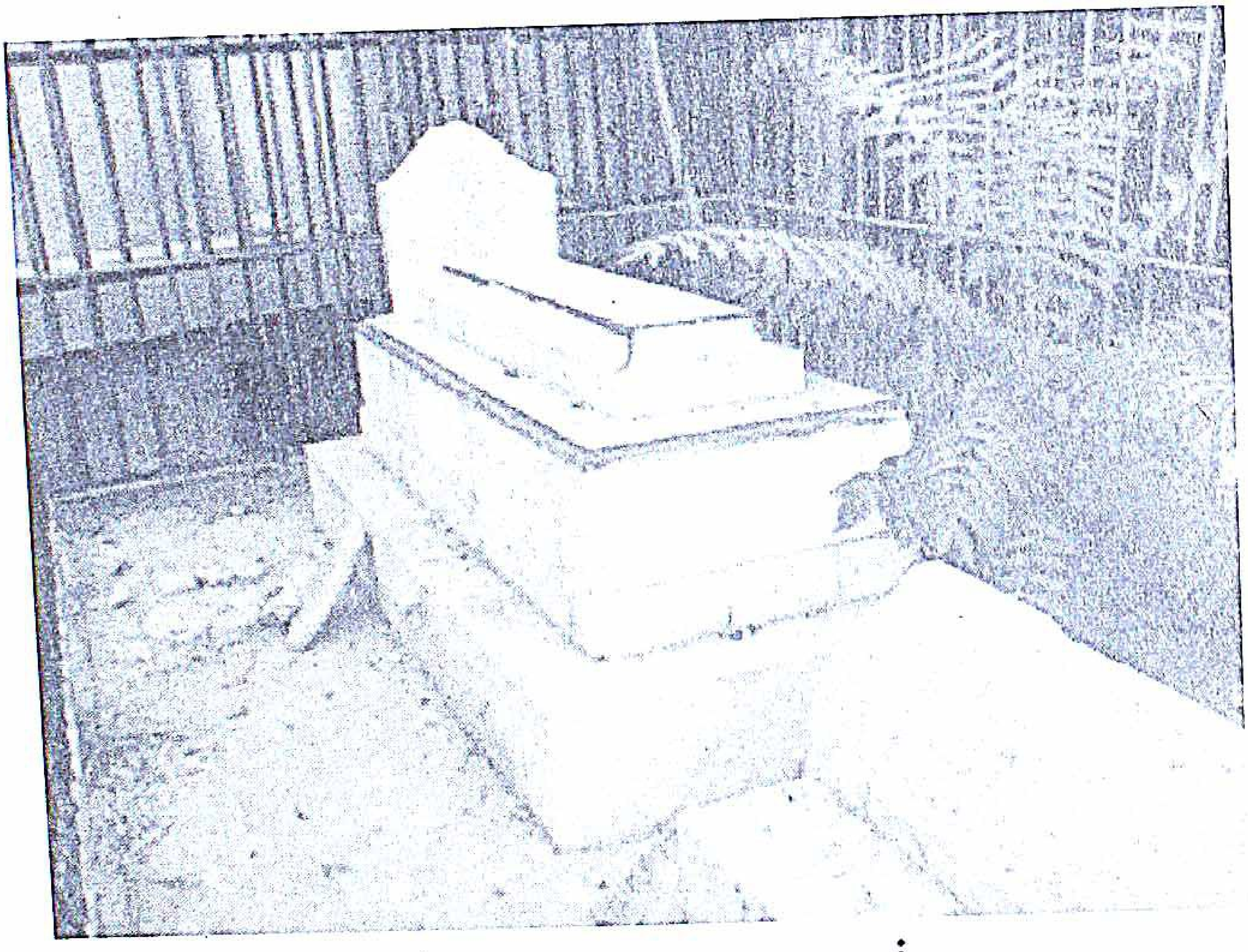

مدفن: حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، دمشق

Marfat.com

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے 650 سال بعد حالات یکسر بدل چکے تھے۔ اسلام کی تعلیمات اور مسلمان اس عرصے کے دوران کئی نشیب و فراز سے گزر کر ایک گہرے نشیب اور زوال سے دوچار تھے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت (1263ء میں) ہوئی ہے۔

سیاسی حالات

خلافت راشدہ 11ھ تا 40ھ (632ء تا 661ء) دور بنو اُمیہ 40ھ تا 132ھ (661ء تا 750ء) کے بعد دور بنو عباس کا آغاز ہوا۔ بنو اُمیہ عرب تھے اور بنی اسماعیل ہی کی شاخ تھے جبکہ بنو عباس بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کی اولاد میں سے تھے اور بنی اسماعیل میں سے ہی تھے۔

دور بنو عباس 525 سال کے طویل عرصے پر محیط ایک عظیم وسیع اور بے مثال حکومت کا نام ہے۔ ان 525 سالوں میں پہلے 115 سال بنو عباس کا دور عروج اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم اور ملّت تمام عالم پر فضیلت اور فوقیت کا دور ہے۔ اس دور میں اگرچہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور حقیقی اسلام کی تعلیمات ماند پڑ گئیں اور اسلامی انقلاب کی تصدیر (EXPORT) کی صلاحیّت مفقود ہوگئی تاہم بے جان مذہبیت اور فرقہ پرستی کے جلو میں غیر اسلامی نظریات کی یلغار کی وجہ سے اب میدان جنگ سرحدوں پر نہیں بلکہ مدارس، تعلیم گاہوں اور شاہی درباروں میں سجنے لگے اور دشمنوں کے خلاف 'جہاد' کی جگہ آپس میں 'جہاد' اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں تلوار، توپ و تفنگ اور منجنیقوں کے بجائے، منطقی بحثیں، کلامی موشگافیاں، فتوے اور مسلمانوں کی باہمی تقسیم در تقسیم کے عمل کا 'مصالحہ' استعمال ہونے لگا۔

اس دور میں سرکاری سطح پر سارا زور امن و امان کے قیام اور داخلی استحکام پر رہا اور

Marfat.com

حکمرانوں کی عیّاشیوں کے لئے واحد راستہ DIVIDE AND RULE کا نظریہ رہا اور مذہبی منافرتوں نے حکمرانوں کی عیاشیوں کے باوجود ان کے دور کو طول دینے میں مدد دی۔

تاہم اسی دور میں مجموعی طور مسلم کلچر، رہن سہن کے طریقے، ایجادات اور ضروریات زندگی کی فراہمی میں بے مثال ترقی ہوئی اور معاشی طور پر صرف خواص ہی نہیں عوام بھی خوشحال ہو گئے۔ اگلے دوسو سال باہمی خلفشار اور پھر مزید 225 سال دشمنوں کی ریشہ دوانیاں اور مرکز گریز عناصر کا طاقت حاصل کر کے علیحدگی کے رجحانات میں شدت کا دور ہے۔ اس دور میں سارا یورپ متّحد ہو کر آیا، 1090ء کے لگ بھگ مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مفتوحہ بیت المقدس چھین لیا اور عرب اس کا دفاع نہ کر سکے اور یہ صلیبی غلبہ تقریباً ایک صدی جاری رہا اور بجا طور پر اسے صلیبی جنگوں کا نام دیا گیا تھا کہ اس میں پورا عالم عیسائیت عالم اسلام کے خلاف صف آرا ہو گیا تھا اور قسطنطنیہ اس کا مرکز تھا۔ بنو عباس کے زوال کے باعث بیت المقدس کی واپسی عربوں سے ممکن نہیں ہو سکی بلکہ یہ سعادت علاقائی حکمرانوں میں دمشق میں مسلمان حکمران خاندان کے سپوت نور الدین زنگی اور اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے حصّے میں آئی کہ 1192ء میں بیت المقدس صلیبی چنگل اور اقتدار سے چھین کر پھر عالم اسلام میں شامل کر دیا۔

اس پر بس نہیں بنو عباس کے حکمرانوں کی دین سے دوری، عیش پرستی اور الف لیلوی داستانیں تاریخ کا حصّہ ہیں اور بغداد کے شہزادے پوری دنیا میں عیّاشی کی علامت (SYMBOL) بن گئے تھے اور بعد کی کئی صدیوں تک ذہنوں پر چھائے رہے۔

ان حالات میں ہلاکو خان اور چنگیز خان کی فوجوں نے بنو عباس کی حکومت کا سارا شمالی علاقہ تاخت و تاراج کر دیا اور بالآخر سلطنت سمٹ کر بغداد میں رہ گئی۔ تو 1258ء میں حملہ کر کے آخری عباسی خلیفہ کو دردناک انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور یوں پانچ صدیوں پر محیط بنو عباس کے اقتدار کا سورج غروب ہو گیا۔ اس سقوطِ بغداد کے واقعہ کے بعد کئی سال تک عالم اسلام پر خاموشی اور ہیبت چھائی رہی اور سر اٹھانے اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت و ہمّت مفقود ہو گئی۔

اس پس منظر میں 1263ء میں حران کے مقام پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش اور

Marfat.com

اس خارجی ماحول میں ان کی پرورش اور تعلیم ہوئی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی زبوں حالی، ایمان کی کمزوریوں اور ایمانی کیفیات کا بے جان ہوجانا، دین سے اعراض، دنیا پرستی، دشمنوں کا خوف اور نفسا نفسی کا ماحول ہے جس کا اثر امام موصوف کی طبیعت پر ہوا اور اس سے ان جیسی سعید روح نے اسلام کی عظمت کے لئے کام کرنے کی ٹھانی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمت دی اور وسائل بھی اور اعوان وانصار بھی ایسے میسّر آ گئے کہ وہ ساری زندگی مسلمانوں کی بیداری اور قرآن وسنّت کی طرف رجوع کے لئے کوشاں رہے۔

کوئی شخص ان کی آراء اور فتاویٰ سے اختلاف تو کرسکتا ہے یہ اس کا حق ہے تاہم ان کی بے لوث خدمات، حق کی حمایت، باطل کے خلاف تیغ بے نیام ہونے کے جو تمغے ان کے کردار کا حصّہ ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام دشمن ابلیسی طاقتوں کی سرگرمیاں

اسلام کے قرون اول میں خلافت راشدہ جیسے شاندار آغاز کے بعد چھ صدیوں تک بنی اسماعیل کے ہاتھ سے اسلامی اقتدار اور قیادت چھن جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلام دشمن ابلیسی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ نہ کرنا تاریخ کے ساتھ بڑا ظلم ہوگا۔

مسلمانوں کی نظریاتی پختگی، ایمانی کیفیات اور جذباتی لگاؤ میں وقت کے ساتھ ساتھ کمی آجانا معمول کی بات ہے اور عین فطرت انسانی ہے اور اس قانون خداوندی اور آفاقی سچ کا ''ذوی العقول'' میں سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ تاہم ـــــــ اگر کوئی نادیدہ قوت اور ابلیسی گروہ کسی حق پرست گروہ کے درپے ہوجائے اور اس کو گزند پہنچانے اور راہ حق سے ہٹانے (DERAIL کرنے) کو اپنا مشن بنالے اور سارے جائز ناجائز وسائل اور طریقے استعمال کردے اور اس کے نتیجے میں حق پرستی کا پرچم سرنگوں ہوجائے تو اپنوں کی کوتاہیوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ غیروں کا ماتم کرنے اور ان کی بے اصولیوں، وعدہ خلافیوں اور مارِ آستیں بن کر کاٹنے کے عمل کا تذکرہ کرنے کو جی ضرور چاہتا ہے۔

عالمی ابلیسی قوت جس کا سب سے بڑا مظہر اور علمبردار گروہ مجموعی طور پر بنی اسرائیل

Marfat.com

ہے اور اس میں سے بھی یہود اور عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) گروہ ہے۔

ملک یمن کے عیسائی حکمران ابرہہ کے مکہ پر حملہ کر کے حضرت محمد ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری (میلاد النبی ﷺ) کو سبوتاژ (SABOTAGE) کرنے کی کوشش سے لے کر میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزیاں، بنی نضیر، بنی قینقاع، بنی قریظہ کی سازشیں، خیبر سے اخراج، دومتہ الجندل میں سرکوبی، انہیں کے اٹھائے ہوئے فتنے دجّالوں (جو مدّعی نبوت بھی تھے) کا خاتمہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت محمد ﷺ کی وصیت کے عین مطابق کہ ﴿اَخرِجُوا الیَهُودَ وَ النَّصارٰی مِنْ جَزِیرَةِ العَرَب﴾ (یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو) پر عمل درآمد، نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں ان کا بلوائیوں کے خلاف طاقت استعمال نہ کرنے کا عزم جس سے ان ابلیسی طاقتوں کے اسلام کے خاتمے کے فوری منصوبے خاک میں مل گئے۔ (یاد رہے کہ سیاسی اعتبار سے جو ابلیسی تحریک دشمنان اسلام نے جوان کی تھی اور اس کے اثرات مدینے تک آ گئے تھے اگر اس کے خلاف طاقت استعمال کی جاتی جو کہ ان کے VISION کے مطابق لازمی ہونا تھا اور یوں آناً فاناً جلدی اسلام کی تعلیمات، صحابہ کرام اور قرآن مجید کو ختم کر دیا جاتا، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مومنانہ فراست، بصیرتِ باطنی تھی کہ انہوں نے طاقت استعمال نہ کر کے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے اور وہ ابلیسی منصوبہ جو چند مہینوں کا تھا اس سقوطِ بغداد کی شکل میں چھ صدیوں بعد عملی شکل میں سامنے آ سکا۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے درپردہ ابلیسی طاقتوں نے مسلمانوں کو باہم لڑا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر سقوطِ بغداد تک ہزاروں عنوانوں سے اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کو ممکن بنایا۔

اس دور میں شمالی افریقہ کے علاقے میں اس گروہ نے مسلمانوں میں سے ہی بعض ایسی قوتوں کو کھڑا کیا اور ان کی مدد کر کے مرکز سے لڑا دیا اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ فاطمی خاندان 909ء۔ 1171ء شمالی افریقہ (بشمول مصر) پر چھایا رہا اور اس کی سرگرمیاں حقیقی اسلامی تعلیمات کے اس قدر خلاف تھیں کہ انہوں نے ایک وقت میں مکہ پر حملہ کیا، بیتُ اللہ کو آگ لگا دی، حج کئی سال موقوف رہا اور حجر اسود اکھاڑ کر ساتھ لے گئے اور ایک عرصہ تک فاطمی حکمرانوں کے لئے تخت کے ساتھ پائیدان کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

Marfat.com

اس سیاسی اور جغرافیائی پس منظر میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی۔ 1258ء میں سقوطِ بغداد اور ہلاکو خان اور چنگیز خان (تا تاریوں) کی دہشت کی وجہ سے مسلمان پست ہمتی کا شکار تھے اور دشمن کی مرعوبیّت کے ساتھ ذہنی پس ماندگی بھی عام تھی۔ گزشتہ دو تین صدیوں میں یونانی فلاسفہ کی کتابوں کی بھرمار کی وجہ سے امت کا ذہین طبقہ اس طرف کھچا چلا جا رہا تھا اور اس کے زیرِ اثر عوام میں مایوسی اور دین سے دوری کے ساتھ بدعملی نے بھی قدم جما لئے تھے۔ النصر فارابی (870ء۔ 990ء) ابن سینا (970ء۔ 1037)، عمر خیام (1039ء۔ 1131ء)، ابن رشد (1126ء۔ 1198ء) مسلمانوں میں سے اٹھ کر عجمی فلسفوں کا پرچار کر رہے تھے۔ اور وحی، جنّت، دوزخ، آخرت، فرشتے، سب چیزیں عقل کی یونانی ترازو میں تول کر ردّ کرنے کا رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔

ان عجمی فلسفوں اور نظریات کے فروغ پذیر ہونے پر فطری طور پر مسلمان زعماء اور وارثانِ علوم نبوت میں جو ردِ عمل سامنے آیا وہ دو قسم کا تھا: پہلا طبقہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جو عجمی (یونانی، ایرانی، ہندی وغیرہ) نظریات کا دفاع دلیل کے ساتھ کرنے کو ترجیح دے رہا تھا اور دورِ بنو عباس کے آغاز میں دوسری صدی ہجری (750ء) کے بعد ابھی اسلامی جذبات اور ایمانی کیفیات، بعد کے ادوار کے مقابلے میں بہت بہتر تھے اور اسلامی جذبات اور امت مسلمہ کی اجتماعی یادداشت میں ابھی دورِ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کے ادوار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسحور کن شخصیات کا سحر تازہ تھا۔ لہٰذا ایمان اور مابعد الطبیعیاتی حقائق کو موضوع بحث بنانے اور ان پر یقین رکھتے ہوئے عقل وفطرت کے دلائل سے یونانی فلاسفہ کے نظریات کا دفاع کرنے کے عمل کا آغاز ہوا۔

یہ سوچ، انداز کلام اور بات سمجھانے اور ابلاغ کا انداز چونکہ ماضی کے مقابلے میں مختلف تھا لہٰذا شروع شروع میں اس میں بڑا جوش و جذبہ، ولولہ، ایمانی کیفیات اور یقین و اذعان نمایاں تھا۔ صاف ظاہر ہے دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فریق مخالف کی بات کا جواب وحی آسمانی سے آتا تھا اور آتا تھا۔ لہٰذا اس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی سوال پر

Marfat.com

"اللّٰہ و رسولہ اعلم" کا مختصر اور مسکت جواب دیتے تھے۔ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی بات میں اختلاف پر قرآن مجید کے ساتھ فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ کافی سمجھا جاتا تھا کہ اس میں ہر مسئلے کا حل اور ہر سوال کا شافی و کافی جواب مضمر ہے۔

تاہم دورِ صحابہ کے بعد اب بات یقیناً قرآن و سنّت (یا قرآن و حدیث) سے استدلال کی تھی اور اس میں مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور اختلافات میں بھی 'رائے' اور 'اجتہاد' کا دخل ہو گیا تھا اور 'اجتہاد' کا یہ راستہ اسلام کے پھیلاؤ، بین الاقوامیت اور توسیع کے لئے ہمیشہ مثبت ہتھیار سمجھا گیا ہے۔

اس طرز بحث سے آہستہ آہستہ ایک پورا دبستان وجود میں آ گیا جو عقل و فکر، حالات حاضرہ، ماحول کے مطابق قرآن و حدیث کے احکامات کی وضاحت کرتے تھے اور بالخصوص یونانی فلاسفہ کی موشگافیوں کا مسکت جواب دیتے تھے۔ یہ حضرات متکلّمین کہلائے اور اس علم اور فن کا نام "علم کلام" رکھ گیا۔

تاہم اس علم کلام کی خوبیوں کے ساتھ جو خلا اور خامی تھی وہ یہ تھی ـــــ کہ اسلام کا دفاع کرنے والا کوئی 'متکلّم' اگر کسی درجے میں 'ضعف بشری' کے تحت مخالف عجمی نظریات سے متاثر ہو جائے ـــــ تو ایسا شخص اسلام کا دفاع کرتے کرتے ان نظریات کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کر رہا ہو گا بظاہر یہ صورت بڑی معصوم فطری اور بے ضرر لگتی ہے تاہم ـــــ اسی بشری کمزوری سے دشمن نے فائدہ اٹھا کر ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچایا کہ کوئی ایک شخص بظاہر "اسلام کا محافظ" بن کر اٹھا اسلام کے دفاع کے میدان میں کام شروع کیا، معرکے سرانجام دیے، نام پیدا کیا اور پھر آہستہ آہستہ عجمی نظریات کو پھیلانے اور عام کرنے میں اپنا رول ادا کرنا شروع کر دیا اور اہل اسلام کچھ عرصے کے لئے اس سے دھوکا کھا گئے اگرچہ ایسے حضرات کا کام جلد ہی اہل علم کی نگاہوں میں آ جاتا ـــــ تاہم اُمت کا ایک حصہ ضرور اس گمراہی کی رو میں بہہ جاتا ہے۔

اس طبقہ متکلمین میں بڑے بڑے نام ہیں اور انہوں نے بڑا کام کیا اگرچہ ایک حصہ فطری طور پر ـــــ کالی بھیڑوں پر بھی مشتمل ہے جنہوں نے دفاع کرتے کرتے یونانی اور عجمی نظریات کو عام کر دیا۔

Marfat.com

اس طبقہ متکلمین کی خامیوں اور بعض مسلمان فلسفیوں کے طرزِ عمل اور افکار کے نتیجے میں ردّعمل کے طور پر اور ANTITHESIS کے طور پر ایک بالکل دوسرا نقطہ نظر سامنے آ گیا اور وہ نقطہ نظر یوں تھا کہ اسلام کی تعلیمات اور ایمانی کیفیات نیز قرآن وحدیث کے دفاع کے لئے ہمیں قرآن کی ظاہری تعلیمات پر کاربند ہونا چاہیے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ اس طبقے کا اصول یہ طے پایا کہ ہمیں اسلام کا دفاع اپنے 'عقائد اور تصورات' کے حصار میں رہ کر کرنا ہے کوئی مانے یا نہ مانے کسی پر اثر ہو یا نہ ہو، کوئی اسلام قبول کرے یا نہ کرے، ہمیں اپنے عقائد و تصوّرات کے اندر ہی دفاع کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بہت سے تلامذہ اور دیگر معروف اہل علم پہلے طبقہ میں سے تھے۔ جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دوسرے طبقے میں سے تھے بعد کے زمانے میں یہی دو طبقات، دو نقطہ ہائے نظر اور دو مکاتب فکر یا SCHOOL OF THOUGHTS کے طور پر تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

بنوعباس کی حکومت کے آخری دور میں اور سقوط بغداد کے فوراً بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے طبقہ کی نمائندگی کی ہے۔ جبکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے طبقے کی اور ان دو عظیم ہستیوں میں شدید اختلاف، تنازع اور ان کے متبعین میں باہمی رنجش اور دوریوں کا سبب بنیادی طرز استدلال کا فرق ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اپنے ماحول میں مسلمانوں کے جذبات کو جِلا بخشی۔ عام حوصلے جو پست ہو چکے تھے ان کو مضبوط کرنے کا کام کیا اور امت مسلمہ کے ایک بڑے حصے کو سقوطِ بغداد کے بعد شدید کھچاؤ اور پس ماندگی (TENSION AND DEPRESSION) سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ جزاه الله عنا احسن الجزاء۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی وفات پر ان کا جنازہ ــــــ لوگوں کی دلوں کی دھڑکنوں کا امڈا ہوا سیلاب تھا جو شمار سے باہر تھا۔

درحقیقت آپ کے کارناموں میں ایک شعبہ تعلیم کے سلسلہ کو فروغ دینا تھا۔ چنانچہ آپ کے ہزاروں شاگرد اور ہم خیال پیدا ہو گئے اور علمی میدان میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری

Marfat.com

ہوا جس کے ذریعے ردّ بدعات ورسومات، بے عملی کے خلاف جہاد اور اپنے مخصوص انداز میں ایمانی کیفیات کا دفاع شامل تھا۔ مناظرہ اور چیلنج کے میدان میں فلاسفہ کے ساتھ پنجہ آزمائی رہی اور ان کے فلسفہ کے ردّ کے لئے ساری زندگی سرگرم عمل رہے اور چھوٹی بڑی کئی تصانیف میں فلاسفہ کی بے بنیاد باتوں کا ردّ کر دیا "الردّ علی المنطقیین" اس دور کے پس منظر میں حرف آخر ہے۔

آپ صاحب قلم بھی تھے، صاحب سیف بھی، لہٰذا جہاد کے میدان میں بھی صف اوّل پر رہ کر کام کیا ہے اور شہادۃ علی الناس کے فریضے کا، جو ہر با صلاحیت مسلمان (عوام وخاص) پر 'فرض' ہے، حق ادا کر دیا۔

ذاتی حالات وکوائف

نام احمد، لقب تقی الدین، کنیت ابو العباس۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: تقی الدین ابو العباس احمد بن شیخ شہاب الدین بن ابو البرکات عبد السلام الحنبلی الحرانی۔

ولادت: آپ ملک شام کے شہر حران میں ربیع الاول 661ھ/جنوری 1263ء کو پیدا ہوئے۔

وفات: ذیقعدہ 728ھ/ستمبر 1328ء۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد "تیمیہ" کی طرف منسوب تھے جس کی ایک وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ آپ کی دُور کی ایک دادی کا نام تیمیہ تھا، یہ اتنی بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھی کہ سارا خاندان اس کی طرف منسوب ہو گیا۔

چھ سال کی عمر میں والدین کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے، یہاں آ کر معروف علمی درسگاہ دار الحدیث السکریہ اور دیگر درس گاہوں کے اساتذہ سے صرف ونحو، منطق، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ مختلف علوم حاصل کیے۔ ابھی عنفوانِ شباب کے مراحل میں تھے کہ آپ کی ذہانت و قابلیت کے چرچے ہونے لگے، نوعمری میں ہی علومِ قرآنیہ، حدیث، فقہ اور مناظرہ میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ مذاکرات ومناظرات کی مجالس میں جب آپ علمی قابلیت کے جوہر دکھاتے تو بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سترہ سال کی عمر میں افتاء وتصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، بائیس سال کی عمر میں حکومت نے انہیں دمشق کے عظیم مدرسہ دار الحدیث السکریہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کر دیا۔ امام ابن تیمیہ نے جب مدرسہ میں پہلا درس دیا تو آپ کی علم وفضل کی شہرت کی بناء پر علماء اور قاضی حضرات کی خاصی تعداد اس میں شامل ہوئی۔

Marfat.com

امام صاحب نے اس درس میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے اتنے معارف ونکات بیان کیے کہ سامعین حیران رہ گئے۔ ان کی عمر ابھی تیس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

امامِ موصوف بہت مسائل میں فقہاء سے اختلاف بھی رکھتے تھے۔ ان کی تدریس کا انداز کچھ ایسا ہوتا تھا کہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اقوال بیان کرتے ہوئے جو قول حق کے مطابق سمجھتے اس کی دوٹوک حمایت کرتے اور کسی لومۃ لائم کا خوف نہ رکھتے، تقریر وتحریر اور خطبات وفتاویٰ میں بھی آپ کا یہی انداز تھا۔ چنانچہ 698ھ میں آپ نے ایک استفتاء کے جواب میں ''عقیدہ حمویہ'' کے نام سے ایک تحریر لکھی جس میں متکلمین کے مذہب پر بھرپور تنقیدانہ جائزہ پیش کیا اور چونکہ بہت سے قاضی اور علماء متکلمین کے ہم خیال بھی تھے اس لئے عناد ومخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گیا۔ نیز امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مشرکانہ رسومات اور بدعات کے خلاف بھی بھرپور جہاد کیا۔ رجب اور شعبان کی بدعتوں پر تفصیلی کتابیں لکھی اور بعض بدعات کا خاتمہ کیا۔ لوگوں کو جاہل واعظوں، اَن پڑھ مولویوں اور خود ساختہ پیروں کے چکر سے نکال کر کتاب وسنت کی پیروی کا درس دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک طبقہ آپ کا دشمن ہو گیا جس وجہ سے متعدد بار پابند سلاسل ہوئے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ 1326ء میں دمشق کے قلعے میں نظر بند کر دیے گئے۔ یہاں وہ اپنے بدنام کنندگان کے خلاف رسائل اور ان تمام مسائل پر مستقل کتب لکھنے میں مشغول ہو گئے جن کی وجہ سے وہ قید ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کے دشمنوں کو ان کی ان تصانیف کا علم ہوا تو انہیں ان کی کتابوں، کاغذ اور روشنائی سے محروم کر دیا گیا۔ اس سے انہیں زبردست دھکا لگا۔ انہوں نے نماز اور تلاوتِ قرآن سے تسکین خاطر چاہی۔ انہی قید وبند کی صعوبتوں میں ذوالقعدہ 728ھ ستمبر 1328ء کو اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کا رخ کر گئے۔ ان کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھا اور اندازہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ میں دو لاکھ مرد اور پندرہ ہزار عورتیں شریک تھیں۔ قبرستان صوفیہ میں ان کو دفن کیا گیا جہاں باقی قبریں مٹ چکی ہیں اور ان پر جامعہ سوریہ کی عمارات تعمیر کر دی گئی ہیں صرف امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر محفوظ ہے۔

Marfat.com

مصادر ومراجع

- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا مؤلفہ سیّد قاسم محمود
- اُردو معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ مؤلفہ ثروت صولت
- عظیم شخصیات کے آخری لمحات۔ مؤلفہ خواجہ طاہر محمود کوریجہ
- تاریخ المشاہیر۔ مؤلفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، مؤلفہ مولانا عبدالسلام ندوی
- حضرت عمر بن عبدالعزیز مؤلفہ پروفیسر سیّد محمد ابوالخیر کشفی
- تاریخ اسلام، مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی
- تاریخ الخلفاء، مؤلفہ جلال الدین السیوطی
- عبرت نامۂ اندلس، مؤلفہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی
- اِعلائے کلمۃ الحق کی روایت، اسلام میں، مؤلفہ میاں محمد افضل
- امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حالات، کمالات، ملفوظات، مؤلفہ علامہ جلال الدین السیوطی
- سیرتِ نعمان امامِ ابوحنیفہ کی سوانح حیات، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی
- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی مؤلفہ مناظر احسن گیلانی
- ترجمہ حیات امام ابوحنیفہ۔ مؤلفہ مولانا غلام احمد حریری
- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، مؤلفہ پروفیسر کمال عثمانی
- امام احمد بن حنبل مؤلفہ ملک نصر اللہ خان عزیز
- 100 عظیم سائنس دان (۹۰) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، مؤلفہ رفیق انجم، ابراہیم عمادی
- افکارِ غزالی مؤلفہ مولانا محمد حنیف ندوی
- الغزالی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی
- ارشادات شیخ عبدالقادر جیلانی مؤلفہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی
- غنیۃ الطالبین مؤلفہ شیخ عبدالقادر جیلانی
- حیات صلاح الدین ایوبی، مؤلفہ سراج دین احمد
- سلطان صلاح الدین ایوبی مؤلفہ مقصود ایاز
- امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، مؤلفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق
- NATION MASTER ENCYCLOPEDIA : WEB

Marfat.com

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

قٰتِلُوهُمْ

حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

ان لوگوں سے لڑتے رہو

یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے

اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے

(سورۃ الانفال، آیت 39)

Marfat.com

فرمودۂ اقبال

طارق کی دعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں!
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں!
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اُس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں!
دلِ مردِ مؤمن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ 'لاتذر' میں!
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلمان کو تلوار کر دے

Marfat.com

حصّہ دوم

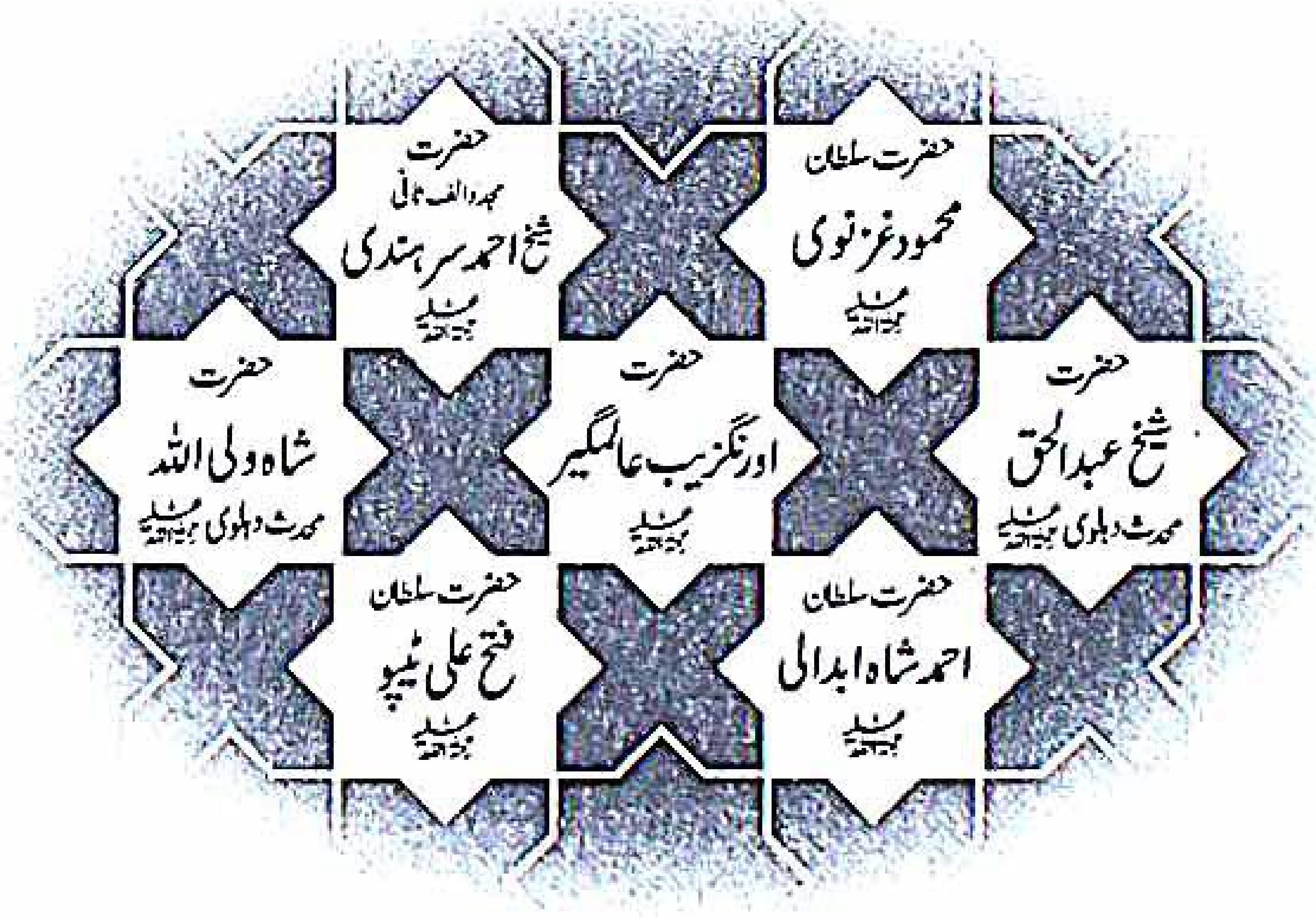

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشمولات

1	مقدمہ	7
2	حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ	9
3	حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	19
4	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	39
5	حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ	49
6	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	59
7	حضرت احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ	71
8	حضرت سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ	87

Marfat.com

دورِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سے قیامِ پاکستان تک کی 21 اسلامی انقلابی شخصیات کے اسمائے گرامی

رحمۃ اللہ علیہم

1 حضرت عمر بن عبدالعزیز
2 امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت
3 امام احمد بن حنبل
4 امام غزالی محمد بن محمد
5 شیخ عبدالقادر جیلانی
6 سلطان صلاح الدین ایوبی
7 امام ابن تیمیہ تقی الدین
8 سلطان محمود غزنوی ناصر الدین
9 حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
10 حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی
11 حضرت اورنگزیب عالمگیر محی الدین
12 حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی
13 حضرت احمد شاہ ابدالی
14 سلطان فتح علی ٹیپو شہید
15 حضرت شاہ اسماعیل شہید
16 حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی
17 حضرت امداد اللہ مہاجر مکی
18 حضرت محمود حسن شیخ الہند
19 حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی
20 حضرت مولانا محمد علی جوہر
21 حضرت علّامہ محمد اقبال

Marfat.com

مُقدّمہ

الحمدللہ کہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں چند سال قبل منعقد ہونے والے سیمیناروں میں عظیم اسلامی انقلابی شخصیّات پر سامنے آنے والے قیمتی خیالات کی اشاعت کا منصوبہ آگے بڑھ رہا ہے۔ 21 شخصیّات کے اس سنہرے سلسلہ کے حصّہ اوّل کی اشاعت ہو چکی ہے اور دوسرا حصّہ بھی پریس کے لیے بالکل تیار ہے۔ ہمارے اندازوں میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حصّہ دوم کی طباعت کا مرحلہ اتنی جلدی سامنے آ جائے گا۔ حصّہ سوم کی تیاری کا کام بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق شامل حال رہی تو ان شاء اللہ جلد ہی حصّہ سوم بھی قارئین تک پہنچ جائے گا۔

21 اسلامی انقلابی شخصیّات کے حالات پر حصّہ اوّل، حصّہ دوم اور حصّہ سوم کی طباعت کے بعد اس علمی ذخیرہ کو یکجا چھاپنے کا بھی ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس کے لیے اسباب جمع فرمادے آمین، اور اس کاوش کو اس میں تمام اصاغر و اکابر سب کے لیے توشۂ آخرت بنادے آمین۔

18 جنوری 2013ء
5 ربیع الاوّل 1443ھ

انجینئر مختار فاروقی
قرآن اکیڈمی جھنگ

Marfat.com

اسلامی تاریخ کی اہم شخصیات

دسویں تا اٹھارھویں صدی عیسوی

اہم اسلامی شخصیات / عیسوی صدیاں	10 901-1000AD 288-391AH	11 1001-1100AD 391-494AH	12 1101-1200AD 494-597AH	13 1201-1300AD 597-700AH	14 1301-1400AD 700-803AH	15 1401-1500AD 803-906AH	16 1501-1600AD 906-1009AH	17 1601-1700AD 1009-1112AH	18 1701-1800AD 1112-1215AH
حکمران		دور بنو عباس	صلاح الدین ایوبی شہاب الدین غوری	1258 1250 1226			خلافت عثمانیہ مغلیہ خاندان		حیدر علی
علماء	ابن سینا	امام غزالی عمر خیام	امام نووی ابن رشد	ابن تیمیہ ابن قیم الجوزی	ابن کثیر ابن خلدون ابن حجر عسقلانی	جلال الدین السیوطی	ملا علی قاری	شاہ عبدالرحیم ملا جیون	
صوفیاء	بایزید بسطامی	علی ہجویری عبدالقادر جیلانی	بختیار کاکی معین الدین اجمیری	بہاؤالدین زکریا معین الدین چشتی مولانا روم شمس تبریزی			خواجہ باقی باللہ		
شخصیات حصّہ دوم	محمود غزنوی						مجدد الف ثانی شیخ عبدالحق	اورنگ زیب شاہ ولی اللہ	احمد شاہ ابدالی فتح علی ٹیپو

Marfat.com

8

ناصر الملک سلطان

حضرت

محمود غزنوی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت : 361ھ/971ء غزنی (افغانستان)

- 994ء میں صوبہ خراسان کے گورنر بنے
- 998ء میں غزنی کے حکمران بن گئے
- 1025ء میں سومنات کو فتح کیا

وفات : 421ھ/1030ء غزنی (افغانستان)

Marfat.com

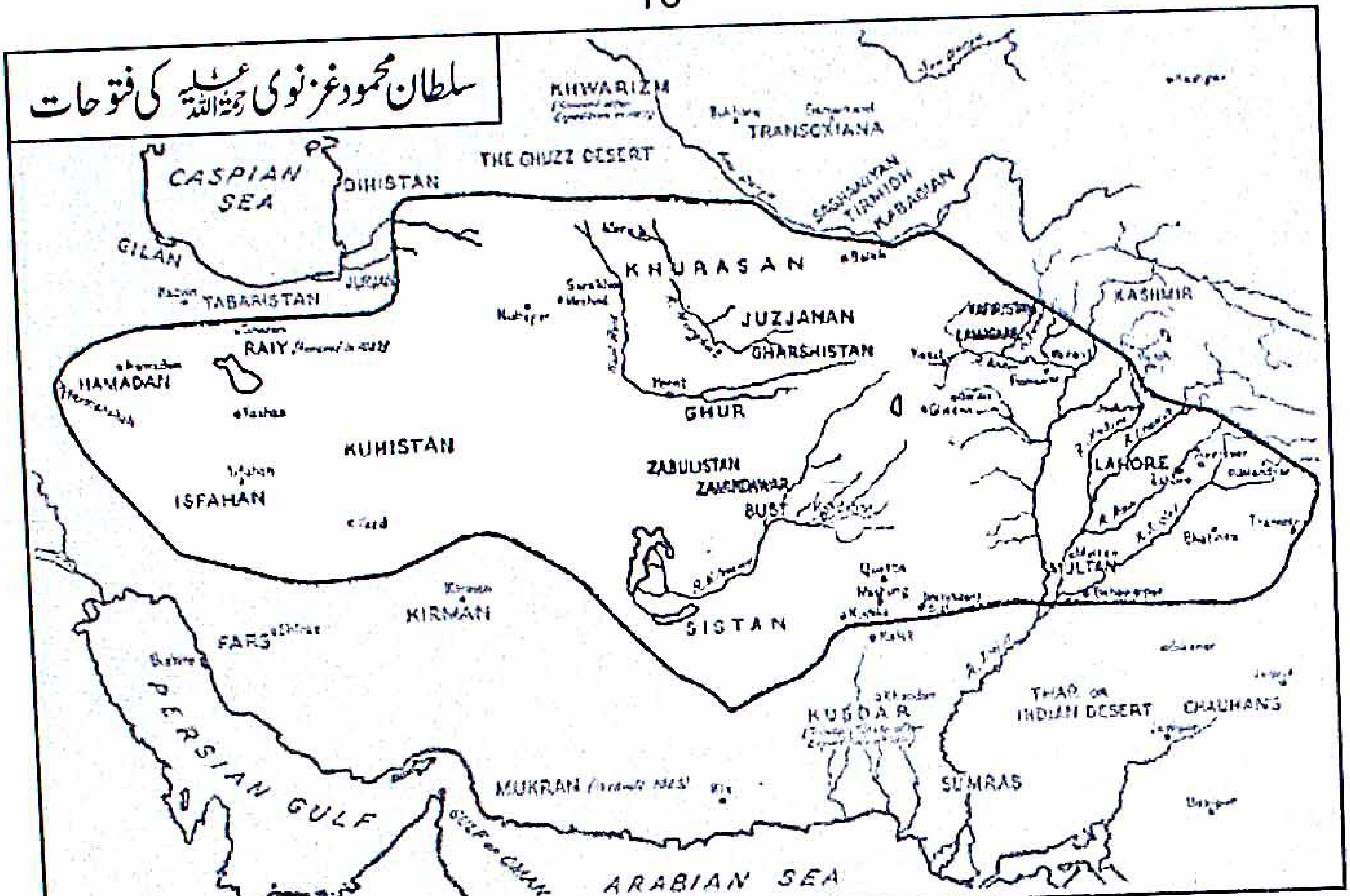

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات

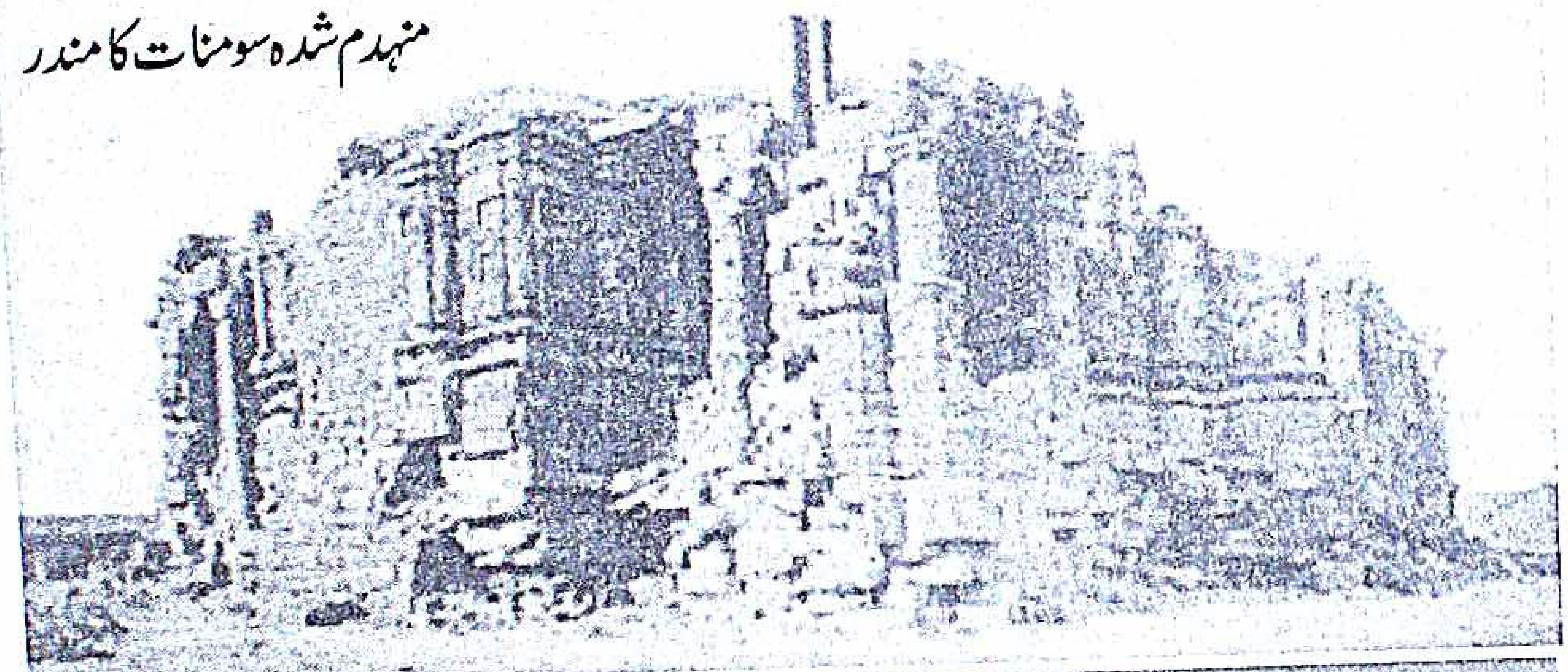
منہدم شدہ سومنات کا مندر

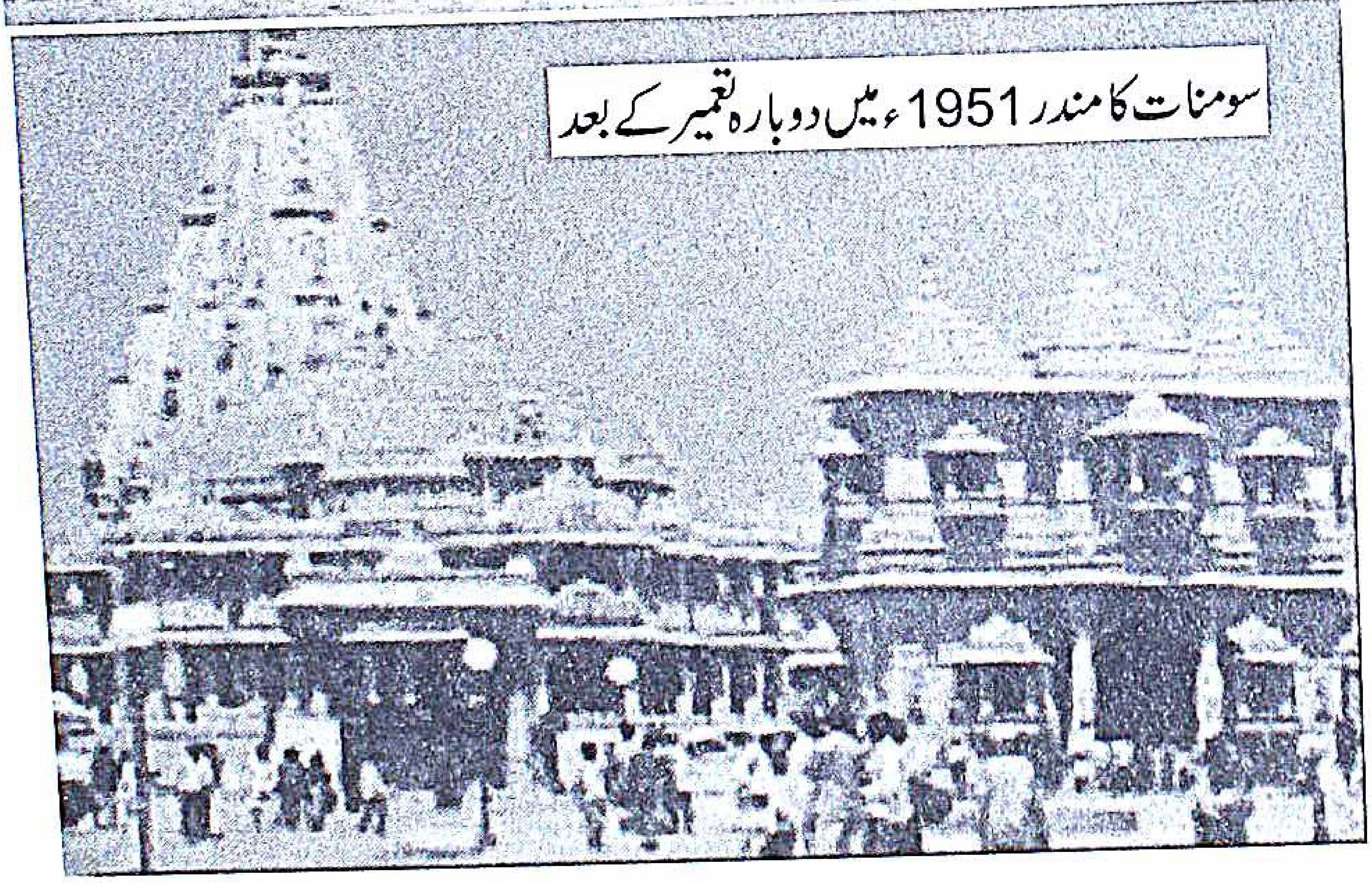
سومنات کا مندر 1951ء میں دوبارہ تعمیر کے بعد

Marfat.com

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ 971ء میں غزنی افغانستان میں پیدا ہوئے اور ایک بھرپور مجاہدانہ زندگی گزاری، ایک بہت بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی اور 1030ء میں غزنی میں وفات پائی۔

تاریخ اسلام کی 21 نامور اسلامی انقلابی شخصیّات میں سے سات شخصیّات کے تذکرے کے بعد اب جنوبی ایشیا میں اسلام کے وُرود اور استحکام کی طرف رُخ کرتے ہوئے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ناگزیر ہے۔

جنوبی ایشیا پاک و ہند کے ساحلی علاقوں اور مشرق بعید انڈونیشیا وغیرہ میں اسلام عرب تاجروں کے تجارتی اسفار اور تجارتی روابط کی وجہ سے خلافت راشدہ کے دور ہی میں متعارف ہو گیا تھا اور نورِ ہدایت کی کرنیں لوگوں کے دلوں کو منوّر کرنے لگی تھیں۔ انڈونیشیا کے لوگوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا اور تجارتی قافلوں کی آمدورفت سے مرکز اسلام سے ان کا مسلسل رابطہ بھی گہرا اور مضبوط تھا۔

برعظیم پاک و ہند کے وسیع تمدّنی علاقوں میں اسلام کا وُرودِ مسعود حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوا ہے۔ یہ 93ھ اور 711ء کا واقعہ ہے۔ اس دور تک اسلام کی تبلیغ و توسیع اور نہی عن المنکر کا مثبت جذبہ سرد پڑ چکا تھا اور بنو اُمیہ کے لئے حکومت کا استحکام ہی سب سے اہم مسئلہ رہا۔ اعلیٰ حکومتی ایوانوں میں اسلام کی برکات ـــــــ ظلم و جبر اور ناانصافی کے ساتھ جاگیرداری کے جڑ پکڑنے کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھیں۔ پاک و ہند میں اسلام کی یہ آمد قرآن مجید کے حکم کے مطابق توسیعِ اسلام کے مثبت جذبے سے نہیں بلکہ ایک وقتی اشتعال انگیز واقعہ کے سبب ہوئی تھی۔ اگرچہ شرک میں ڈوبے اس علاقے میں اسلام کی ہدایت اور برکات کی ہلکی سی

Marfat.com

پھوار بھی مقامی آبادی کو مسحور کر گئی اور اسلام نے لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیا۔ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ داہر کو شکست دے کر سندھ فتح کیا، منصورہ میں اسلامی حکومت قائم کی جو سندھ کا دارالحکومت بنا پھر پنجاب فتح کیا اور ملتان کو دارالحکومت بنایا اور شمال میں کشمیر تک کا علاقہ اس کے قبضے میں آ گیا گویا موجودہ پاکستان تشکیل پا گیا۔ جس وقتی جذبے سے مسلمان افواج یہاں آئی تھیں وہ جذبہ زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا اور اسلامی حکومت کی مزید تبلیغ و توسیع کی سرگرمیاں رُک گئیں البتہ اس علاقے کے اسلامی قلمرو میں شامل ہونے سے مسلمان مبلغین اور اہل علم کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا جس سے اسلام کی تبلیغ کی انفرادی سطح پر کوششیں تیز ہو گئیں۔

برّاعظم ایشیا میں جنوبی ایشیا کی حقیقتاً ایک منفرد حیثیت ہے۔ شمال مشرق، شمال، شمال مغرب اور مغرب سے عظیم پہاڑی سلسلوں سے گھرا ہوا ہے جنوب مغرب، جنوب اور جنوب مشرق میں بحیرۂ ھند اور خلیج بنگال واقع ہے۔ اس خطّے کی تہذیب، تمدّن اور تاریخ ہی اپنے قریبی علاقوں سے ممیّز و منفرد ہے۔ روس کو علیحدہ کر کے اس حصّے کا رقبہ ایشیا کے 1/4 حصے کے برابر ہے۔ اس حصے کو انگریزی میں SUB-CONTINENT کہتے ہیں جس کا اردو ترجمہ اکثر برصغیر کر دیتے ہیں جبکہ زیادہ مناسب (براعظم کی تصغیر) برعظیم پاک و ہند ہے۔

اس برعظیم پاک و ھند کو جغرافیائی حساب سے 3 حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور ان تینوں حصّوں کی تاریخ اور ثقافت بھی الگ لگ ہے۔ پہلا حصّہ وادیٔ سندھ کا ہے جو موجودہ شمال مشرقی افغانستان، پورا پاکستان، بھارتی حصے کا پنجاب راجپوتانہ اور کشمیر سمیت شمالی علاقہ جات پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصّہ دریائے گنگا کی وادی ہے۔ یہ دریا ہمالیہ سے نکل کر قدرے جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا خلیج بنگال میں جا گرتا ہے۔ موجودہ بھارت (UPPER HALF) دریائے گنگا کی وادی ہے اور یہ شمالی بھارت زیادہ تر میدانوں اور زرخیز زمینوں پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصّہ جنوبی بھارت ہے جو کئی طرح کے پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے زرخیز زعلاقہ کم ہے۔ اور زیادہ تفصیل میں جائیں تو مزید تین حصوں پر مشتمل ہے جو ثقافت تمدن اور نظریات

Marfat.com

میں بھی مختلف ہیں۔

وادیٔ سندھ میں انسانی تاریخ بہت قدیم ہے موہنجوداڑو اور ہڑپہ آج سے تقریباً 5000 سال قبل کے ترقی یافتہ شہر تھے۔ جنوبی بھارت میں اسی کے قریب کی تہذیب پائی جاتی ہے۔ اس حصے میں زیادہ تو میں مغرب سے آکر آباد ہوئی ہیں جو یہاں آکر یہیں کے ہوکر رہ گئیں۔ دراوڑ نسل کے لوگ، آریہ، منگول غرض کئی نسلوں اور مزاج کے لوگ گزشتہ دس ہزار سال میں یہاں آئے اور آباد ہوئے۔ سری لنکا نام کا ملک اس جنوبی ایشیا کا حصہ ہے اور مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال کر وہاں اتارا تھا۔ واللہ اعلم

سندھ اور ہند حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے نام بھی بتائے جاتے ہیں جس سے طوفانِ نوح کے بعد ان کی اولاد کے یہاں آکر آباد ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کا خلیج فارس سے سمندر کے ذریعے جنوبی ہند پہنچنے کو بھی بعید از قیاس قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اگر اوپر درج آرا تسلیم کر لی جائیں تو چونکہ قرآن کہتا ہے ابراہیم علیہ السلام سے قبل دنیا کے ہر خطے میں اور ہر قوم کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں تو صنم خانۂ ہند میں 1800 ق م تک یقیناً پیغمبر آئے ہوں گے اگرچہ ان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی امتحانوں میں کامیابی کے بعد جو انعامات دیے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل کو بطور خاص پروان چڑھائے گا اور آئندہ صرف ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل میں انبیاء اور رسول مبعوث ہوں گے اور وحی و کتاب کے حامل بنیں گے۔ اگر بنی اسرائیل کے ایک قبیلے کا جنوبی ایشیا میں وارد ہونا مان لیا جائے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ان میں نبوت ورسالت کا امکان بھی ردّ نہیں کیا جاسکتا ہے اگرچہ مثبت طور پر چونکہ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا کسی شخصیّت کو نبی یا رسول قرار دینا ممکن نہیں ہے۔

ہندومت، جین مت اور بُدھ مت اس جنوبی ایشیا کے تین قدیم مذاہب ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی یہاں رائج تھے۔ ہندومت اور جین مت میں کوئی اعتقادی طاقت ایسی ماننی پڑے گی کہ اس نے بدھ مت کو زیادہ دیر قبول نہیں کیا اور اس کو اس خطّے

Marfat.com

سے نکال باہر کیا آج مشرق بعید کے ممالک جاپان سمیت سب بدھ مت کے پیروکار ہیں مگر برعظیم پاک وھند میں بدھ مت کے پجاری نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بدھ مت کا دور 600 ق م سے 600 عیسوی تک ہے۔ جین مت، ہندوازم ہی کی ایک شاخ ہے۔ بدھ مت کا فروغ زیادہ وادیٔ سندھ اور شمالی حصے میں ہوا جبکہ جین مت اور ہندومت کا زیادہ فروغ جنوبی حصّے میں ہوا اگرچہ ہندوازم پورے علاقے میں موجود رہا۔

ہندوازم کے عروج کا دور عظیم سلطنتوں کی شکل میں 600 ق م سے لے کر 200 عیسوی تک ہے۔ جبکہ اس کے بعد بھی 1200 عیسوی تک مختلف راجاؤں اور بادشاہوں کے نام سے کئی بڑی سلطنتیں وجود میں آئیں تاہم پہلی تا بارہویں صدی عیسوی ہندومت کے رُعب و دَبدبے اور ترقی وعروج کا دور ہے جس میں ان کے جو بھی عقائد تھے وہ سمٹ کر ان کے دستکاروں، ہنرمندوں اور نقّاشوں کے فن میں نمایاں ہو گئے۔ وسطی ہند اور راجپوتانہ میں 600 عیسوی سے لے کر 1100 عیسوی تک جو عبادت گاہیں تعمیر ہوئیں ان میں اس تہذیب کا عروج جھلکتا ہے اگرچہ کوئی بھی سلیم الفطرت آدمی شاید ان عبادت گاہوں اور ''مقدس مقامات'' کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔ فحاشی وعریانی اور بے حیائی کے یہ مناظر ــــــ جن ذہنوں نے ان کے خیالات پیش کیے، جن ذہنوں نے اس کو منصۂ شہود پر لانے کی حامی بھری، جن لوگوں نے خزانے لُٹا دیے اور جن ہنرمندوں نے اپنی ہنرمندی اور لگن کے ساتھ بے حیائی کے یہ مناظر تخلیق کیے وہ شاید تحریری آرٹ، نیچرل آرٹ اور اباحیّت پرستی کے مدّاحوں کو اپنی طرف ATTRACT کرنے کے قابل ہوں۔ حقیقت میں کوئی باغیرت انسان خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ ان ''مقدس مقامات'' کا نظارہ نہیں کر سکتا۔

[قارئین کرام کی خاص توجہ کے لئے اگر اس بات کا تذکرہ یہیں ہو جائے تو مفید بھی رہے گا اور فوری تقابل (SIMULTANEOUS CONTRAST) کا کام بھی دے گا کہ برعظیم کے مسلمان بادشاہوں نے جو بعد میں عظیم عمارات تعمیر کیں ان کا حسن، لطافت، پاکیزگی فن کی بلندی پر غور فرمائیں تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہزار سال بعد بھی دیکھیں گے کہ اکبر جیسے بادشاہ، جسے ہندو دیوتا سمجھتے ہیں، (اگرچہ ہمارے نزدیک اس نے اسلام سے منہ موڑ کر دین الٰہی ایجاد کر کے ارتداد کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا تھا) کی تعمیرات میں انسانی بت تو کجا حیوانی بت

Marfat.com

بھی بہت کم ہیں اور اس کے مزار پر بھی آیاتِ قرآنی ہی لکھی ہوئی ہیں۔ جبکہ اللہ نے ہندومت اور جین مت پر اِتمامِ حجّت کے لئے شاہ جہان سے عورت کی محبت کی ایک یادگار تاج محل تعمیر کرا دی۔ پورے برِعظیم کا مطلق العنان بادشاہ محبت کی یادگار تعمیر کرتا ہے اور وہ بھی اکلوتی چہیتی بیوی کی، مگر اسلامی تعلیمات کا یہ اثر ہے کہ اس تعمیر میں جو رعنائی و فن کا شاہکار ہے اور عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے، کوئی عریاں تصویر نہیں، کوئی بت نہیں بلکہ شائستگی اور نفاست کا فن پارہ ہے، وہاں مسجد ہے عبادت گاہ ہے قرآنی آیات ہیں، اگر کوئی تصویر ہے بھی تو شاید شاہجہان اور اس کی بیگم کا فائل فوٹو کا نقش ہے۔ یہ کوئی مذہبی مقام اور مقدس یاترا کی جگہ نہیں تھی تاہم سوچ، عقائد، نظریات و خیالات کا میلان و رجحان صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اب جو لوگ تن پرست، حُسن پرست اور صورت پرست ہیں وہ جائیں تو اب بھی ہندومت اور جین مت کے مقدس مقامات کے فن کی تعریف کرتے رہیں تاہم اگر صورت کے ساتھ ’بے صورت‘ REALITY اور UNSEEN کا کوئی لحاظ فہم و فراست اور ذہن و خیال میں ہو تو تہذیبوں کا فرق صاف پہچانا جا سکتا ہے]

اس پس منظر میں سندھ میں ایک خاندان کی حکومت چل رہی تھی اور اس کا مشہور سپوت راجہ داہر حکمران تھا (712ء۔ 680ء) کہ اس کے دور میں اسلام کی شعاعیں وادیٔ سندھ کو منور کر گئیں۔ ہماری مراد ہے کہ 93ھ (712ء) میں حضرت محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور تین سالوں میں منصورہ اور ملتان میں حکومتیں قائم کیں اور کشمیر تک کا علاقہ یعنی پوری وادی سندھ مسلمانوں کی حکومت کے زیرِ نگیں آ گئی۔

یہ بات یاد رہے کہ اسلام کا سب سے اعلیٰ اور خالص زمانہ دورِ نبوّت کے بعد خلافت راشدہ کا ہے پھر اس کے بعد کے زمانے ہیں۔ 93ھ تک خلافت راشدہ کے بعد اسلام ایک قدم نیچے اُتر چکا تھا (ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ) اگرچہ بعد کے ادوار کے حساب سے وہ دور بہت بہتر تھا اور پھر وادی سندھ میں اسلام کی آمد کسی مثبت تبلیغی جذبے کے ساتھ نہ تھی بلکہ ایک خاتون کی بے حرمتی پر سبق سکھانے کے لئے TEEN AGE کا ایک نوجوان سندھ کی جمی جمائی حکومت ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔ وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں تھی کہ پورے برِعظیم میں اَخلاق و کردار، انسانی قدروں اور مساوات انسانی نام کی کوئی چیز نہیں تھی جس سے اسلام کی آمد کو لوگوں نے خدائی عطیہ سمجھا اور

Marfat.com

دل کی آواز گردانا یہاں تک کہ جولوگ مسلمان نہ ہوئے انہوں نے محمد بن قاسم کے بُت بنا کر اس کو پوجنا شروع کر دیا کہ یہ انسان نہیں دیوتا ہے۔

یہ ہے اسلام کا برعظیم میں پہلا داخلہ جس سے موجودہ پاکستان کا علاقہ فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا جسے 12 سو سال گزر چکے ہیں ـــــ قائداعظم نے بجا طور پر QUOTE کیا تھا کہ ''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن وادئ سندھ کا پہلا شخص مسلمان ہوا تھا''۔

بنو اُمیہ کے زوال کے باعث اسلام کی آمد کا یہ دور پُھسپُھسا سا رہا اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وادئ سندھ سے آگے نہ بڑھ سکا چنانچہ آئندہ تین سو سال صورت حال میں تبدیلی نہیں آئی اس دوران مؤرخین مسعودی اور ابن حوقل یہاں آئے تو منصورہ اور ملتان کی دو حکومتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

بدقسمتی سے اسلامی حکومت کا سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں دسویں صدی میں قرامطہ (آغا خانیوں کی ایک شاخ جو حاضر امام کا تصور رکھتے ہیں اور حاضر امام کو معاذ اللہ نبی کا درجہ دیتے ہیں) کا دور حکومت آ گیا مصر میں فاطمیوں کی طرح یہ بھی مرکز گریز عناصر تھے جن کی سرگرمیوں نے نتیجتاً بیرونی اسلام دشمن طاقتوں کو زیادہ فائدہ پہنچایا۔

مصر کے فاطمی خاندان (جس نے کعبہ پر حملے کر کے حجر اسود نکالا تھا کعبہ کی بے حرمتی کی اور حجر اسود کو اپنے دارالحکومت لے جا کر تخت شاہی پر بیٹھتے وقت پائیدان کے طور پر استعمال کرتے رہے) کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا اور برعظیم پاک و ہند میں قرامطہ کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو موقع عطا فرمایا۔

1000ء تک صنم خانۂ ہند میں ہندو اقتدار کا رُعب داب رو بہ زوال تھا اور مذہبی اور حکومتی اثر بہت ڈھیلا پڑھ چکا تھا کہ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے 300 سال بعد درّۂ خیبر سے اسلام کے دوبارہ تازہ دم داخلے کا مرحلہ آیا ہے۔

اگرچہ تین صدیوں میں عملی طور پر اسلام کا نظریاتی پہلو بہت کمزور ہو چکا تھا اور بغداد کی سلطنت عباسی بھی رُو بہ زوال تھی تاہم ''ہند'' کی حیا سوز اور حیوانی ثقافت و مدنیت کے زیر اثر اسلام کا یہ ''ورود'' بھی باد بہار ہی کا ایک جھونکا تھا جو اس خطّے کے باضمیر اور زندہ روحوں کو مسحور

Marfat.com

کر گیا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا عسکری محاذ سنبھالے رکھا اور مُبلّغین اسلام نے صنم خانہ میں ڈیرے لگا کر لوگوں کے دلوں کو مسخّر کر لیا۔ چنانچہ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ 1005ء میں تشریف لائے (وفات 1077ء)۔ شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے اُٹھے اور آگے ہندومت کے گڑھ میں اجمیر شریف جا بیٹھے (1141ء تا 1230ء)۔ اس کے بعد تو ایک طویل سلسلہ ہے۔ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (1191ء) ملتان، خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1235ء) دہلی، فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ (1265ء) پاکپتن، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، (وفات 1325ء) دہلی، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1318ء) ملتان۔

محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا جو ایک سامانیوی سردار البتگین کا ترک غلام تھا۔ البتگین نے غزنوی سلطنت کی بنیاد ڈالی (881ء) جس کی وفات کے بعد بالآخر زمامِ حکومت سبکتگین کے ہاتھ آئی اس نے فتوحات سے سلطنت کو مستحکم کیا۔ اس کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا اثر ہندوستان میں راجہ جے پال پر بھی پڑا جس سے جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ سبکتگین کے سامنے سندھ اور ملتان کو باطنیوں کے تسلط سے آزاد کرانا تھا۔ 997ء میں سبکتگین کے انتقال (بلخ) کے بعد پہلے اسماعیل اور بعد ازاں محمود کو اقتدار مل گیا یوں ایک مستحکم سلطنت کے ساتھ اور اسلام کی نظریاتی اساسات کی آبیاری کے عزائم لے کر محمود سریر آرائے تخت ہوا۔

سلطان محمود نے پہلے سامانیوں سے گلو خلاصی حاصل کی بعد ازاں فتوحات اور حسن انتظام سے غزنی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

افغانستان اور ہند کے تعلّقات کی تاریخ 300 ق م سے معلوم ہے۔ دراوڑ اور آریہ یہیں سے آئے تھے۔ سکندر بھی یہیں سے حملہ آور ہوا۔ ہندوستان کے حکمران آشوک کی حکمرانی کابل تک تھی۔ لہٰذا ہندوستان کے حالات اور تبدیلیوں کی خبریں سلطان محمود کو مسلسل ملتی رہتی تھیں۔ ہندوستان کے مذاہب کی حیوانی اور ابلیسی کارستانیاں اس کو پہلے سے معلوم تھیں تاہم اس کے حکمران بننے کے زمانے میں تاریخی اعتبار سے ہندوستان کے حکمران اپنے عروج اور ثقافتی و مذہبی تعمیرات کے بعد 600ء سے زوال پذیر تھے۔

سلطان محمود نے ہندوستان پر 17 حملے کیے۔ پہلے ملتان میں قرامطہ کا اقتدار ختم کیا پھر

Marfat.com

راجپوتانہ اور دہلی کے آس پاس ہندوؤں کے راجہ جے پال (1008ء) اور دیگر مہاراجوں کو شکست دی جس سے اس کی شہرت عالمگیر ہوگئی۔ سلطان نے وادیٔ گنگا پر حملہ کے نتیجے میں قنوج (1019ء)، ملید شہر، متھرا، اُوٹاہ اور میرٹھ وغیرہ فتح کیے۔ لاہور کو اس نے اس علاقے کا صدر مقام قرار دیا اور گوالیار (1021ء) اور کالنجر بھی فتح کیا۔ سندھ کو 1029ء میں فتح کیا۔

سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ ہندوستان سے برہمن راج کو ختم کرنا اور ذات پات میں پسے ہوئے انسانوں کو اسلام کی تعلیمات کے تحت خودشناسی اور خودشعوری کا احساس دلانا تھا جس سے وہ اسلام کے دامن میں آ گئے۔ چنانچہ ہندوراج کی نشانی سومنات (جہاں ہندوستان کے سارے راجے، مہاراجے جمع ہو گئے تھے اور محمود کا راستہ روکنا چاہتے تھے) کو مسمار کرنا تھا (1026ء) جہاں محمود غزنوی بت فروشی کے عوض بت توڑ کر تاریخ میں محمود بُت شکن مشہور ہوا۔ 1030ء میں سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔

ذاتی کردار اور علم کی قدر کے لحاظ سے بھی سلطان ایک بلند پایہ انسان تھا۔ خود عالم تھا اور اس کے ساتھ باعمل بھی۔ اس کی سیرت و کردار کے واقعات تاریخ کی زینت ہیں۔ اس کے اقتدار نے یہاں کی عوام کو ہندو فلسفہ کی بے حیائی اور انسانی پستی سے نکال کر مساوات، آزادی، خودآگاہی اور خداشناسی کا درس دیا اور عظمت انسانی کے بامِ عروج تک پہنچا دیا ایسے ہی انسانوں کی خدمات کے عوض ان کی نیک نامی اور شہرت رہتی دنیا تک باقی رہتی ہے۔

ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات!

علامہ اقبال

Marfat.com

9

حضرت مجدّد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 971ھ/1564ء سرہند

○ 1619ء میں جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا

وفات: 1034ھ/1624ء سرہند

Marfat.com

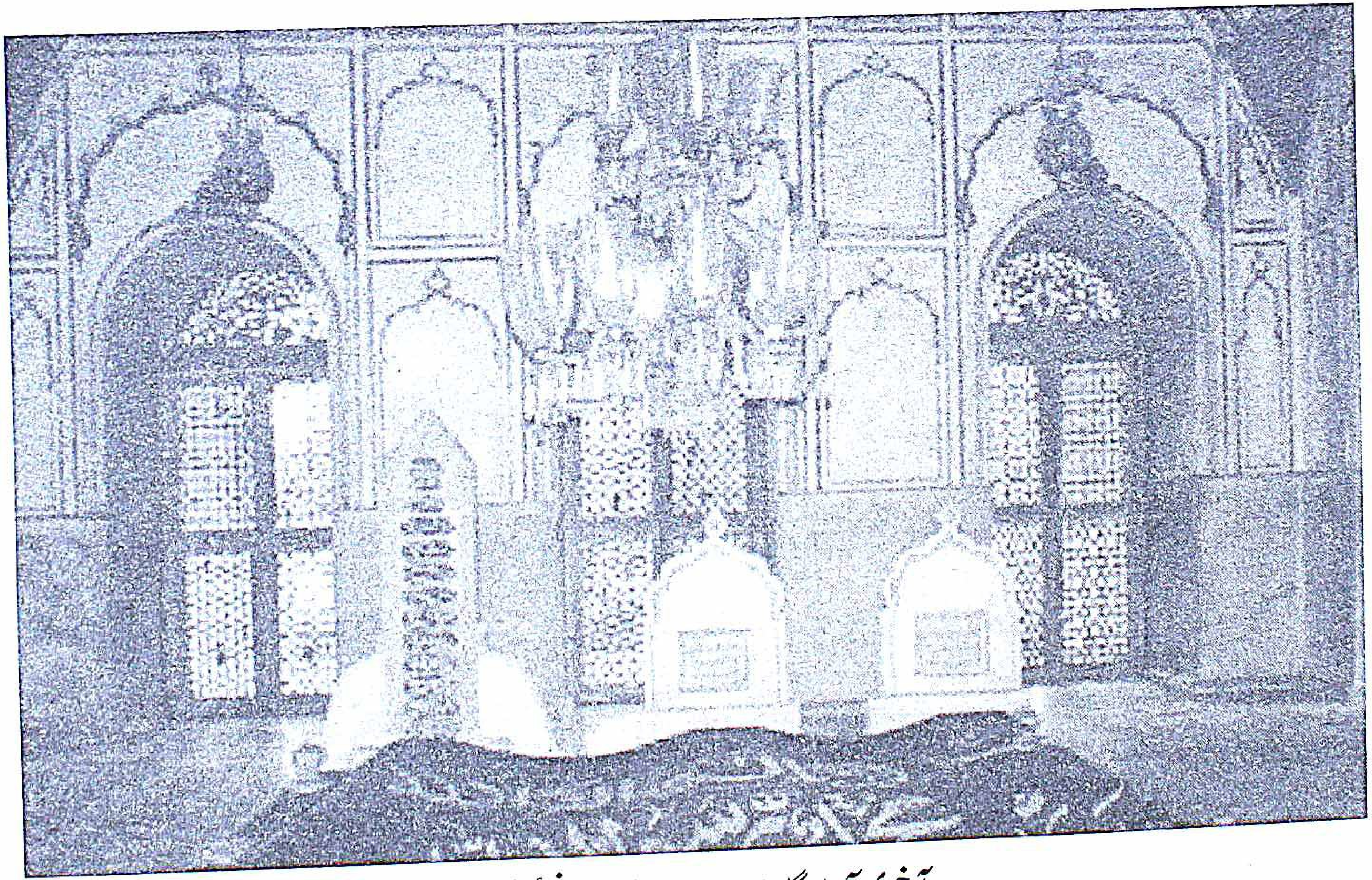

آخری آرامگاہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

آپ جون 1564ء میں سرہند میں شیخ عبدالاحد کے ہاں پیدا ہوئے لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات تھی۔سلسلہ نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔آپ کی وفات مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں دسمبر 1624ء میں ہوئی۔

آپ جس نام سے سب سے زیادہ مشہور ہیں وہ مجدّد الف ثانی ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر تکمیلی شان کے ساتھ ختم ہو گیا۔اب اس دین کی آبیاری اور احیاء کا مرحلہ ہے جب داخلی و خارجی حالات کے تحت مسلمان اسلام سے دوری اختیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وقفے وقفے سے مسلمانوں میں ایسے رجال دین کھڑے کرتا رہا ہے جو مخالفین کی شرارتوں اور اپنوں کے غُلو اور سرکشی کی وجہ سے دین اسلام کی تعلیمات پر جو پردے پڑ جاتے تھے ان پردوں کو ہٹا کر دین اسلام کے رخ روشن کو از سرنو انسانیت کے سامنے مُبَرہن کر کے اتمام حُجّت کر دیتے تھے۔

چنانچہ سُنَن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِاَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا
>
> ”اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی میں ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے“

اسی حدیث مبارکہ کے مطابق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد دین کے خادموں میں سے سب سے اونچا مقام مجدّد دین ملّت کا ہے ان میں سے بعض شخصیات نے اس کا دعویٰ بھی کیا کہ وہ مجدد ہیں اور اکثر نے بے غرض اور بے نام ہی خدمات انجام دی ہیں۔انہی بزرگوں اور

Marfat.com

خادمانِ دین مبین میں ایک اہم نام شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ایک دوسرا تصوّر قرآن مجید میں یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملات دنیا چلانے کے لئے جو تقویم جاری ہے وہ اس ذات باری تعالیٰ کے خاص دن ہیں جو عالم انسانیت میں ہمارے ایک ہزار سال کے برابر کا ایک دن ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج اور سورۃ الم السجدہ دو جگہ اس بات کا تذکرہ ہے سورۃ الحج کے الفاظ یہ ہیں:

وَ اِنَّ یَوماً عِندَ رَبِّکَ کَاَلفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ○ (47)

''اور بے شک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے۔''

یہی مضمون احادیث مبارکہ میں بھی ہے کہ سابقہ اُمّت مسلمہ کی عمر اور ہدایت کا معاملہ ایک ہزار سال کا تھا۔ (چنانچہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں بھی ہزار سال کی اہمیّت کے پیش نظر MILLENNIUM کا تصوّر موجود ہے)

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ چونکہ میری اُمّت ختم نبوت کی وجہ سے آخری امت ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سابقہ امت کے مقابلے میں اسے نصف دن (یعنی پانچ سو سال) مزید عطا فرمائے گا۔ (ابوداؤد، باب قیام الساعۃ، عن سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ)

قرآن وسنّت کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ اُمّت میں مُجدّدین ملّت تشریف لاتے رہے اور ہزار سال کے خاتمے پر 1000 ہجری کے بعد جب حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماحول میں کام کیا تو آپ نے اپنے آپ کو صرف 1001 تا 1100 ہجری یعنی گیارہویں صدی ہجری کا مجدّد نہیں کہا بلکہ 1001 ہجری کے بعد جو تاریخ اسلام کی دوسری ہزاری شروع ہو رہی تھی اس کے مجدّد ہونے کا اظہار کیا جس سے آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے چنانچہ اکثر لوگ آپ کے اسم گرامی کی بجائے آپ کو اسی لقب ''مجدّد الف ثانی'' سے زیادہ یاد کرتے ہیں۔ (عربی میں ہزار کو الف کہا جاتا ہے اور ثانی کے معنی دوسرے کے ہیں)۔

گزشتہ صفحات میں حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوا ہے اُن کی وفات 1030ء کی ہے جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دسمبر 1624ء کی ہے یعنی ان دونوں اکابرین

Marfat.com

میں 600 سال کا زمانی فرق ہے، ان 600 سالوں میں دنیا میں بے شمار تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں اور بڑے بڑے انقلابات نے جنم لیا ہے لہٰذا زمانی اعتبار سے ان دونوں زمانوں کے درمیان تاریخی اور نظریاتی تسلسل کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس مقصد کے لئے ذیل میں کچھ وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں قارئین ان شاء اللہ ان کو مفید مطلب پائیں گے۔

چھ صدیوں کے اس زمانی بُعد نیز سپین، بغداد اور برعظیم ہند و پاک کے مکانی بُعد کے پیش نظر ان گزارشات کو ہم کئی حصّوں میں تقسیم کر کے پیش کریں گے۔

1۔ مشرقِ وسطیٰ ـــــ 1000ء تا 1600ء

- سیاسی اعتبار سے
- نظریاتی کمزوری اور وابستگی کے ادوار میں احیائے اسلام کی مساعی کی تاریخ

2۔ سپین (اندلس یا ہسپانیہ) میں اسلامی حکومت کے عروج و زوال کی داستان اور اسلامی نظریاتی وابستگی کی تاریخ

3۔ دشمنانِ اسلام کی اسلام کو مٹانے کی کوششیں اور یہود کی سرگرمیاں

4۔ پاک و ہند ـــــ 1030ء تا 1600ء

- سیاسی اعتبار سے
- اسلامی تعلیمات اور نظریاتی تسلسل کے اعتبار سے

آیئے ان عنوانات کے تحت مختصر انداز میں حالات و واقعات کا تذکرہ پڑھتے ہیں:

1 مشرق وسطیٰ ایران، ترکستان 1000ء۔1600ء

سلطنت عباسی 750ء میں قائم ہوئی اور 865ء تک ایک صدی کے شاندار عروج کے بعد زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی۔ 1000ء کے لگ بھگ اس عظیم سلطنت کا اقتدار ڈول رہا تھا، عالمی سطح پر اگرچہ مسلمانوں کی شان و شوکت قائم تھی تاہم اندرونی طور پر سلطنت دشمنوں کی سازشوں کی شکار ہو چکی تھی، قرامطہ اور فاطمی حکمرانوں نے مرکز سے علیحدگی اختیار کر کے وحدتِ اُمت کو سخت نقصان پہنچایا تھا، بارہویں صدی آنے تک سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے، شمال میں سلجوقی حکمرانوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا، دمشق وغیرہ کا علاقہ بھی عباسیوں کے براہِ راست

Marfat.com

کنٹرول میں نہیں تھا، مصر وغیرہ میں فاطمی خاندان عیسائیوں سے روابط بڑھا رہا تھا اور شمالی افریقہ تک عباسی حکمرانوں کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی عباسی بادشاہ جو نام کے خلفاء تھے اور حکمران طبقہ، امراء و روٴساء میں شراب نوشی عام ہو چکی تھی، مقتدر حلقوں میں راگ رنگ اور بے حیائی نے قدم جما لیے تھے، بغداد کے شہزادے عیّاشی کی علامت بن چکے تھے اور بغداد الف لیلوی داستانوں کا شہر تھا جیسے آج کل سنگاپور وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ہلاکو خان اور چنگیز خان جیسے ظالم لوگ آئے اور عباسی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ 1258ء میں سقوط بغداد ہے۔

اس کے بعد دو صدیاں باہمی خلفشار اور افراتفری کی ہیں تا آنکہ خود ہلاکو خان کے بیٹوں اور پوتوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کے جذبہ اور گرم خون نے اسلام کو سہارا دیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی مشرق و مغرب میں یہی لوگ چھا گئے۔ چنانچہ 1350ء میں ترکستان میں عثمانی سلطنت قائم ہوگئی، 1540ء ایران کا صفوی خاندان اور 1528ء ہندوستان میں مغلیہ خاندان حکمران بن گیا، جس سے مسلمانوں کی عظمت قدرے بحال ہوگئی۔ 1099ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا گیا تھا۔ 1192ء میں صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے صلیبیوں سے واپس لیا۔ بعد ازاں 1453ء میں سلطان احمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے اسلام کی عزت وعظمت کو چار چاند لگا دیے اور یورپ میں مشرق کی طرف سے فتوحات کے راستے کھول دیے۔

ایمان اور نظریاتی اعتبار سے حالات آہستہ آہستہ دورِ نبوت سے بُعد کی بنا پر دگرگوں ہوتے چلے گئے۔ امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کی مساعی نے اگرچہ یہود ونصاریٰ اور ان کے زیر اثر مسلمانوں کے اندر کے مرکز گریز اور گمراہ فرقوں کا ابطال کیا اور دین کی حفاظت کی، تاہم یہود ونصاری کے میل جول اور اثر نفوذ کی وجہ سے یونانی اور ہندی فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں میں نظریاتی گمراہی پھیلتی جا رہی تھی اور خود مسلمانوں کے اندر ارسطو و افلاطون کے حمایتی ہی نہیں پر جوش مبلغین پیدا ہو رہے تھے جو علی الاعلان اسلام کی نظریاتی بنیادوں اللہ، وحی، نبوت، فرشتے، آخرت کو ڈھا رہے تھے۔ چنانچہ ابن رشد، ابوالنصر فارابی، ابن سینا، عمر خیام جیسے لوگ اسی دور میں گزرے ہیں اور ان کے اثرات اُمت مسلمہ کے مجموعی ایمان اور

Marfat.com

اعتقاد پر براہ راست مترتّب ہوئے جس سے مسلمانوں پر زوال کے سائے گہرے ہوئے اور سلطنت عبّاسیہ کے ٹکڑے ہو گئے۔ پھر ہلاکو خان نے بغداد فتح کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ صورت حال پیدا کر دی کہ ڈیڑھ سو سال بعد اسلام نے ہلاکو خان کی اولاد کو فتح کر لیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اسلام کی حفاظت و صیانت کا جھنڈا انہی کے ہاتھوں میں دے دیا۔ چنانچہ ہندوستان اور ایران اور ترکستان میں انہی کی اولادوں نے پندرھویں صدی سے عروج حاصل کیا۔ بقول اقبال

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

2 سپین (یورپ) میں اسلام 1000ء تا 1600ء

ہندوستان میں اسلام 93ھ (711ء) میں حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے آیا جب کہ اس نے سندھ فتح کیا عین اس وقت 93ھ ہی میں حضرت طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے شمالی افریقہ سے شمال کی طرف بحیرۂ روم عبور کر کے جبرالٹر کے مقام سے یورپ میں داخل ہوئے جہاں کشتیاں جلانے کا مشہور واقعہ ہوا۔ جذبہ صادق تھا اور مسلمانوں میں ابھی شوق جہاد اور جاہ و جلال تھا لہٰذا ہسپانیہ کا علاقہ جہاں عیسائیت کے مظالم اور مقامی اُمراء و رؤساء کی سفّاکی کی وجہ سے عوام بیزار و پریشان تھے، چند ہی عشروں میں مسلمانوں کے زیر کمان آ گیا اور بنو اُمیہ ہی کی ایک شاخ میں عبدالرحمٰن اوّل کے ذریعے ایک سلطنت کی بنیاد پڑ گئی تھی جو مشرق وسطیٰ سے دور اور مکانی اعتبار سے بھی کٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے ذرا آزاد تھی اور بغداد کے سیاسی اُتار چڑھاؤ سے متاثر نہیں ہوئی، اس سلطنت کو سات صدیاں بڑے آرام سے حکومت کرنے کا موقع ملا اور مسلمانوں کے ذریعے زیادہ تر علم اور تحقیق کی ترقی یہیں ہوئی جہاں پورے یورپ کے نوجوان غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں سے علم حاصل کر کے جاتے تھے۔ یہود یہاں بڑے اطمینان سے اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ تاہم وہ مسلمانوں کی آغوش میں بیٹھ کر عباسی سلطنت کے خلاف یہیں سے سازشوں میں بھی مصروف تھے۔

الحمراء اور دیگر اسلامی فنون کے نمونے آج بھی اس کی یادگار ہیں لیکن

Marfat.com

''ہر کمالے را زوال'' مسلمانوں میں اضمحلال آیا اور حکمرانوں میں اسلام سے وابستگی کمزور پڑ گئی مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' ـــــــ بالآخر 1492ء میں سقوطِ غرناطہ ہو گیا اور مسلمانوں کو غلام بنا لیا گیا اور آہستہ آہستہ یا تو واپس عیسائی کر لیا گیا یا انہیں افریقہ چلے جانے پر مجبور کیا گیا چنانچہ سولہویں صدی کے آخر پر کوئی مسلمان سپین میں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے فیصلے ہیں۔ یورپ کے مغرب میں اسلام کا سورج غروب ہوا تو اسی صدی میں 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے عثمانیوں نے مشرقی یورپ میں اسلام کا راستہ کھول دیا تھا سارا مشرقی یورپ فتح کر لیا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں کی فوجیں فرانس تک پہنچ گئی تھیں۔

سپین میں کئی نامور مسلم ہستیاں پیدا ہوئیں اور علم کی بھی بہت خدمت ہوئی ہسپانیہ یا سپین کا دوسرا نام اُندلس ہے اور ہمارے اکابرین اندلس کا لفظ ہی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ مشہور فلسفی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اندلسی تھے۔ سائنسی ترقی میں مسلم سپین یورپ میں سب سے آگے تھا بلکہ یورپ کا استاد اور پیش رو بھی ہے۔ اس دور (600ء سے 1600ء عیسوی تک کے 1000 سال) کو یورپی مؤرخ ''تاریک دور'' (DARK AGES) شمار کرتے ہیں۔ برطانوی مؤرّخ برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے کہ یہ تاریک دور مسیحی یورپ کے لئے تھا مسلم سپین تو اس وقت بھی علم و ہنر کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب یورپ عقلی اعتبار سے بھی تاریکی میں تھا اور مادّی اعتبار سے بھی، اس وقت بھی مسلم سپین میں سڑکیں پختہ تھیں اور رات کو سڑکوں پر روشنی کا اہتمام ہوتا تھا، علم عام تھا اور تحقیق کے لئے درسگاہیں تھیں ان درسگاہوں میں جرمنی، فرانس، برطانیہ اور مشرقی یورپ کے لوگ جاتے تھے اور علم کی پیاس بجھاتے تھے جیسے آج کل دنیا بھر کے لوگ یورپ اور امریکہ کی علمی درسگاہوں کا رُخ کرتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم سپین کے زوال کے بعد علم و تحقیق کے میدان میں انہی لوگوں نے آگے پیش رفت کی ہے اور مسلمانوں کے زوال کے بعد آج یورپ (اور امریکہ) سائنسی تحقیق و ترقی میں ساری دنیا پر چھا گیا ہے۔

3 دشمنانِ اسلام ـــــ یہود و نصاریٰ کی سرگرمیاں

دشمنانِ اسلام تو روزِ اوّل سے ہی اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہے ہیں

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی ماننے والے تو اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے (قرآن مجید میں ساتویں پارے کے آغاز میں اس کا ذکر ہے) حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلام بھی اس کا مظہر ہے مگر تثلیث اور الوہیتِ مسیح کے قائل عیسائی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قاتل یہودی طبقہ جو کبھی فری میسن تھے تاریخ میں ZIONS کہلاتے ہیں اور آج بھی یہی صہیونیت (ZIONISM) کے علمبردار ہیں، آسمانی وحی کے دشمن اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے آسمانی ہدایت کی عدم موجودگی میں من مانی کرنے کے خواہش مند یہی لوگ ہیں جو تاریخ میں شیطان کی پارٹی کے طور پر کام کرتے آرہے تھے (اور آج بھی ہیں)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے سازشوں میں ملوّث یہ گروہ مسلمانوں کے اندر گھس کر کام کرتا رہا ہے، داخلی طور پر مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور نظریات کو کمزور کرنا ان کا خاص طریقۂ واردات ہے۔

دوسری صدی ہجری سے انہوں نے یونانی فکر و فلسفہ (جو قتل انبیاء کے بعد خود تیار کرایا تھا تاکہ وحی اور آسمانی ہدایت کے مقابلے میں کھڑا کیا جا سکے) کی کتب کے تراجم کرائے اور مسلمانوں میں اسی کی اشاعت کی جس سے مسلمان اہل علم اور ذہین طبقات میں نظریاتی بحثیں چھڑ گئیں اور یوں اسلام سے تعلّق ماند پڑتا چلا گیا جس کی حفاظت کے لئے مجدّدین ملّت نے کام کیا ہے۔ (ان ہستیوں کا ذکر انہی صفحات میں ہو چکا ہے) 1000ء (چوتھی صدی ہجری کا اختتام) آتے آتے مسلمانوں میں داخلی انتشار بہت گہرا ہو گیا تھا، عباسی حکمران عیاشی میں پڑ کر بہت کمزور ہو چکے تھے اور حکومتی گرفت ڈھیلی ہونے کی وجہ سے علاقائی قوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور دشمن کو مخالفانہ کارروائیوں کے لئے مواقع فراہم کر رہی تھیں۔ اس نظریاتی انتشار اور سیاسی کمزوری کے باعث یہود کو اسلام دشمنی کے جذبے کے تحت ایک کاری وار کرنے کا موقع مل گیا (یاد رہے کہ 70ء میں بیت المقدس پر ٹائٹس رومی کے حملے کے بعد وہاں سے یہود کو جلاوطن کر دیا گیا تھا جہاں سے پھر یہ یہودی ساری دنیا میں پھیل گئے مدینہ، عراق، اصفہان روس، یورپ اور ہندوستان میں ان کی آمد بطور خاص نمایاں ہے) گیارہویں صدی عیسوی میں پورے یورپ کے مسیحیوں کو اٹھایا اور مذہبی جہاد کے لئے بیدار کیا۔ بیت المقدس 70ء میں رومیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا پھر 300ء کے

Marfat.com

قریب رومیوں کے عیسائی مذہب قبول کر لینے کے بعد عیسائی مرکز بن گیا اور مذہبی طور پر قبلہ بھی ـــــ پھر 637ء (15 ہجری) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر انتظام آ گیا۔ اس وقت سے عیسائیوں کے دلوں میں تو اپنے قبلہ کے چھن جانے کا غم اور ماتم تھا ہی، یہود نے اس کو اکسایا اور صلیبی اور مذہبی جنگ کا عنوان دے کر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے یورپ و قسطنطنیہ کو بیت المقدس کے حصول کے لئے اس مہم جوئی پر آمادہ کر لیا۔

چنانچہ عباسی سلطنت کی کمزوری اور ELITE طبقہ کی عیّاشیوں اور ارسطو و افلاطون کے خیالات کے زیر اثر روشن خیالی اور LIBERALISM کے دلدادہ ہونے کا نتیجہ جہاد سے اعراض کی شکل میں نکلا اور 1099ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر صلیبیوں کے پاس چلا گیا پورے یورپ میں خوشی کے ترانے گائے گئے اور یہود کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔

ایک صدی بعد مسلمانوں میں احیائی کام اور تجدیدی مساعی کے زیر اثر جذبہ اور جوش پیدا ہوا اور دمشق سے نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور انہوں نے پہلے فاطمی سلطنت کے شر سے علاقے کو پاک کیا اور پھر طویل جنگ لڑ کر 1192ء میں بیت المقدس مسلمانوں کو واپس دلا دیا۔ یہ دوسری صلیبی جنگ کہلاتی ہے (اور 2001ء کے بعد سے اب آخری صلیبی جنگ یعنی CRUSADE جاری ہے)۔

پورے یورپ کی فوجی طاقت اور مذہبی جوش و خروش کے باوجود بیت المقدس چھن جانے کی باعث یہودیوں نے فوجی اور سیاسی میدان کی بجائے سازشوں کا میدان منتخب کیا اور یورپی مسیحی حکومتوں کی بجائے کسی دوسری عالمی طاقت کے ذریعے مسلمانوں کی سیاسی برتری کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور سیکولر بنیادوں پر اپنے حقوق کے تحفّظ کے لئے جدید نظام NEW WORLD ORDER کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ 1192ء کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے واقعات کی ترتیب کچھ یوں ہے

- یورپ میں 1215ء میں بنیادی انسانی حقوق کا تصور پیش کیا گیا۔
- 1225ء میں شاہ انگلستان نے مشہورِ زمانہ انسانی حقوق کا مشہور چارٹر MAGNACARTA منظور کیا۔

Marfat.com

- مغربی چین میں حکمران منگول خاندان کو روسی علاقہ جات، ایران، (اصفہان میں پہلی باقاعدہ یہودی آبادی 206ء سے موجود ہے) اور بغداد تک موافق حالات کی یقین دہانی، مالی امداد اور مسلمانوں کے جنگی اور سیاسی راز دینے کا لالچ دے کر اس عظیم مہم کے لیے آمادہ کیا گیا جس کے نتیجے میں چنگیز خان اور ہلاکو خان نے آ کر پورا علاقہ تاراج کر دیا اور سلطنت بغداد کا نام ونشان مٹا دیا۔ 1258ء میں سقوط بغداد ہو گیا یہودی اس کامیابی پر حیران تھے کہ یہ کام ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھا اس لئے وہ اس سے کوئی فوری فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ (یہی دور ہے جب ایران میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور دمشق میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام سے لوگوں کو آمادۂ عمل کر رہے تھے)

- چودھویں صدی عیسوی پورے مشرق وسطی میں باہمی خلفشار اور افراتفری کا دور رہا جو یہود کے پنپنے اور گل کھلانے کے لئے موسم بہار تھا۔

- یورپ میں انسانی حقوق اور اقلیّتوں کو بھی مساوی حقوق کے تصوّر کے ذریعے یہود کو ذرا سکون ملا تو ایک طرف عیسائیوں کے ORTHODOX عقائد کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور پروٹسٹنٹ تحریک کے ذریعے جدید ذہن کے مطابق نیا فرقہ کھڑا کر دیا اور اس کی ہر طرح سے سرپرستی کی، چنانچہ شریعت سے آزادی، اور روشن خیال مذہبیّت کی بنیاد یہیں سے پڑی۔

- پندرھویں اور سولھویں صدی میں مسلمان علاقوں میں بیداری پیدا ہوئی تو ترکستان میں عثمانی حکومت، ایران میں صفوی حکومت اور ہندوستان میں مختلف کمزور حکومتوں کے بعد مغلیہ سلطنت کو استحکام ملا۔ عثمانی حکومت نے اس قدر طاقت حاصل کی کہ 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا جو عیسائیت کا صدیوں سے مضبوط گڑھ تھا۔ یہ واقعہ یہود کے لیے بڑا حیران کُن تھا۔ چنانچہ پورے یورپ نے مل کر اور یہود کے ایماء پر 1492ء میں سپین سے مسلم اقتدار ختم کر دیا اور مزید ایک صدی میں وہاں سے مسلمانوں کا مکمّل خاتمہ کر دیا۔

- پروٹسٹنٹ فرقے کے ذریعے جدید خیالات کی آڑ میں یہود نے تورات اور انجیل کی تعلیمات کے برخلاف سود کی اجازت حاصل کر لی جس کا بھرپور فائدہ یہود نے ہی پہلا بینک، بینک آف انگلینڈ قائم کر کے اٹھایا (یہ بینک آج بھی یہود کی ملکیت ہے اور نجی ملکیت ہے) اس

Marfat.com

سے یہود کو سود کی شکل میں بے پناہ (ناجائز) وسائل حاصل ہو گئے۔

- اگلے مرحلے میں بینکوں کے نظام کے تحت کاغذی سکّہ (PAPER CURRENCY) کا اجراء ہے، جو تاریخ انسانی کا بہت عظیم المیہ ہے اور جس کے نقصانات آج تک انسانیّت بھگت رہی ہے۔
- ہندوستان کی سیاست میں بظاہر یہود کا عمل دخل بڑا کم ہے مگر اندرون خانہ اکبر کی حکمرانی اور دین الٰہی کے اجراء میں یقیناً یہودی ذہن شامل ہے۔
- سودی معیشت، PAPER CURRENCY کا اجراء اور بے پناہ مالی وسائل کے حصول کے بعد یہود نے حکومت برائے اقتدار اور خدائی (LORD SHIP) کی بجائے حکومت برائے تجارت کا تصوّر عام کیا۔
- اس مقصد کے لئے 1498ء میں مشرق بعید تک رسائی کے لئے واسکوڈی گاما نے مسلمان راہبروں (GUIDES) کے ساتھ جنوبی افریقہ کی بندرگاہ کیپ ٹاؤن کا راستہ معلوم کر لیا اور یورپی تجارتی بیڑوں کی آمدورفت شروع ہوئی تو ہندوستان اور مشرق بعید میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی (EIC) کا قیام 1600ء میں عمل میں آیا تاکہ ظاہری لیبل تجارت کا رہے اور درپردہ وسائل پر قبضہ کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور مقامی حکومتوں اور عوام کا ردّعمل بھی سامنے نہ آئے۔

4 اسلام ہندوستان (پاک و ہند) میں 1000ء تا 1600ء

- ہندوستان میں اسلام 93ھ (711ء) میں مسلم جرنیل حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے آیا۔ مسلمانوں کی مہم کا مقصد کوئی تبلیغ یا اشاعت اسلام کا مثبت جذبہ نہیں تھا۔ ورنہ اس مہم کا حشر وہ نہ ہوتا جو فاتح جرنیل محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا گیا۔ جب کہ اس مہم کا جذبہ سندھ کے حاکم راجہ داہر کو اس کے بحری قزاقوں کی لوٹ مار کا سبق سکھانا تھا۔ جو انہوں نے مشرق بعید کے مسلم تاجروں کا مال لوٹ کر ظلم کیا تھا اور بالخصوص عورتوں کی بے حرمتی کی تھی۔ اس مہم میں پوری وادی سندھ (موجودہ صوبہ سندھ پنجاب کشمیر تک) کا علاقہ مسلمانوں کے زیر اثر آ گیا۔
- اسلام کے سندھ میں اس داخلے کی مثال موسم بہار میں ہلکی بارش کی ہے جس سے اسلام کی

Marfat.com

برکات کی ایک جھلک وادی سندھ کے عوام کو مسحور کر گئی اور پورے ہند میں ضمیر انسانی کو مصنوعی خداؤں کے تصوّر سے آزادی دلانے کی نوید ثابت ہوئی۔

- اس دور میں مسلمانوں کے مرکز میں باہمی خلفشار اور کسی مثبت جذبے کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ مہم آگے نہ بڑھ سکی اور تین صدیاں یونہی گزر گئیں۔ اس دور میں مسلمان مُبلّغین اور اولیاء کرام اس علاقے میں آ کر اسلام کے فکر کی آبیاری کرتے رہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس علاقے میں تشریف آوری بھی ثابت ہے۔
- اسلامی قلمرو کی ہندوستان میں کسی توسیع کے نہ ہونے کی ایک خارجی وجہ بھی بہت اہم ہے وہ وجہ یہ ہے کہ ہندو فکر و فلسفہ کئی انقلابات دیکھ کر اور بدھ مت سے ٹکراؤ کے بعد اب بدھ مت مذہب کو مشرق بعید میں دھکیل کر اپنے ایک نئے عروج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وسطی ہندوستان میں اس عروج کی وجہ سے کئی سلطنتیں اپنے عظمت کے ڈنکے بجا رہی تھیں اور دور عُروج کی جھلکیاں ان کے علوم و فنون اور تعمیرات سے ظاہر ہو رہی تھیں اسی دور میں بڑے بڑے مندر اور مذہبی استھان تعمیر ہوئے جو ہندومت کی مخصوص فکر، تہذیب اور ثقافت کے علمبردار تھے یہ یاد رہے کہ عریانیت کا جذبہ تو ہر شخص میں فطری طور پر ہوتا ہے تاہم اس کو کسی حدود و قیود کا پابند کرنا اخلاق اور مذہب کا فریضہ ہے اسی وجہ سے انسانی لباس اور چادر و چار دیواری کا تصور ساری دنیا میں پایا جاتا ہے مگر اس عریانیت کا پرچار کرنا اور پھر اس کی انتہاء یہ کہ عریانیت اور بے حیائی کا پجاری ہونا یہ بات صرف ہندومت کے حصے میں آتی ہے۔ چوکوں، شاہراہوں، پارکوں اور عجائب گھروں میں عریاں مجسّمے اور بے حیائی کے انداز تو مغرب، یونان اور شمالی یورپ میں بھی پائے جاتے ہیں مگر مذہبی عبادت گاہوں میں آخری درجہ کی بے حیائی کے مناظر کے مجسّمے اس کثرت کے ساتھ سجا دینا جہاں جوان بوڑھے، عورتیں مرد، بچے بچیاں سب مذہبی جوش و خروش آتے ہیں۔ بے حیائی کی پرستش کا بھی آخری درجہ ہے (موجودہ مغربی تہذیب نے اس میدان میں انتہائی درجے کو حاصل کر کے دنیا میں دیکھا تو ہندومت ان سے کہیں آگے تھا اس وجہ سے ہالی وڈ کی بے حیائی اور عریانیت سے بالی وڈ کی ہندوستانی بے حیائی اور عریانیت بہت آگے ہے کہ مغرب اس معاملے میں ہندوستان کے سامنے سجدہ ریز ہے)

Marfat.com

ہندوستان میں یہ عروج گیارھویں صدی تک جاری رہا ہے۔ سومنات کا مندر اور وسطی ہند کے مشہور زمانہ حیا سوز مناظر کے حامل مندر اسی زمانہ کی تعمیر ہیں جس کے اثرات بعد میں جنوبی ہندوستان پر اور پھر نیپال اور مشرق بعید کے ممالک پر پڑے ہیں۔ اسی وجہ سے آج کل ہر چہار طرف سے بے حیائی کے دلدادہ سیّاح ہندوستان اور نیپال کی اس سیاحت کے لئے اُمڈے چلے آتے ہیں۔

ہندوستان کی اس منفرد حیاء سوز اور ننگِ انسانیت تہذیب ہی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ میں ہندو مذہب کبھی ہندوستان سے باہر قدم نہیں نکال سکا۔ جب اس تہذیب نے عروج سے زوال کی طرف ذرا سفر شروع کیا ہے تو اب قدرت نے 1000ء کے لگ بھگ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا ہے جس نے ہندومت کو شکست دی۔ ان کے سومنات کے مندر سمیت راجپوتانہ اور قریب کی سلطنتوں کو تاراج کر دیا اور یوں ہندوستان کے بدقسمت انسانوں کو برہمن کی غلامی اور بے حیائی کی آگ سے نکال کر سکون بخشا ہے اور اسلام کی روحانی، باحیاء اور باضمیر تہذیب و ثقافت سے روشناس کرایا ہے۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری نے یہی کام کیا ہے اس کے ساتھ ہی مشرق وسطیٰ سے بہت سے مُبلّغین نے اس دور میں آ کر اسلام کی فطری، حسین اور خدائے واحد کی عبادت والی تعلیمات کو عام کیا ہے۔ (شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ وفات 1077ء۔ معین الدین اجمیری وفات 1230ء) ہندومت کے زوال، صوفیاء کی آمد اور مسلمان فاتحین کے حملوں سے عام ہندی انسان کے شعور کو آزادی ملی اور کثیر تعداد میں لوگوں نے اسلام کی تعلیمات کو قبول کر کے اپنے دلوں کو منور کیا ہے۔

چنانچہ وادی سندھ کی مسلم حکومت کو توسیع ہوئی اور یہ اقتدار شمالی اور وسطی ہندوستان تک پھیل گیا۔ چنانچہ اب 1200ء کے بعد مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں جن کا مرکز دہلی تھا۔

1۔ خاندانِ غلاماں (نسلاً ترک) 1206ء۔ 1290ء قطب الدین ایبک (غوری کا غلام) التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن (التمش کا غلام)۔

2۔ خلجی خاندان (ترک) 1290ء۔1320ء جلال الدین خلجی (چچا) علاؤالدین خلجی (بھتیجا۔ چچا کو قتل کیا) اس دور میں نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (دہلی) رکن الدین (ملتان)

Marfat.com

قطب الدین مبارک شاہ۔

3۔ تغلق خاندان (ترک) 1320ء 1413ء غیاث الدین تغلق (منگولوں کو شکستیں دیں) محمد تغلق (بیٹا) فیروز شاہ تغلق (چچازاد) محمود تغلق (امیر تیمور کا حملہ) دہلی فتح۔

4۔ سیّد خاندان۔ 1414ء۔ 1451ء سیّد خضر خان۔ سیّد علاؤ الدین عالم شاہ۔

5۔ لودھی (پٹھان) 1451ء۔ 1526ء بہلول لودھی۔ سکندر لودھی (آگرہ کی بنیاد ڈالی) ابراہیم لودھی (پانی پت میں شکست)۔

6۔ مغلیہ سلطنت

- ظہیر الدین بابر 1496ء۔ 1530ء
- نصیر الدین ہمایوں 1530ء۔ 1556ء
- سوری خاندان 1540ء۔ 1555ء
- جلال الدین اکبر 1556ء۔ 1605ء
- نور الدین جہانگیر 1606ء۔ 1627ء

ہندومت دسویں صدی عیسوی میں اپنے زوال کے بعد مسلم تعلیمات اور مسلمان حکمرانوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکی۔ تاہم تین صدیوں کے بعد جب مسلم اقتدار میں اسلامیت، عدل و انصاف اور رعایا پروری کے اوصاف کمزور پڑنا شروع ہوئے تو چودھویں صدی عیسوی (1301ء کے بعد) میں ہندومت میں بیداری کی لہر بیدار ہوئی اور اس نے اپنے نظریات کو از سر نو تازہ کر کے مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہونے کا عزم کیا ہے۔ اس دفعہ ہندومت کا یہ جذبہ جنوبی اور مشرقی ہندوستان میں نمایاں تھا جہاں مرہٹہ قوت نے اس بیداری میں ہراول دستہ کا کام کیا ہے۔

اسی بیداری کے نتیجے میں ہندومت نے مسلمان حکمرانوں سے میل جول پیدا کر کے ان کو اپنی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے اور چانکیہ سیاست کے انداز میں مغل حکمرانوں کو اپنے شیشے میں اتارنے کی سازشیں کی ہیں۔ چنانچہ ایک طرف ہندو مسلم نظریات کا ملغوبہ (سکھ مذہب کا بانی گورونانک) سامنے آیا اور دوسری طرف مغل حکمرانوں میں اکبر کے طویل عہد میں ہندو عورتوں کا عمل دخل حکمران طبقے، بادشاہ، وزراء، رؤساء کے گھروں میں

Marfat.com

بڑھ گیا اور وہ ان کے حرم میں داخل ہوگئیں (جیسے آج کل عرب امارات میں عرب شیوخ اور رؤساء کے گھروں میں ہے)۔اس ہندومت نے مسلم اقتدار کو حکمرانوں کے ذریعے بغیر جنگ کے رام کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے۔چنانچہ اکبر کے دربار میں ہندو ذہن بڑا مؤثر تھا اور اس کے حرم میں ہندو عورتیں چھائی ہوئی تھیں۔چنانچہ اس کا جانشین جہانگیر ایک ہندو عورت کے بطن سے پیدا ہوا۔

یہ وقت ہندو کی بیداری کا تھا اور مسلمانوں کا یہ زوال، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن سے حد درجہ دوری کا نتیجہ تھا۔اس زوال کی انتہائی گہری اور تباہ کن صورت یوں پیدا ہوئی کہ اکبر نے 1580ء کے لگ بھگ اسلام کو ترک کر کے ایک نیا دین دین الٰہی جاری کر دیا اور بے حیائی، بے دینی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے بے اعتنائی اور آزادی و روشن خیالی جیسے نظریات سرکاری سطح پر عام ہونے لگے۔سارے درباری امراء، وزراء اسی رنگ میں رنگے گئے اور سرکاری دربار تک رسائی کے لیے اسی دین الٰہی کو قبول کرنا لازم تھا۔

ہندو پس پردہ اپنی اس کامیابی پر بڑا نازاں اور خوش تھا اور اپنے منصوبے کو کامیاب ہوتے دیکھ رہا تھا کہ اس طرح وہ بدھ مت کی طرح اسلام کو ہڑپ کر جائے گا اور اپنے رنگ میں رنگ لے گا۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی کو پیدا کیا اور کھڑا کر دیا جس نے ہندومت کے ان ناپاک اور ننگ انسانیت منصوبوں کو خاک میں ملا کر انسانیت کو دوبارہ برہمنی سامراج کے چنگل میں جانے سے بچالیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیّت، کردار اور کارنامے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دور اکبر کے عروج کا دور ہے۔اکبر شہنشاہ کہلاتا تھا اور مغل اعظم مشہور تھا۔اس کی سلطنت کابل سے نیپال اور برما تک محیط تھی۔

اس نے اپنی سلطنت کو عسکری لحاظ سے مستحکم کر کے انتظامی لحاظ سے بھی مضبوط بنایا۔ محاصل کا نظام درست کیا، عدل وانصاف کا اہتمام کیا، علوم فنون کی سرپرستی کی۔

اس سب کے باوجود چونکہ مسلمان ہندوستان میں اقلّیت میں تھے لہٰذا اسے ہندو کی

Marfat.com

طرف سے اپنے اقتدار اور سلطنت کے لیے خدشہ رہتا تھا۔ اس نے دارالحکومت میں تمام مذاہب کے علماء کا باقاعدگی سے اجلاس بلا کر مختلف معاملات پر بحثیں کرنے (INTER-FAITH DIALOGUE) کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ سلطنت کے استحکام کے لئے مذہبی یگانگت اور حکومتی معاملات میں سب کی شرکت (SENSE OF PARTICIPATION) ضروری ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا تو خوشامدی قسم کے درباری علماء نے اسے دلائل بھی فراہم کر دیئے کہ اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے 1581ء میں دین الٰہی کے نام سے نیا دین جاری کر دیا۔

دین الٰہی میں ہندومت، جین مت، بدھ مت، پارسی، یہود، عیسائیت، اسلام سب کی تعلیمات کو ملا کر ایک نیا دین بنا دیا۔ تا کہ سب کو یہ دین اپنا دین محسوس ہو۔ اس دین میں اکبر کو نبی سے بھی بڑھا کر خدا کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ اور سرکاری کاموں اور دربار تک رسائی کے لئے اس دین کو اختیار کرنا ضروری تھا۔ لوگ آپس میں ملتے تو السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر اور جل جلالہٗ کے الفاظ کہتے جس سے ذہن اکبر بادشاہ کی طرف ہی منتقل ہوتا۔

اس مذہب کے فروغ میں بے حیائی کے ساتھ آزادی کو بھی بہت دخل تھا چنانچہ اسلام کی تعلیمات کا علی الاعلان مذاق اڑایا جانے لگا اور لوگ دین اسلام سے برگشتہ ہونا شروع ہو گئے اور خدشہ تھا کہ اگر یہ صورت حال جاری رہی تو ہندوستان سے دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ سارا منصوبہ دراصل ہندو ذہن کی پیداوار تھا جس نے اسلام کی بیخ کُنی کے لئے اکبر کو اس پر آمادہ کر لیا۔ اکبر اسلام سے روگردانی کر کے ''مرتد'' ہو گیا اور اسلام کے مقابلے میں دین الٰہی کھڑا کر دیا۔

اس پس منظر میں دین کے دردمند علماء، صلحاء اور صوفیاء میں بے چینی پائی جاتی تھی اور ہر آدمی ایک دوسرے کی طرف دیکھتا تھا کہ وہ پہل کرے اس لئے کہ حکومت کا دباؤ بہت شدید اور مصائب اور سختیاں ناقابل برداشت تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کام کے لئے کھڑا کیا اور انہوں نے مردانہ وار اس فتنہ اکبری کا مقابلہ کیا۔ بعد میں اور بھی کئی لوگ ان کے حمایتی ہو گئے

Marfat.com

تاہم دین الٰہی کے خلاف مزاحمت کا سارا CREDIT حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی جاتا ہے آپ کے مرشد خواجہ باقی باللہ نے ان حالات کے لئے خاص آپ پر توجہ فرمائی تھی اور تربیّت کی تھی۔ اور اکبر کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو اپنے مرشد کی بھرپور تائید وحمایت حاصل تھی۔ خواجہ باقی باللہ کا انتقال 1603ء میں ہوا اور اکبر 1605ء میں مرگیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے دور میں بھی آپ پر آغاز میں بہت مصیبتیں آن پڑیں سب امراء، رؤساء آپ کے مخالف تھے۔ جہانگیر نے آپ کو پہلے قید کر دیا مگر بعد میں جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کر دیا اور عزت کی۔ قید کی حالت میں بھی سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ حضرت مجدد کا رابطہ عوام اور خواص سے کسی صورت نہ ہو سکے تاہم آپ نے عوام سے رابطہ بڑھانے اور اصلاح کی سعی کی خواص امراء اور روساء کے علاوہ علماء صوفیاء کی اصلاح پر توجہ دی امراء وروساء کے نام ان کے 200 اصلاحی خطوط آپ کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں اور مکتوبات کے نام مشہور ہیں۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے جہانگیر کے خیالات میں بھی تبدیلی آئی اور اس نے اکبر کے جاری کردہ دین الٰہی کو منسوخ کر دیا اور اسلامی شریعت کے مطابق عدل و انصاف کی کوشش کی حضرت مجدد ہی کے اثرات کی وجہ سے شاہی خاندان میں اسلام سے وابستگی لوٹ آئی اور جہانگیر سے بہتر شاہجہان اور اس سے بہتر اورنگ عالمگیر جیسا حکمران نصف صدی کے اندر ہندوستان کو میسّر آ گیا۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا آپ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ کی روحانی فضیلت مسلّمہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور منفرد انشاء پرداز بھی تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے مطابق متعدد رسالے لکھے اور کتابیں تالیف فرمائیں۔ ان میں سے رسالہ اثبات النبوۃ، رسالہ تہلیلیہ، رسالہ ردّ روافض اور معارف الدینیہ زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کا اصل کارنامہ دین اسلام کا دفاع ہے اور عام بے دینی کے ماحول میں

Marfat.com

ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرسالت کا اثبات اور اس کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔
آپ نے سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ زور دیا سلسلہ نقشبندیہ کو آپ کے عہد میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور یہ ہندوستان سے افغانستان اور روسی علاقہ جات کے علاوہ ترکی تک جا پہنچا۔

آپ نے علماء وصوفیاء کی بدعات واختراعات کو بھی نشانۂ تنقید بنایا اور ان کی اصلاح فرمائی تصوّف کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے آپ نے کوشش فرمائی، تصوّف میں ریاضتوں کو کم کر کے آسانیاں پیدا فرمائیں۔ آپ کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں اکبر کے باطل دین کا قلع قمع ہو گیا اور اس کے اثرات بھی ایک نسل کے اندر اندر مٹ گئے بلکہ آئندہ آنے والے حکمرانوں کے لیے بھی ایسی کسی مذموم حرکت کا دروازہ بند ہو گیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہندومت کی بیداری کی وجہ سے ہندوؤں کے اس خطرناک منصوبے (یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں ہی اسلام کو ختم کرنا اور نیا دین جاری کروانا) کو خاک میں ملا دیا گیا۔ بقول اقبال

حاضر ہوا میں شیخِ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

Marfat.com

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دکھا کے تجھے موت کے آئینے میں رخِ دوست
زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے

علامہ اقبال

Marfat.com

10

علامہ حضرت

شیخ عبدالحق

محدّث دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 956ھ/1551ء، دہلی

○ 996ھ میں حرمین تشریف لے گئے

وفات: 1052ھ/1642ء، مہرولی، دہلی

Marfat.com

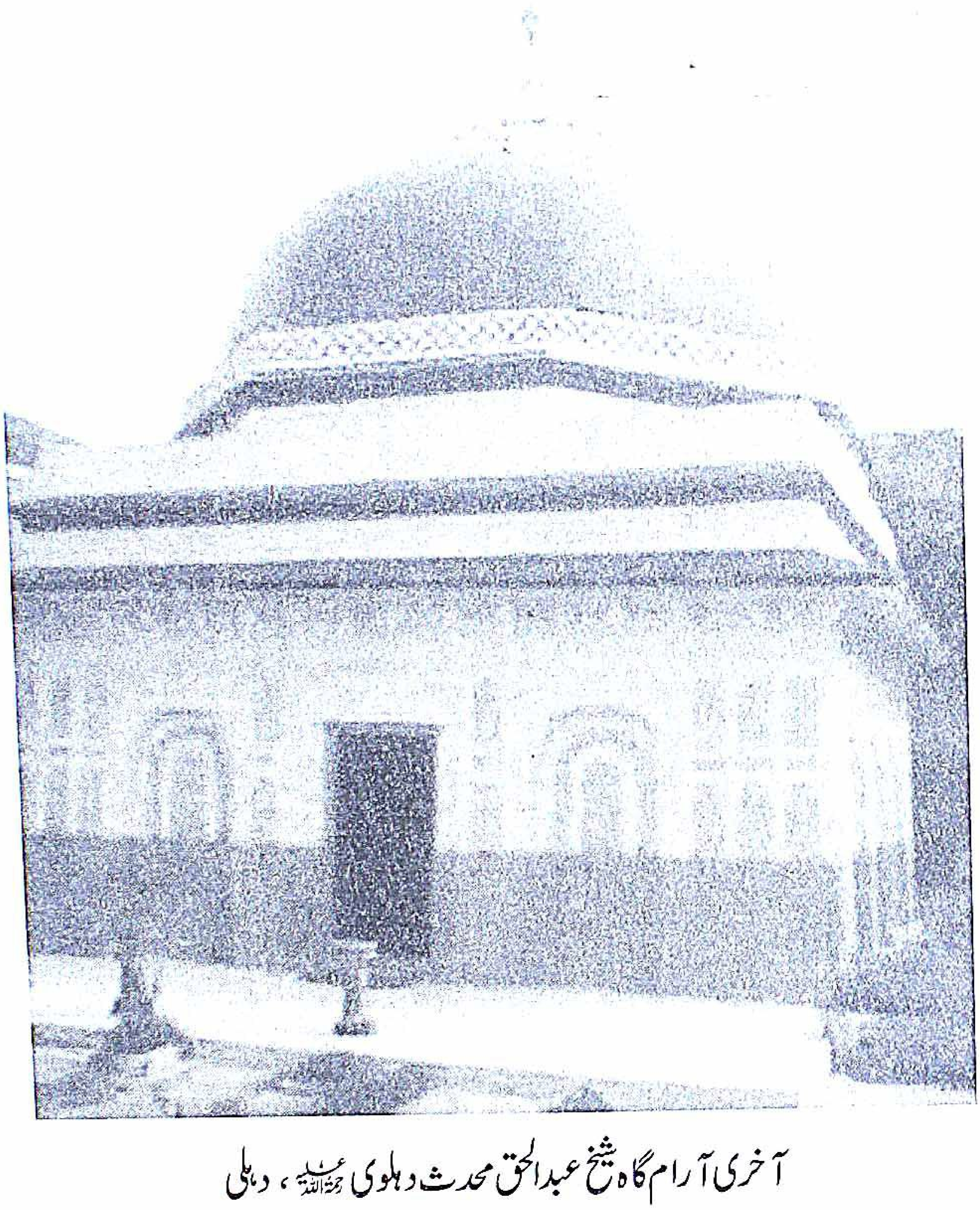

آخری آرام گاہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ، دہلی

Marfat.com

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ 1551ء بمطابق 956ھ کو دہلی کے ایک معزز بزرگ اور صاحب علم شخص سیف الدین صاحب کے ہاں پیدا ہوئے، آپ کے والد نے اپنے ذوق کے مطابق آپ کی تربیّت بھی انہیں بنیادوں پر کی۔ آپ علم کے بہت شائق تھے۔ آپ 996ھ میں حرمین تشریف لے گئے اور تحصیل علم کی تکمیل کی۔ تین چار سال کے قیام کے دوران آپ نے فن حدیث میں سند کا درجہ حاصل کیا اور تصانیف تحریر کیں۔ آپ کا وصال 1642ء بمطابق 1052ھ میں ہوا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر علمی کام کیا ہے اور علمی جہاد میں حصّہ لیا ہے، آپ نے طویل زندگی پائی، سرزمین ہند میں علوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث کی تعلیم میں حدیث کی باقاعدہ تعلیم وتدریس کا پودا آپ نے ہی لگایا اور نصف صدی تک اسے سیراب بھی کیا جس سے اس صنم خانۂ ہند میں باصلاحیّت لوگوں میں قرآن وحدیث کے علوم کی طرف دلچسپی پیدا ہوئی۔ آپ کے ہزاروں شاگردوں نے بعد میں اس جذبہ کو پروان چڑھایا اور دینی علوم کی مستقل بنیادوں پر تعلیم وتدریس کا آغاز کیا۔

آپ نے مغلیہ خاندان میں اکبر بادشاہ، جہانگیر بادشاہ اور شاہ جہان بادشاہ کا زمانہ پایا۔ آپ کا اور شیخ مجدّد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ایک ہی ہے بلکہ وہ آپ کے 13 سال بعد 1564ء میں پیدا ہوئے اور 1624ء میں وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیادہ کام کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

دونوں شخصیّات کے مزاج اور ذوق میں فرق ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کے مطلق العنان حکمران کے سامنے آکر مقابلے کیا جبکہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے

Marfat.com

پس منظر میں رہ کر یہ کام کیا۔ شیخ مجدّد نے مجاہدانہ انداز اختیار کیا اور جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے والا جہاد کیا تو شیخ محدّث نے شاگردوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کردی کہ وہ اسی مجاہدانہ جذبے سے سرشار تھی۔ شیخ مجدّد نے وقت کے فرعون کو سامنے آکر چیلنج کیا تو شیخ محدّث نے عوامی رائے کو بیدار کرکے حکمرانِ وقت کے خلاف اٹھایا۔ شیخ مجدّد نے الحاد اور روشن خیالی کے سیلاب کے آگے بند باندھ دیا تو شیخ محدّث نے آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی ایسی گمراہی کے خلاف شعور پیدا کرنے کا منصوبہ شروع کیا۔ شیخ مجدّد نے اُمت مسلمہ کو روشن خیالی، اباحیّت پرستی اور لادینیّت کی حادثاتی موت سے بچایا تو شیخ محدّث نے جان بلب اُمت کو توانا کرنے کی دوا کی۔ شیخ مجدّد نے دو حکمرانوں کو خلاف اسلام کاموں پر لگام دی تو شیخ محدّث نے لگاتار دو مسلمان نسلوں میں دینی علم کی مہمیز لگادی۔ شیخ مجدّد نے حکمرانوں اور مقتدر طبقات میں دین اسلام کی تبلیغ کی تو شیخ محدّث نے علماء حق کا طبقہ پیدا کرکے عوامی سطح پر اسلام کی حفاظت کی۔ شیخ مجدّد نے احیائے سنّت کا کام کیا تو شیخ محدّث نے احیائے علمِ حدیث کا کام کیا، شیخ مجدّد نے روحانی طاقت سے اِلحاد کا راستہ روکا تو شیخ محدّث نے علمی سطح پر اس وار کو ناکارہ بنادیا۔ شیخ مجدّد، اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمٰن کے مظہر تھے تو شیخ محدّث اللہ تعالیٰ کی صفت 'رحیم' کا مصداق۔ الغرض شیخ مجدّد، اللہ تعالیٰ کی جلالی شان کا پرتو تھے اور شیخ محدّث، اللہ تعالیٰ کی صفت جمال کا مظہر ــــــ دین اسلام کی خدمت کے دو رُخ تھے اور دونوں محاذوں پر کام وقت کی ضرورت تھی اور اسلام کی خدمت بھی ؏ ہر کسے را بہر کارے ساختند

شیخ محدّث رحمۃ اللہ علیہ نے سرزمین ہند میں علم حدیث کی ابتداء کی اور یوں دین کے علمی سرچشموں سے مسلمانانِ ہند کو روشناس کرایا۔

گزشتہ صفحات میں شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے۔ کہ ہندومت 1000ء سے لے کر 1350ء تک اپنے فکری، نظریاتی اور سیاسی زوال کا شکار رہا۔ مسلمان فاتحین آئے اور پہلے تو انہوں نے سیاسی طور پر ہندوؤں کو شکست سے دوچار کیا۔ اس وجہ سے کہ ہندوستان بھر کے راجے مہاراجے ایسے اخلاقی زوال میں غرق تھے کہ جس سے انسانیت شرمسار تھی۔ بعد ازاں علمی اور روحانی سطح پر مسلمان صوفیاء نے آکر کام کیا تو مقامی ہندو دھرم میں مقابلے کی سکت نہیں تھی سیاسی طور پر پہلے شکست خوردہ تھے علمی اور مذہبی طور پر مسلمان صوفیاء کے

Marfat.com

آ گے ڈھیر ہوتے چلے گئے ہندو مذہب کے اکابرین نے پس منظر میں جا کر جان بچائی۔

1206ء میں ہندوستان میں پہلی باقاعدہ علیحدہ مسلمان حکومت کا قیام ہے جس کے بعد اس کا ایک تسلسل ہے اس دوران صوفیائے کرام نے اسلام کی پاکیزہ سادہ فطری اور دلآویز تعلیمات کا ایسا پرچار کیا کہ صنم خانہ میں اسلام کی آغوش میں آنے والے "یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔

ہندومت کے رہنماؤں اور اکابرین نے اس وقت اسلام کی سیاسی وعسکری اور علمی و روحانی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے دونوں میدانوں میں کام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سیاسی وعسکری میدان میں ہندومت نے میدان جنگ میں مقابلے کے بجائے خالص ہندو روایات کے مطابق (جس سے مسلمان پوری طرح واقف نہیں تھے) اور چانکیہ سیاست کی عین مطابق دوستی کے روپ میں دشمنی یعنی بظاہر دوستی اور درحقیقت انتقام کی روش اپنائی۔ مسلمان حکمرانوں کے قریب ہوئے اور خوشامد، چاپلوسی اور اپنی وفاداری کے اظہار کے روپ میں حکمرانوں تک رسائی حاصل کی۔ ہندو نے اس سلسلے میں عورت کے ذریعے انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور ہندو عورتوں نے مسلمان حکمرانوں رئیسوں اور فوجی اعلیٰ عہدیداروں کے گھروں تک رسائی حاصل کر لی۔

بابر نے 1528ء پانی پت کی تیسری لڑائی میں فتح پائی اور اس نے عظیم مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی اس سے پہلے حکمران خاندان 50، 60 سال کے عرصے میں تبدیل ہو رہے تھے، بابر نے ایک مستحکم حکومت کے ذریعے پورے ہندوستان کا انتظام سنبھالا ـــــــ وقتی طور پر ہندو ذہن کو اس سے ایک دھچکا سا لگا۔ تاہم ایک ہی خاندان کی حکومت کا مطلب صرف ایک خاندان کو قابو کرنے اور قابو میں رکھنے سے پورے ہند کی تقدیر کو مٹھی میں کیا جا سکتا تھا۔ اسی اصول کے تحت بابر کے بعد ہمایوں آیا اور ہمایوں بے دخل ہو کر ایران چلا گیا وہاں سے چند سال بعد لوٹا اور اس نے پانی پت کی دوسری لڑائی میں فتح حاصل کر لی اور سلطنت مغلیہ بحال ہو گئی۔ 1556ء میں ہمایوں کی وفات پر اکبر نے نوعمری (بلکہ بچپن) میں ہی تخت نشینی اختیار کی۔ حالات کا گہرا مطالعہ کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہمایوں کی شکست سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تھی اور ہندو مغلوبیت کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اسلام نے تاریخ میں کبھی لوگوں کو ذاتی سطح پر مسلمان بنانے کے لئے جبر

Marfat.com

سے کام نہیں لیا ورنہ کم از کم ہندوستان میں 1000ء سے لے کر 1600ء تک سارے ہند کی انسانی آبادی مسلمان ہو چکی ہوتی۔ اس کے برعکس صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کی 1000 سالہ حکمرانی کے دور کے باوجود 1947ء تک مسلمان کی آبادی 25% سے زیادہ نہیں تھی۔

ہمایوں کی ہندوستان میں ایک ''وفادار'' فوج کے ساتھ دوبارہ آمد اور فتح پانے کے بعد سلطنت مغلیہ کے احیاء اور استحکام کے کام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہندستان سے باہر کی کچھ قومیں بھی اسلام کے خلاف اور ہندو کی حمایت میں ریاستی رسہ کشی میں شامل ہو چکی تھیں۔

اکبر کا عہد آیا اور 1580ء سے لے کر 1605ء تک اس کا دور عروج ہے اس میں ہندو 'عورت' نہ صرف محلات میں خادماؤں کی حیثیت سے داخل تھی بلکہ 'حرم' میں شامل ہو چکی تھی چنانچہ اکبر، اس کے وزراء، رؤساء اور امراء سب کے ہاں ہندو عورتوں سے شادی کا رواج تھا خود اکبر کے ہاں ہندو عورتیں تھیں اور شہزادہ سلیم جو بعد میں 'جہانگیر' بنا ایک ہندو عورت کے بطن سے تھا اس 'جنسی حملہ' ہی کا زہریلا وار تھا کہ حکمران خاندان کی 'قلب ماہیت' ہو گئی۔

دوسری طرف علمی و روحانی میدان میں مقابلہ کے لئے ہندومت نے اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اور منصوبہ بنایا اور نامعلوم ایسی کتنی کوششیں کی ہوں گی مگر جو کوشش اس دور میں سب سے زیادہ کامیاب رہی اور جس نے بعد میں ہندو کی مسلمان دشمنی کے ضمن میں بڑے دور رس نتائج بھی پیدا کیے ایک ایسے مذہب کا اجرا تھا جس میں کچھ تعلیمات ہندو مذہب کی ہوں اور کچھ شعائر اسلام سے لئے جائیں بظاہر شکل و صورت میں مسلمان سے مشابہت اختیار کی جائے جبکہ اس قوت کا سارا کنٹرول ہندو کے پاس رہے۔

اس میدان میں پہلی کامیاب کوشش یہ تھی کہ پنجاب سے ایک ہونہار نوجوان کو پہلے مسلمان بنایا گیا پھر اس کو تعلیم دلا کر مختلف اسفار پر روانہ کیا، مشرق میں آسام، بنگال، جنوبی ہندوستان، شمال میں تبت لداخ اور مغرب میں بغداد اور مکہ تک کے اسفار ظاہر کرتے ہیں کہ بظاہر وہ حقیقت کی تلاش میں تھا۔ مکہ تک رسائی کے لئے اس کا مسلمان ہونا یا کم از کم مسلمانوں کا روپ دھارنا ضروری تھا یہ ایک گہری سازش تھی واپس آ کر اس شخص نے یہ ظاہر کیا وہ بہت سے مذاہب (بشمول اسلام) کا مطالعہ کر کے ان کے حالات دیکھ آیا ہے اور اسے جو حقیقت ملی ہے وہ

Marfat.com

یہ نیا 'سکھ مذہب' ہے یہ دراصل ہندو ذہن کی پیداوار اسلام کے مقابلے میں نیا مذہب تھا۔

[سکھ مذہب کی اسلام دشمنی کی ایک دلیل یہ تھی کہ وہ مغلیہ سلطنت کے مسلمان حکمرانوں سے ہمیشہ دست گریباں رہے دوسرے سکھ دور حکومت میں مسلمانان پنجاب پر جو ظلم ہوئے وہ ظلم وستم کی منفرد داستاں ہیں پورے سکھ (70 سالہ) دور حکومت میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں پر تالے تھے اذان اور نماز پر پابندی تھی۔قرآن مجید لے کر باہر نہیں نکلا جا سکتا تھا۔اسلامی شعائر پر بھی پابندی تھی شاہی مسجد لاہور رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں گھوڑوں کا اصطبل تھا۔1937ء سے پہلے کی شاہی مسجد کی تصویر شاہی مسجد کے داخلی دروازے کے قریب آویزاں ہے پھر قیام پاکستان کے موقع ہندو کی شہ پر دہلی سے پاکستان آنے والے مہاجرین کا قتل عام اس سکھ دھرم کی ذہنیت اور سوچ کو ظاہر کرتا ہے جو ان کے دلوں میں مسلمان کے خلاف پوشیدہ ہے]

جناب گرونانک کا زمانہ 1469ء۔1539ء ہے۔اس میدان میں ہندومت کی کوشش کے باوجود کوئی مسلمان اس دام ہم رنگ زمین میں گرفتار نہیں ہوا شاید یہ ہوا ہو کہ ہندومت کے اندر اسلام سے قدرے متاثر طبقہ کے کچھ لوگ مسلمان ہونے کے بجائے سکھ مذہب کی طرف چلے گئے ہوں۔

یہ کوشش توقع سے بہت کم فائدہ مند ثابت ہوئی اس وجہ سے ہندو ذہن نے دوسرے محاذ میں سیاسی وعسکری سطح پر اپنے کام پر سارا زور لگا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے

اکبر نے اسلام سے منہ موڑ کر ہندومت عیسائیت یہودیت اسلام اور دیگر مذاہب کے کچھ شعائر لے کر ایک نیا دین 'دین الٰہی' جاری کر دیا اور اپنے آزاد خیال (LIBERAL) اور روشن خیال ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا۔جنسی آزادی (یا آوارگی) کی اجازت دی اور اس طرح اپنی سلطنت کے استحکام کا خواب دیکھا۔

تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ ــــــ اللہ تعالیٰ نے اکبر کے اس منصوبے کو شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے خاک میں ملا دیا۔

شیخ مجدد کی انقلابی اور حکمرانوں کے رُو در رُو توحید کی دعوت اور ''دینِ الٰہی'' کے ابطال کی گفتگو سے اکبر کی وفات 1605ء کے بعد جہانگیر کے دور حکومت میں ہی اسلام کا پلڑا بھاری

Marfat.com

ہونا شروع ہو گیا اور جہانگیر نے شراب وغیرہ جیسی قبیح عادات ترک کر دیں، دین الٰہی کا سارا پرچار ختم ہو گیا اور یوں ہندو ذہن کے حکمرانوں پر عورت کے ذریعے کنٹرول حاصل کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ یہ شیخ مجدّد کی مساعی اور ان کی وفات کے بعد شیخ محدّث کی تعلیمات اور اشاعت حدیث کے اثرات تھے کہ اب گلی گلی، قریہ قریہ، شہر شہر قرآن وحدیث کا تذکرہ تھا اور اسلام کی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

چنانچہ شیخ محدث کی تعلیمی خدمات اور نصف صدی کی مسلسل محنت شاقہ کا حاصل تھا کہ جہانگیر کے بعد شاہ جہان جیسا حکمران آ گیا۔ اور شاہ جہان کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب 1657ء میں برسراقتدار آ گیا۔

یہ اسلامی تعلیمات کا اثر تھا اور ہندومت کے درپردہ اسلام دشمنی کے جذبات کا کہ شاہ جہان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا کام کرا دیا جو آج تک ہندومت کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

اکبر کی وفات سے شاہ جہان تک نصف صدی میں اکبر کے دین الٰہی سے اسلام کی طرف واپسی کے نتیجے میں حکمران طبقے اور عوام کے بودوباش اور طور طریقوں میں انقلاب آ گیا۔

شاہ جہان کوئی زیادہ مذہبی حکمران نہیں تھا تاہم شیخ محدّث کی محنت اور ان کی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ کہاں اکبر کے حرم میں سینکڑوں عورتیں اور وہ مذہب کی قید سے آزاد اور کہاں شہنشاہِ ہند شاہ جہان کی صرف ایک منکوحہ بیوی۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی ایک بیوی کے بطن سے اس کے چودہ بچے ہوئے۔ عفّت وعصمت کی یہی داستان ہے کہ اس بیوی کی زچگی کے دوران وفات پر پورے ہند کے بادشاہ شاہ جہان کو دلی صدمہ ہوا جو ایمان کے اعتبار سے فطری بھی تھا۔ اس نے اپنی متوفیہ بیگم کی یاد میں ممتاز محل کی یادگار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک شاہی فیصلہ تھا دینی اعتبار سے اس کی حمایت نہیں کی جا سکتی تاہم قدرت نے اس تعمیراتی شاہکار کے ذریعے ہندومت کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ مارا جس کے اثرات وہ آج بھی محسوس کرتے ہیں اور شاہ جہان کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور بعض نادان مسلمان بھی اس ہندو سوچ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ 500ء سے لے کر 1000ء تک ہندوستان میں ہندومت

Marfat.com

کے عروج کا دور ہے اور دنیاوی آسودگی اور دولت کی ریل پیل کا بھی۔ اس دور میں ہندو ثقافت اور ان کی مذہبی اقدار کا آرٹ اور فن سنگ تراشی کے شہ پاروں میں ظہور ہے اور وہ ظہور یہ ہے کہ وسطی ہندوستان، سومنات، راجپوتانہ سے لے کر پورا مشرقی بھارت اور اس کے باہر مشرق بعید تک کی مذہبی عبادت گاہوں کی تعمیرات کا زمانہ یہی ہے اور ان مذہبی عمارات میں جہاں صاف ظاہر ہے بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد سب آتے ہیں اور عبادت کا ماحول ہوتا ہے اور مذہب کا لحاظ بھی۔ تاہم عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہندو ذہن نے اس دور کے اپنے مندروں کی تعمیر میں اپنے سینے اور ذہن میں پوشیدہ، بے شرمی اور بے حیائی کے جذبات کے اظہار کی انتہا کر دی اور مذہبی عمارات میں سنگ تراشی کے ذریعے بے حیائی کے ایسے مجسّمے تیار کر دیے کہ کوئی باضمیر اور شریف النفس انسان اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے کجا یہ کہ بچیاں عورتیں اور پورا خاندان دیکھے۔ (مغرب آج بے حیائی کر رہا ہے تو اسے کم از کم مذہب کا نام نہیں دے رہا جبکہ ہندوؤں کے ہاں یہ بے حیائی مذہب کا حصّہ اور روحانی درجات کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے آج کا مغرب ہندو اور ہندوستان کا ''بے دام مرید'' اور پرستار ہے)۔

یہ زمانہ حضرت شیخ محدّث رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور انہیں کی بے لوث تعلیمات کا اثر تھا جو پورے ہندوستان میں عوام پر بھی تھا اور خواص پر بھی اور عمائدین سلطنت پر بھی حتیٰ کہ بادشاہ وقت کی سوچ پر بھی۔

اسلام کی ثقافت جو اسلام کی عقائد اور تعلیمات کے نتیجے میں تیار ہوئی ہے اور آرٹ، فن سنگ تراشی اور خطّاطی میں ظاہر ہوتی ہے۔ ممتاز محل کا یہ مقبرہ ایک بادشاہ کا اپنی ایک محبوبہ بیوی کی یاد میں محبّت کی نشانی کے طور پر تعمیر ہوا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے اس میں یونان کے فوّاروں، یورپ کے سنگ تراشی کے شہ پاروں اور ہندوستان کے ننگ شرم وحیاء مذہبی عمارات کی طرح بھی ہوتا تو بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ تو ہے ہی ''محبّت'' کی نشانی۔ ہندو مذہب اور ثقافت اور مسلم عقائد اور سوچ کا فرق راجپوتانہ اور قنوج کے ان مندروں کے مقابلے میں مسجد کے پاکیزہ اور چاندنی کی طرح خنک ماحول سے واضح ہے ہی مسلمانوں کا کعبہ اور اس کا اندرون بھی اسی طرح پاکیزہ اور روح پرور ہے بلکہ مسلمان کے ضمیر کی طرح صاف اور ہر طرح کی کثافت سے مُبرّا۔ حتیٰ کہ مسلمان

Marfat.com

کی محبّت کی یہ نشانی بھی پاکیزہ ملکوتی جذبات کی عکاس ہے قارئین حیران ہونگے اس تعمیراتی عجوبہ میں سفید پتھر پر قرآنی آیات کندہ ہیں، پھول ہیں، محرابیں ہیں، فوارے ہیں، بہتا پانی ہے۔ تاج محل کے ایک طرف مہمانوں کے لئے مسجد بنائی گئی ہے تو دوسری طرف توازن (SYMMETRY) کے لئے اسی شکل کا مہمان خانہ بنایا گیا ہے شاہ جہان اوراس کی بیوی کی دیواری تصویر ہے جو بازار میں بھی مطبوعہ ملتی ہیں بس ـــــــ یہ تعمیراتی شاہکار ہندومت کی سفلی تعلیمات اور ذہنیت کے لئے طمانچہ اور اتمامِ حجّت کا درجہ رکھتا ہے۔ ہندوستان کے نقشے پر آگرہ پر پرکار کی نوک رکھ کر 800KM نصف قطر کا دائرہ لگائیں تو وہ سارے مقامات اس کے اندر آجائیں گے جس میں سب سے زیادہ ہندو مذہبیت اور ثقافت کے بے حیائی کے مجسّمے ہیں جسے دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور اس کے درمیان میں محبت کی یہ یادگار بھی ہے جو پاکیزہ انسانی جذبہ کی آئینہ دار ہے۔ سچ ہے ؏ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس عجوبہ روزگار کی تعمیر جس سال مکمل ہوئی وہ شیخ محدّث رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا سال ہے۔

شیخ محدّث رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات میں "اشعث اللمعات" جو مشکوٰۃ شریف کی شرح ہے، بہت اہم تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ ''تاریخ مدینہ'' اور ''مدارج النبوۃ'' بھی ہیں لیکن آپ کی معرکہ آرا تصنیف ''اخبار الاخیار'' ہے جس میں آپ نے ہندوستان کے اولیاء اور بزرگوں کے حالات لکھے ہیں جہانگیر بادشاہ نے اس کتاب کی بہت تعریف کی تھی۔

Marfat.com

11

صاحب ملک عظیم، درویش بادشاہ

حضرت محیّ الدین

اورنگ زیب عالمگیر

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1027ھ/ 1618ء (گجرات، بھارت)

○ 1657ء میں سلطنت مغلیہ کے تخت پر جانشین ہوئے

وفات: 1118ھ/1707ء

Marfat.com

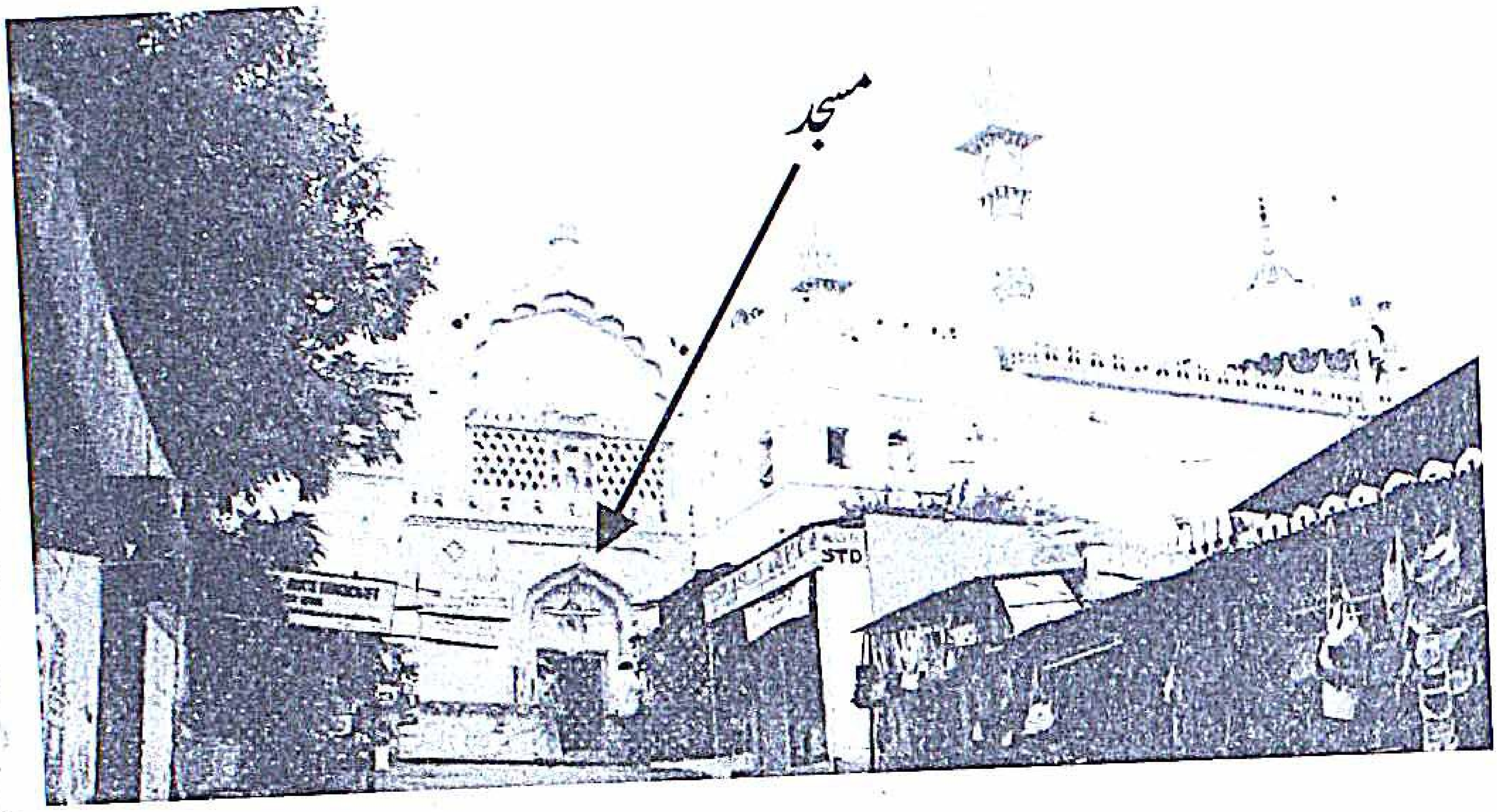

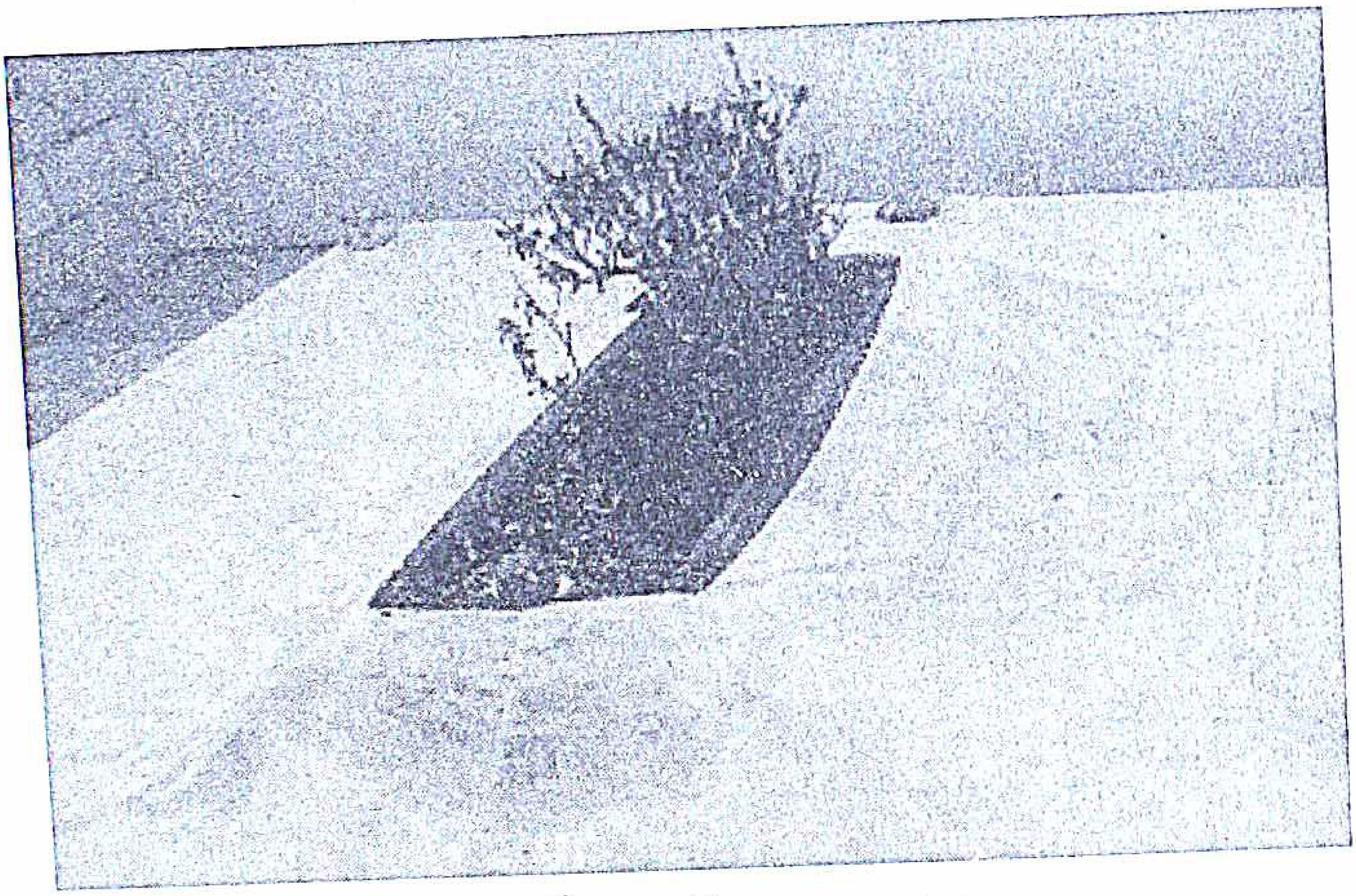

آخری آرامگاہ: اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

Marfat.com

حضرت محیؔ الدین اورنگ زیب 3 نومبر 1618ء کو شاہ جہاں کے ہاں ملکہ ممتاز محل کے بطن سے گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1657ء سے 1707ء تک کابل سے لے کر آسام تک حکومت کی اور 3 مارچ 1707ء کو نصف صدی تک 'درویشانہ بادشاہت' کا تحفہ دے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اتنی وسیع سلطنت اور اس کے انتظامی، سیاسی اور فوجی امور کی نگہداشت کے باوجود اس مرد جلیل نے ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید کی کتابت کر کے معمولی آمدنی سے ذاتی اخراجات چلائے ہیں کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں عالمی حالات و واقعات کا بہاؤ کس رُخ پر تھا؟ اس کا مختصر تذکرہ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و واقعات میں گزر چکا ہے تاہم چند پہلوؤں پر دوبارہ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

دین و مذہب کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ تاریخ بنیادی طور پر 'خیر' اور 'شر' کے درمیان کشمکش اور تصادم کا ہی دوسرا نام ہے کبھی یہ کشمکش دھیمے انداز میں رہی ہے جسے آج کل COLD WAR کہتے ہیں اور گاہے گاہے یہ کشمکش تصادم کی شکل اختیار کر لیتی رہی ہے جس سے جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی رہی ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد 'خیر' و 'شر' کی کشمکش کے دو فریق بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں اور گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ دراصل بنی اسرائیل اور مسلمان یا یہودیت اور اسلام یا بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی جنگ کا نام ہے۔

یہودیت نے کبھی سامنے آ کر جنگ نہیں بلکہ ہمیشہ دوسروں کو ابھار کر اسلام کے مدِ مقابل کھڑا کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ خلافت راشدہ کے

Marfat.com

دوران میں جب اسلام کو سیاسی استحکام ملا اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو اسلام کی تعلیمات اور سیاسی غلبے اور دراصل 'فلاحی ریاست' کا تصوّر ساری دنیا میں پھیل گیا تاہم یہودی مسلمانوں سے پہلے ہی 70ء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بزعم خویش سولی کے تختے تک پہنچانے کے جرم کی وجہ سے ٹائٹس رومی فاتح کے ہاتھوں ذِلّت اٹھا کر فلسطین سے دربدر ہو چکے تھے اور دنیا کے تمام معروف سیاسی، علمی اور تہذیبی مراکز میں قدم جمانے میں کامیاب ہو چکے تھے اصفہان، جنوبی ہندوستان، روس، عراق، ترکی، مشرقی و مغربی یورپ، شمالی افریقہ، حجاز وغیرہ میں یہودی آبادیاں (SETTLEMENTS) دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی ہیں گویا 'خیر' کی توسیع واشاعت سے پہلے 'شر' متوقع مقابلے کے لئے پوزیشن سنبھال چکا تھا۔

اسلام کے مدّمقابل اس طبقے یا بالفاظ دیگر آسمانی وحی سے بیزار اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے اس طبقے نے کئی طرح سے اسلام کو گھیرا ڈالنے کے جتن کیے ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ 1000ھ کے قریب دوسری ہزاری کے آغاز پر اس طبقے میں دوبارہ ایک جوش پیدا ہوا ہے اور آسمانی ہدایت کی مخالفت میں سرگرمیاں عُروج پر پہنچ گئی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں 800ء سے لے کر 1400ء تک ہندوؤں نے اسلام کا سیلاب روکنے کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں جن میں سکھ مذہب کا کھڑا کر دینا اس کا نقطہ عروج تھا تاہم اس کے پیچھے ہندو ذہن کا ایک فلسفہ تھا کہ مسلمان کو کسی طرح مقامی مذہب میں مُدغم کر دیا جائے؛ لہٰذا بھگتی تحریک (BHAKTI MOVEMENT) کا آغاز ہوا اس کے پرچاروں نے ایسے خیالات کا پرچار کیا کہ آسمانی مذاہب سب ایک ہیں ان کا منبع ایک ہے اور تعلیمات بھی ایک ہیں لہٰذا کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی رحمٰن کہہ کر اللہ کو پکارے یا رحیم کہہ کر، پرماتما کہہ کر یا بھگوان کہہ کر یا یزدان کہہ کر مخاطب کرے یا ایشور کے نام سے ہم کلام ہو۔ لہٰذا شدت پسندی کا خاتمہ اور تمام مذاہب کی یکساں پذیرائی ہونی چاہیے اور سب کو ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا چاہیے اور تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔

اس تحریک کے عوامی ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم کئی بڑی شخصیّات بھی اس سیلاب میں بہ گئیں اور مسلمانوں میں سے بھی کئی شخصیّات نے اس کا پرچار کیا۔ سکھ مذہب کا اجرا اسی کی

Marfat.com

ایک معین شکل تھی جو عسکریت پسندی اور مسلمانوں کو سیاسی سطح پر کمزور کر کے حکومت سے بے دخل کرنا چاہتے تھے؛ اسی لئے سکھوں کے تمام گرو تو مسلمان حکومتوں سے ہمیشہ ٹکراتے رہے اور اکثر و بیشتر شکست کھاتے رہے (آخری سکھ گرو، گوبند سنگھ اورنگزیب کے دور میں مارا گیا) اسی لئے مسلمان سکھوں سے دُور بھی رہے لیکن اس تحریک کے زیر اثر بہت سے لوگ صوفیا کے روپ میں اس فلسفہ کو قبول کر کے اس کے پرچارک بن گئے۔ مسلمانوں کی دوسری ہزاری (1596ء یا 1000ھ) کے لگ بھگ اس تحریک نے زور پکڑا اور مسلمانوں میں سے ہی اکبر جیسا حکمران پیدا ہو گیا جس نے دین الٰہی کو جاری کر کے تمام مذاہب کو خوش بھی کر دیا اور ساتھ بھی ملا لیا۔ اگرچہ ہندو تو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اکبر کی شکل میں مسلمانوں کو رام کر لیا تھا ـــــ تاہم یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اکبر نے اس بھگتی تحریک کا اثر قبول کر کے تمام حکومت مخالف عناصر کو ساتھ ملا لیا اور اپنی سلطنت کو دوام بخشا ہے۔ واللہ اعلم

مغلیہ سلطنت کے فرمانروا جہانگیر جلد ہی اس تحریک کے طلسم سے باہر آ گیا اور اس نے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کر لی اور شراب وغیرہ سے توبہ کر کے ایک حد تک سدھر گیا۔ تاہم اس تحریک کا اثر پھیلتا بڑھتا چلا گیا چنانچہ جہانگیر کے بعد شاہ جہاں آیا تو اس تحریک نے شاہ جہاں کے بیٹے دارا شکوہ کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اس کا پرچارک بن گیا۔ ہندو ذہن اور بھگتی تحریک کے کارپردازان (MASTER MINDS) نے یہ کوشش کی کہ اگر شاہ جہاں کے بعد دارا شکوہ کو حکمران بنا دیا جائے تو یہ تحریک کامیاب ہو جائے گی مگر "تدبیر کند بندہ، تقدیر کند خندہ" خالق کائنات کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت کے اثرات اتنی جلدی ختم ہونے والے نہیں تھے۔ اللہ نے اورنگ زیب عالمگیر کو آگے کر دیا اور دارا شکوہ کی جگہ شاہ جہاں کے تیسرے بیٹے نے باپ کے بعد تاج و تخت سنبھال لیا۔ دراصل اورنگ زیب صحیح راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اس نے بھانپ لیا تھا کہ میرا بڑا بھائی دارا شکوہ بھگتی تحریک سے شدید متاثر ہے جس سے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا اس نے آگے بڑھ کر دارا شکوہ سے جنگ کر کے جانشینی اور حکومت چھین لی اور باپ کو بھی قید کر دیا۔

ہندو ذہن اس عمل کو کبھی ہضم نہیں کر سکتا تھا لہٰذا انہوں نے اورنگ زیب کو ظالم

Marfat.com

غاصب اور نا معلوم کیا کیا کہا ہے۔ تاہم ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچیں تو سمجھ میں آئے گا کہ آخر ہندوکو دارا شکوہ کے حکمران بننے سے کیا دلچسپی تھی؟ دلچسپی یہی تھی کہ انہوں نے جتن کر کے ایک منصوبہ کے تحت ایک حکمران تراشا تھا جو تخت شاہی پر متمکن نہ ہو سکا بلکہ اورنگ زیب عالمگیر کی شکل میں اسلام کا ایسا محافظ سامنے آ گیا جس نے اس تحریک کے اثرات کو غیر مؤثر بنانے میں بڑا کام کیا اور کم از کم ایک صدی پیچھے دھکیل دیا۔

اس تحریک کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں سے 'مادھولال حسین' جیسے نام سامنے آ گئے جو پہلی نظر میں دیکھیں تو مادھو، لعل اور حسین تین مختلف مذاہب کے اثرات اپنے اندر رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ لاہور کے مشہور بزرگ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر سکھ گردوارہ امرتسر (جو بعد میں سکھ تحریک کا مرکز بنا اور 'گولڈن ٹمپل' کے نام مشہور ہوا) کا سنگ بنیاد رکھوایا گیا تا کہ مسلمان عوام کو دھوکہ دیا جا سکے۔ خدانخواستہ یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو مسلمانوں کے نام کے ساتھ کرشن، سنگھ اور دیگر الفاظ کے سابقے لاحقے نظر آتے جیسے آج کل بھارت میں شروع ہو چکا ہے اور تھری سی (COMMON CIVIL CODE) کے نام سے جو تحریک مسلمانوں کے فیملی لاز کو ختم کرنے کے لئے چل رہی ہے وہ آج سے دو صدیاں پہلے کامیاب ہو چکی ہوتی۔

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف۔21)

''اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

دشمنوں کی سرگرمیوں کا دوسرا بڑا مرکز سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں یورپ تھا۔ ان سرگرمیوں کے اسباب و نتائج پر مختصراً ترتیب وار چند اشارے پیش خدمت ہیں:

(1) سپین (ہسپانیہ یا اندلس) میں مسلم اقتدار 711ء سے بڑا مستحکم چلا آ رہا تھا جہاں یہود بھی بڑی آسودگی اور امن سے رہ رہے تھے۔ مشرقی یورپ میں عیسائیت کا غلبہ تھا اور یہ دور مسیحی یورپ کا DARK AGES کا دور ہے۔

(2) 1453ء عثمانی حکومت نے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ جو یورپ کا مشرقی شاہدرہ کہلاتا تھا، فتح کر لیا اور مزید پیش قدمی کر کے مشرقی یورپ کا بڑا حصہ بھی اسلامی حکومت میں شامل کر لیا ایک وقت میں مسلمان فوجیں فرانس کے قلب تک پہنچ گئی تھیں۔

Marfat.com

(3) رومی دارالحکومت قسطنطنیہ کے ہاتھوں سے چلے جانے سے مسیحی یورپ اور بنی اسرائیل (یہود) میں کھلبلی مچ گئی اور غصے اور بدحواسی میں انہیں اس کے سوا چارہ نظر نہیں آیا کہ سپین میں زوال پذیر مسلم اقتدار کو ختم کر کے مسلمانوں کو بھی ختم کر دیا یا زبردستی عیسائی بنا لیا گیا یا شمالی افریقہ کے ساحلوں پر اتار دیا گیا۔ سقوط غرناطہ کا یہ واقعہ 1492ء کا ہے۔

(4) اسی دور میں سپین میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی اور علمی برتری مسیحی یورپ کے ہاتھ آ گئی اور یہود نے اس علمی وراثت کو آنے والی صدیوں میں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(5) جب یورپ میں مسیحی اور یہودی آمنے سامنے ہوئے تو یہود نے اپنی سرشت اور تاریخ کے مطابق خود سامنا کرنے اور شکست و ریخت سے دوچار ہونے کی بجائے عیسائیوں کی اکثریت میں سے ہی ایک پروٹسٹنٹ خیالات کا حامی (یعنی اپنے ہی ایجاد کردہ کیتھولک عیسائی عقائد کے خلاف) نیا فرقہ کھڑا کر دیا اور بڑی جدوجہد سے اس کا وجود اور اس کے تحت عیسائیت سے آزاد بہت سے قوانین بھی منظور کرا لئے جن میں سب سے بڑا ثمرہ سود کی حرمت کے خاتمے کی شکل میں سامنے آیا۔

(6) یورپ میں سائنسی ترقی اور علمی برتری کی بنیاد پر یورپی اقوام میں احساس برتری پیدا ہوا تو سیاسی اور فکری پھیلاؤ کا مرحلہ آ گیا۔ یورپ کے مغرب میں سمندر بحر اوقیانوس تھا اور مشرق میں عظیم سلطنت عثمانیہ اور جنوب میں شمالی افریقہ بھی بہت دور تک عثمانی مقبوضات تھے جبکہ شمال میں منجمد سمندر۔ اس صورت حال میں نئی دنیاؤں کی تلاش کا مرحلہ سامنے آیا اور یورپ کے لوگ سیاحوں کی شکل میں بحری راستوں پر نکل کھڑے ہوئے اور اس میں کوئی شک نہیں ''جوئندہ یابندہ'' جو محنت کرتا ہے وہ محنت کا پھل پاتا ہے یورپ کے ان سمندری سیاحوں نے جا کر امریکہ پر قبضہ کر لیا (1498ء) جو بڑی وسیع نئی دنیا تھی اور اسٹریلیا پر قبضہ کر لیا اور دنیا کے متعدد بے آباد جزیروں پر بھی قابض ہو گئے۔

(7) اسی پس منظر میں 1498ء میں ہی واسکوڈی گاما نے مسلمان بحری ماہرین کی زیر نگرانی جنوبی افریقہ سے گھوم کر بھارت اور مشرق آنے کا سمندری راستہ دریافت کر لیا۔ جس سے سلطنت عثمانیہ کے گرد چکر کاٹ کر لمبے راستے ہی سے سہی جنوبی ایشیا تک رسائی ممکن ہو گئی اور یورپی عوام نے تجارتی منڈیوں کی تلاش میں یہاں آنا شروع کر دیا اور بنگال کے پاس ساحلی علاقوں پر ڈیرے

Marfat.com

ڈال دیے اور تجارت کو فروغ دینے کی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی (E.I.C) قائم ہوئی جو بعد میں پورے ہندوستان پر قابض ہو گئی۔ ہمارے پرانے شہروں میں کمپنی باغ اسی دورِ غلامی کی یادگار ہیں۔

(8) تجارت اور نئی منڈیوں کی تلاش میں یورپی اقوام کے نمائندے پورے ہندوستان میں پھیلے اور دہلی تک بھی رسائی حاصل کر لی۔ جب انسان محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستے خود بخود پیدا کر دیتا ہے اور جب قوم سو جاتی ہے اور کاہل ہو جاتی ہے اور نام نہاد 'توکل' اختیار کر لیتی ہے تو وسائلِ ترقی کے پہلے سے موجود دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں یا ہاتھوں سے چھن جاتے ہیں۔

عظیم مغل بادشاہ شاہ جہاں بیمار ہوا تو اس کے علاج میں مقامی حکماء اور اطباء کو کوئی کامیابی نہ ہوئی بادشاہ بہت پریشان تھا کہ ایک یورپی ڈاکٹر دہلی میں موجود تھا جس نے پیش کش کی اگر اسے علاج کا موقع دیا جائے تو وہ علاج کر سکتا ہے اس نے بادشاہ کا مختصر سا علاج (OPERATION) کیا اور بادشاہ صحت مند ہو گیا جس سے شاہ جہاں نے اُسے مشرقی بادشاہوں کی روایت کے مطابق کہا: مانگو جو مانگتے ہو؟ اور اس نے انعام کے طور پر صرف یہ مانگا کہ ہم پردیسی لوگ ہیں تجارت کی غرض سے آئے ہیں منافع زیادہ نہیں ہے ہمیں مقامی ٹیکس (IMPORT TAX) معاف کر دیے جائیں بادشاہ نے سادگی میں اس بات کی منظوری دے دی جس سے یورپی تاجروں کے لئے اسلحہ لانے کے راستے کھل گئے اور انہوں نے جلد ہی اپنی آبادیوں کو اسلحہ سے بھر دیا اور ہندوستان پر سیاسی تسلط اور قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔

اس پس منظر میں جنوبی ہند میں مغلیہ سلطنت کا بطلِ جلیل حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ برسرِ اقتدار آ گیا۔ ایک طرف اُسے مسلمانوں کے اندر بدعملی اور دین سے دوری کے سبب فکری انحطاط کا سامنا تھا ـــــــ دوسری طرف مغلوں نے ایک صدی کے اقتدار کے باوجود شریعتِ اسلامی کا کامل نفاذ نہیں کیا تھا۔ اورنگ زیب اس میدان میں بھی مخلص تھا کہ اسلام کے تمام عدالتی قوانین نافذ ہوں اور انصاف کا بول بالا ہو اور مسلمان حکومت کی ذمّہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا پورا ہو ـــــــ تیسری طرف اُسے ہندوستان کی اکثریتی مذہب ہندوازم کی طرف سے بھگتی تحریک کے وار خالی جانے اور دارا شکوہ کے اقتدار پر قابض

Marfat.com

ہونے سے محروم رہ جانے کا شدید صدمہ اور ردِ عمل کا خدشہ تھا ــــــ اور چوتھی طرف سکھ گروہوں کی مسلسل بغاوتوں کا سامنا تھا اور وہ بالخصوص موجودہ پنجاب اور سرحد کو قبضہ میں لے کر مغلیہ سلطنت کا زمینی رشتہ افغانستان، ایران اور ترکی کی مسلم دنیا سے کاٹ دینا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں سے سختی سے نمٹا جا سکے۔

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے موقع دیا اور طویل عرصہ (نصف صدی) کی حکمرانی دی، وسیع وعریض سلطنت دی تو صلاحیّتیں بھی وافر عطا فرمائیں تاکہ وہ صحیح انداز میں اور صحیح نہج پر دین کی خدمت کر سکے۔

ذیل میں اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی نصف صدی کے چند کارنامے اشارات کی شکل میں ترتیب وار درج کیے جاتے ہیں:

(ا) اورنگ زیب نے اپنی طویل تخت نشینی کے دور میں زیادہ وقت مختلف مہمّات میں گزارا۔ 1662ء میں اس نے مغربی آسام کا محاصرہ کیا جو 1667ء میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ 1666ء میں اس نے چٹا گانگ اور 1667ء میں کابل کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ دوسری طرف اُسے کابل پر زیادہ توجہ دینا پڑی۔ 1672ء اور 1681ء میں دوبارہ اس کو پٹھانوں کی شورش کا سامنا کرنا پڑا۔ 1679ء میں اس نے مردار (جودھ پور) اور میواڑ (اودھے پور) کی سلطنتوں پر دو کامیاب حملے کیے ان میں سے مردار اس کے قبضہ میں آ گیا لیکن میواڑ کے ساتھ 1681ء میں معاہدہ امن طے ہوا۔ 1685ء میں اس نے بیجاپور اور 1686ء میں گول کنڈہ کی ریاستوں پر دوبارہ کامیاب حملے کیے اور انہیں سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا یوں پہلی بار سلطنت مغلیہ ساحل چٹا گانگ سے لے کر کوہ ہندوکش کے دامن تک پھیل گئی۔

اگلے کئی برس اس نے سلطنت کے انتظام وانصرام میں گزارے مگر بدقسمتی سے وہ ایک اچھا منتظم ثابت نہ ہو سکا۔ مرکز سے مسلسل غیر حاضری نے مقامی سرداروں کو سر اٹھانے کا موقع دیا۔ خصوصاً مرہٹوں نے اسے کبھی بھی چین سے نہ بیٹھنے نہ دیا۔ اکبر کے برعکس اورنگ زیب ایک پکا سُنّی العقیدہ مسلمان تھا جبکہ اس کا بھائی دارا شکوہ ملحدانہ عقائد کا حامل سمجھا جاتا ہے اس نے اسلامی قوانین کو اقوالِ ائمہ کی روشنی میں نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں نظام عدلیہ میں بے شمار

Marfat.com

تبدیلیاں کیں، مختلف مجموعہ کے فتاوے مرتب کرائے اس بنا پر بہت سے آزاد خیال مسلمان اور متعصب ہندو اس کے مخالف ہو گئے۔ مسلمانوں کو سب سے بڑا اعتراض اس بات پر تھا کہ اورنگ زیب نے سکہ پر سے کلمہ طیبہ کے حروف حذف کرنے کا حکم دیا تھا اور ہندو کو اس بات پر چڑتھی کہ اس نے ذبیحہ گائے اور ہندوانہ طرز سلام کے متعلق اکبر کے قوانین کو منسوخ کر دیا تھا۔ ہندوؤں نے اس پر بت شکنی اور مندر شکنی کے الزامات بھی عائد کیے ہیں۔

(ب) عالمگیر نے ایسی تمام رسوم کو جو غیر اسلامی تھیں یا اسلام کے منافی تھیں، بند کر دیا اور سب سے پہلے اس نے دربار میں اصلاحات کیں۔ سالگرہ اور تاج پوشی کے جشنوں میں سادگی پیدا کی، درباری نجومی موقوف کر دیے، جھروکے میں بیٹھنے کی رسم ختم کر دی، جشن نوروز بند کر دیا، الٰہی تقویم منسوخ کر کے اسلامی تقویم رائج کی، اس کے علاوہ محرم کے جلوس وغیرہ بند کرائے۔ قمار بازی، عصمت فروشی، شراب نوشی بند کر دی، موسیقی کے غیر معتدل اثر کی وجہ سے لوگ شمشیر و سنان بھول کر طاؤس و رُباب میں گم ہو چکے تھے، عالمگیر نے موسیقی بھی بند کرا دی۔

مسلم عوام کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے اس نے بڑے مستعد محتسب مقرر کیے، ائمہ مساجد کی تطہیر کی، اسلامی فقہ مدوّن کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے عالمگیر کی سرپرستی میں فتاویٰ عالمگیری مرتّب کیا، جو بین الاقوامی شہرت کا حامل مجموعہ ہے۔

(ج) عالمگیر بہت بلند کردار کا مالک تھا، اس کی زندگی اسلامی روایات کے عین مطابق تھی، وہ تمام مذہبی واجبات کا سختی سے پابند تھا، زندگی عیش و آرام سے کوسوں دور تھی، لباس اور خوراک بڑی سادہ تھی، اس نے سرکاری خزانہ کو ہمیشہ قومی امانت سمجھا اور کبھی ایک پیسہ نہ لیا، اپنے ذاتی مصارف پورے کرنے کے لئے وہ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سیتا اور قرآن مجید لکھتا اور اسی اصول پر اس نے تمام زندگی بسر کی، وہ ایک صوفی تاجدار تھا، اس کا تصوّر حکومت بہت اعلیٰ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا مجھے اس دنیا میں اس لئے لایا کہ میں اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے زندہ رہوں اور محنت ومشقت اٹھاؤں۔ میرا فرض ہے کہ اپنی راحت کا خیال صرف اس حد تک کروں جس حد تک اسے میری رعایا کی خوشی حاصل ہو۔

Marfat.com

12

حکیم الامت، مجددِ ملت، داعیٔ اتحادِ اُمت

حضرت عظیم الدین

شاہ ولی اللہ

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1114ھ/1703ء

- 1732ء حرمین سے واپس تشریف لاکر اپنے والد ماجد کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ میں درس وتدریس کے سلسلہ کے آغاز کیا۔
- 1737ء میں قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

وفات: 1176ھ/1762

Marfat.com

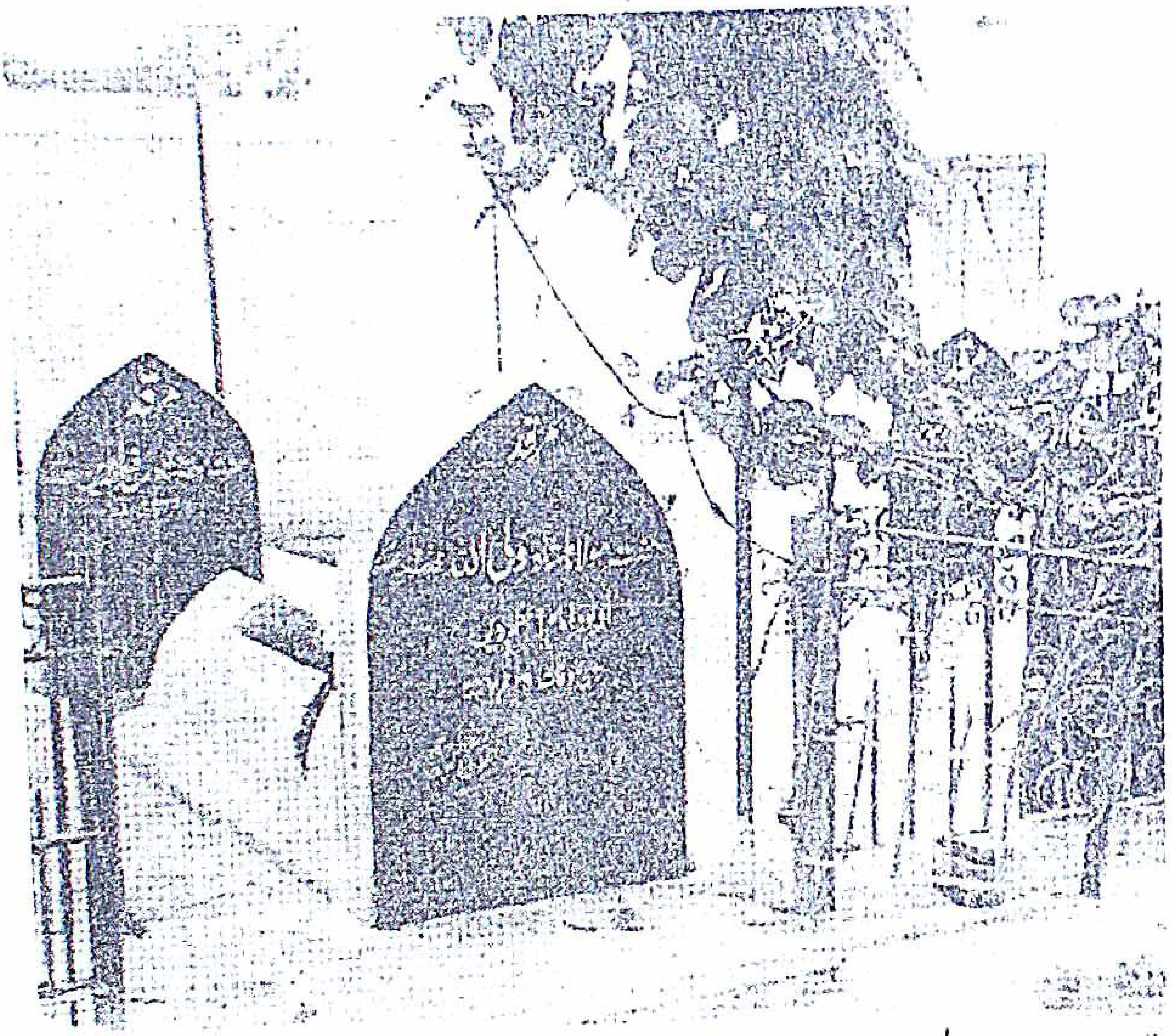

قبرستان مہندیاں دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مزار مبارک ۔ ان کے مزار کے پائنتی
جانب ان کے فرزند اور قرآن حکیم کے مترجم شاہ رفیع الدین محدثؒ محو خواب ابدی ہیں ۔

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مغل فرمان روا اورنگزیب عالمگیر کے سنہری عہد کے آخری سالوں میں 1703ء میں ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ شاہ عبدالرحیم کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے اور مُغلیہ سلطنت کے زوال کے پُر آشوب زمانے میں، جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے خارجی لحاظ سے مرہٹہ قوت کی متشدّدانہ کاروائیوں وغیرہ اور داخلی طور پر بے عملی کے خلاف جدوجہد میں زندگی گزار کر (قمری لحاظ سے) 63 سال کی عمر میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اٹھارھویں صدی جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے بڑی کٹھن اور مشکلات سے گھری ہوئی صدی ہے ہر چہار طرف سے بڑے مہیب اور خوفناک خطرات نے اُمّتِ مسلمہ کو گھیر لیا تھا۔

- ایک طرف یورپی استعمار اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ وُسعت پذیر تھا اور 1600ء میں تشکیل دی گئی EIC (EAST INDIA COMPANY) بنگال کے پورے ساحلی علاقوں پر قابض ہوتی جارہی تھی، مقامی لوگوں میں ہندو محکوم تھے اور مسلمانوں سے زخم خوردہ بھی تھے؛ لہٰذا وہ انگریز کے فطری حلیف تھے اور اس دوستی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ EIC نے 1750ء کے لگ بھگ یہ جرأت کی کہ اس نے بنگال پر قبضے کا منصوبہ بنایا اور 1753ء میں بنگال کے حکمران نواب سراج الدولہ سے لڑ کر انہوں نے بنگال پر قبضہ کر لیا۔ ہندو کا کردار سخت منافقانہ رہا۔ مسلمانوں میں سے بھی ایک گروہ نے انگریز سے مراعات اور بہتر مستقبل کے عوض اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے غدّاری کر کے اس اقدام کو ممکن بنایا۔ مشہور شعر ہے

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ دین ننگِ قوم ننگِ وطن

Marfat.com

میں جعفر از بنگال سے مراد نواب سراج الدولہ کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کر کے شکست کا سبب بننے والے میر جعفر تھے۔

○ دوسری طرف ہندو قوم جو گزشتہ دو تین صدیوں سے بیدار ہو کر اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے مسلمانوں سے انتقام لینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ پہلے اس نے مذہبی میدان میں سکھ مذہب کھڑا کر کے مسلمانوں کی تعلیمات کا کچھ حصہ اپنے اندر سمو کر مقامی آبادی کے مسلمان ہونے کے عمل کو روکنے کی سعی لاحاصل کی تھی۔ سکھ تحریک دراصل مذہبی کم اور سیاسی تحریک زیادہ تھی ورنہ اس کے ہاتھ میں کرپان کی بجائے 'مالا' ہوتی اور سکھ ''گرو'' مسلسل تین صدیاں مغل حکمرانوں سے برسر پیکار نہ رہتے بلکہ دوسرے مذاہب کی طرح اپنی مذہبی سرگرمیوں میں مصروف رہتے۔ اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ سکھ مذہب کے اہم گرو مغل حکمرانوں سے مسلسل حالت جنگ میں رہے اگرچہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ مغل سلطنت کے زوال کے وقت اور اس کے بعد انہوں نے زور پکڑا اور پنجاب، سرحد اور کشمیر کے بعض علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

○ تیسری طرف ہندو قوم جنوبی ہند سے مرہٹہ قوت تیار کر کے مغلیہ سلطنت پر قبضے کا خواب دیکھ رہی تھی اور موقع کے انتظار میں تھی۔ مغل بادشاہ اورنگزیب نے اس مرہٹہ قوت کو 25 سال تک دکن تک محدود رکھا اور اس طویل جنگ میں وہ اپنی 50 سالہ حکمرانی کے دوران 25 سال دارالحکومت سے باہر اس فتنہ کو ختم کرنے میں مصروف رہا تھا۔ اس سے اس فتنہ کی شدّت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کی وفات (1707ء) کے بعد آہستہ آہستہ یہ فتنہ دوبارہ اُٹھا اور دہلی تک اس کی زد میں آ گئے۔

○ چوتھی طرف روسی ترکستان کے علاقے میں نادر شاہ نامی بادشاہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور مغلیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے وہ دہلی پر حملہ (1739ء) کر کے وہاں لوٹ مار کرنے میں کامیاب ہو گیا اگرچہ اس نے مستقل قیام کی کوشش نہیں کی اور جلدی واپس چلا گیا۔ نادر شاہ کے اس حملہ سے مغلیہ سلطنت کی داخلی کمزوریوں کا بھرم کھل گیا اور انتظامی بدنظمی اور سیاسی خلفشار عروج پر پہنچ گئے۔ مرکز گریز عناصر اور مرہٹہ قوت کو اس سے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے راستہ صاف نظر آیا اور اس طرح مرہٹہ قوت کی سرگرمیاں بڑھ کر دہلی تک پہنچ گئیں۔

Marfat.com

پانچویں طرف مسلمانوں کے اندر باہمی خلفشار اور فکری انتشار کے ساتھ بے عملی اور حکمرانوں کی دیکھا دیکھی عام آسودہ حال طبقے میں بھی عیش پرستی، لہو ولعب، آرام پرستی، جوا اور شراب جیسی لعنتیں در آئی تھیں۔ مسلمان عوام کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران طبقہ ـــــ خاندان مغلیہ بھی داخلی انتشار کا شکار ہو گیا۔ مغل بادشاہ اکبر کی بے دینی اور ارتداد کے ردِّعمل میں مسلمانوں میں ایک عمومی بیداری پیدا ہوئی اور اہل علم و اہل دانش مخلص حضرات نے اسلام کی خدمت کو اپنا شعار بنایا جن میں شیخ مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام بہت نمایاں ہیں اس مثبت کام کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ مغلیہ خاندان میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہو گئے اور ایک صدی کے اندر ہی بات جہانگیر کی شراب وکباب سے توبہ سے لے کر اورنگزیب عالمگیر کے فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں اسلامی قوانین کے مکمل نفاذ تک جا پہنچی۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی اورنگزیب کا معاملہ مسلمان بادشاہوں میں بھی نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور اپنی مثال آپ تھا۔

یہ بات اسلام دشمن لوگوں کو ہضم نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر سے مرکز گریز عناصر کو شہ دی گئی اور آخری حربے کے طور پر ایوان سلطنت میں خلفشار پیدا کرنے کے لئے کوششیں تیز ہو گئیں۔ ہوا یہ کہ فتاویٰ عالمگیری چونکہ اہل سنّت کے متفقہ عقائد کا مجموعہ تھا اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت 99% کی سوچ کا عکاس تھا اس کو ختم کرنے کے لئے اسلام دشمن قوتوں نے کاری وار کیا اور اہل سنّت کے مقابلے میں شیعہ مسلک کو فروغ دینے کا کام شروع ہوا اور اس کی انتہا یہ کہ اورنگ عالمگیر کا بیٹا محمد معظم عالم شاہ بہادر شاہ اوّل جب حکمران ہوا۔ جو کہ خود بھی بڑا عالم فاضل تھا۔ اس نے یہ سرکاری اعلان جاری کر دیا کہ اس نے بھرپور مطالعہ کے بعد مذہب شیعہ کو 'حق' جان کر اس کو اختیار کر لیا ہے۔ اس فیصلے سے خود مقتدر حلقے میں خلفشار پیدا ہو گیا اور خاندان مغلیہ جو دو صدیوں سے اہل سنت کے مسلک پر چلا آرہا تھا اور اسلامی شریعت کا نفاذ اس کا نقطہ عروج تھا ـــــ اس کی ساری محنت اور کام زمین بوس ہو گیا اور خاندان مغلیہ کے اندر گھر گھر بحث وتمحیص کے دروازے کھل گئے اور صلاحیتیں تقسیم ہو گئیں جس سے حکومتی استحکام میں تزلزل آ گیا اور مغلیہ اقتدار بے لنگر کے جہاز کی طرح ہچکولے کھانے لگا اور حکمران یکے بعد

Marfat.com

دیگرے تیزی سے بدلنے لگے۔ تا آنکہ ـــــــ اسی بدنظمی، افراتفری اور ذاتی اغراض کی جنگ کے پیش نظر افغانستان سے نادرشاہ نے حملہ کر کے دہلی کو تاخت و تاراج کر دیا اور قتل عام کیا، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا مگر حالات کی ناسازی کے باعث وہ جلد ہی واپس لوٹ گیا۔ خاندان کے اس داخلی مذہبی انتشار نے مغلیہ حکومت کے زوال میں بہت بنیادی کردار ادا کیا اور اسلام دشمن عناصر کے لئے کامیابیوں کا راستہ کھول دیا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شعور کی آنکھ کھولی اور حالات کا بغور مشاہدہ کیا۔ شاہ صاحب نے حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین کا سفر کیا اور حصول علم کی خاطر وہاں کچھ عرصہ رُکے رہے۔ وہاں ان کی ملاقات شیخ محمد بن عبدالوھاب سے رہی جو شاہ صاحب کی طرح شیخ محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے حصول علم کر رہے تھے، اس قیام کے دوران شاہ صاحب کو بلادِ اسلامیہ سے آنے والے اہل علم و دانش سے تبادلہ خیالات کا بھرپور موقع ملا اور ایران، ترکستان، افریقہ، انڈونیشیا، ملائشیا، ترکی غرض عالم اسلام کے مسلمانوں کے حالات و خیالات جاننے کا موقع ملا۔ شاہ صاحب نے انہی مواقع سے فائدہ حاصل کر کے اُمّت مسلمہ کے لئے آئندہ کے لائحۂ عمل اور اس کی تیاری کے لئے اپنی تصنیفات کا سہارا لیا اور اپنے شاگردوں کو اس کے لئے تیار بھی کر دیا۔

عالمی حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے جب شاہ صاحب نے وطن واپس پہنچ کر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے حالات کو دیکھا تو انہیں مسائل کا ایک انبار نظر آیا۔ چنانچہ انہوں نے کمال پامردی سے دہلی میں مقیم ہو کر ان حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور انہوں نے جن اہم امور پر توجّہ دی ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

- مسلمانوں کی عمومی رہنمائی اور بیداری کے لیے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ بات یاد رہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی سرکاری زبان فارسی تھی اور تمام اہل علم فارسی جانتے تھے اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ (اگرچہ بے عمل علماء و صوفیاء اور جاہل عاملوں اور تعویذ گنڈا کرنے والے طبقات میں اس سے بے چینی پھیل گئی اور شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا گیا۔)

Marfat.com

○ قرآن مجید پر اہل علم کے غور وفکر کے لئے بنیادی اصولوں کی وضاحت فرمائی اور ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' نامی کتاب تحریر فرمائی جو آج بھی اپنے موضوع پر ایک مستند تحریر تصوّر کی جاتی ہے۔

○ یورپی استعمار کی آمد پر مسلمانوں کی زبوں حالی اور اسلامی حکومت کے زوال سے مسلمانوں کے غیروں کے غلام بن جانے کا خدشہ نظر آرہا تھا۔

اس میدان میں ہندوؤں کا مسلمانوں کے خلاف یورپی استعمار کا ساتھ دینے اور مکمّل طور پر اس کا دست و بازو بننے کے بھرپور مواقع سامنے تھے جب کہ مسلمانوں میں چار صدیوں کی حکمرانی کے باعث کردار کی کمی اور قائدانہ صلاحیّتوں کا فقدان نوشتۂ دیوار تھا۔ مغلیہ خاندان میں کوئی شخصیت ایسی نہ تھی جو سلطنت کو سنبھال سکے اور شکست وریخت سے بچا سکے۔ مسلمانوں میں حکومتی زوال کے باعث فرقے اور گروہ بندیاں اور علاقائیت سر اٹھا رہی تھی۔ مسلمان علماء وصوفیاء بالعموم اصلاحی اور تعمیری کام سے غافل تھے۔ شریعت اور تصوّف، ظاہری علوم اور باطنی علوم، عشق و عقل، فقہی مذاہب کے اختلافات اور تصوّف وروحانی مسالک کے مابین صرف دوری ہی نہیں بلکہ عدم برداشت کے رویّے وقت کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے فقہی مسالک میں اعتدال کی راہ اپنانے کے لئے ایک کو غلط اور دوسرے کو صحیح قرار دینے کے طریقے کی بجائے بقائے باہمی کے اصول کو فروغ دیا جو عین انصاف کا تقاضا اور شریعت حقّہ کا مقصود بھی تھا چنانچہ آپ نے ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' نامی کتاب لکھ کر اہلِ علم کی اس جانب رہنمائی فرمائی۔

○ شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح آپ نے تصوف کے میدان میں بھی شریعت کی پابندی کا اصول اپنایا اور اس کو عام کر کے اسلامی معاشرے کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔ نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے ضمن میں بھی دونوں نقطہ ہائے نظر میں موافقت اور تطبیق کا راستہ اختیار کر کے امت کو مزید تقسیم اور خلفشار سے بچالیا۔

○ مغل حکمران ہمایوں کی ایران سے نظریاتی فوج کے ہمراہ واپسی اور حکومت کی بحالی کے بعد ایک صدی تک شیعہ مسلک برصغیر میں پس پردہ رہا اور اپنے منفرد اعتقادات کا پرچار کرتا رہا

Marfat.com

مگر اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بادشاہ کے شیعہ مسلک اختیار کر لینے کے اعلان سے یکا یک حالات بدل گئے اور لوگ شیعہ مسلک اختیار کرنے لگے اور ان کے مخصوص نظریات عام ہونے لگے جب کہ اہل سنت عوام اور خواص پہلے پہل اس سے بے خبر رہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میدان میں مسلمان امت کی بہتری کے لئے اور مسلمانانِ ہند کی بقا کی خاطر مسلک اہل سنّت کا مدلّل دفاع فرمایا اور علماء و خطباء اہل سنّت اور صوفیاء و واعظین کے ہاتھ میں دلائل کا ایک ایسا دبستان دے دیا جو آج تک اہل سنت کی دل کی آنکھوں کے لئے سرمہ کے طور پر اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ ہماری مراد شاہ صاحب کی تصنیف لطیف "قرة العينين فی فضلية الشيخين" سے ہے جس میں شاہ صاحب نے کمال مہارت سے دور نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خَیرُ القُرُونِ قَرنِی سے متّصل بعد خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کو حق ثابت کیا اور ان کی فضیلت کو مدلّل و مُبَرہَن کر دیا کہ آج بھی روز اوّل کی طرح روشن کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر فضیلت علیٰ ترتیب الخلافت کو بھی عوام کے ذہن میں اتارنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ (اس ضمن میں آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفه اثناعشريه" لکھ کر اہل سنّت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور عوامی سطح پر بھی اِحقاقِ حق کا فریضہ ادا کر دیا)

○ سب سے اہم معاملہ جس پر شاہ صاحب نے کام کیا اور یہ کام شاہ صاحب جیسا عبقری اور GENIUS ہی کر سکتا تھا کہ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے حکومتی زوال کے جلو میں ایمانی کیفیات کا زوال اہل علم کو نظر آ رہا تھا، اس کے لئے نہایت وقیع اور حد درجہ قابلِ قدر کام کیا اس شعبہ میں ان کے تعمیری کام کے دو حصے ہیں: (1) سیاسی و فلاحی کام (2) علمی اور تصنیفی کام

علمی دنیا میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مخصوص خارجی حالات کے اعتبار سے جب بھی کوئی کام کیا جاتا ہے تو وہ دو طرح کی امکانی صورتیں ہوتی ہیں: کچھ لوگ طبعاً مثالیت پسندی (IDEALISM) کی طرف میلانِ طبع رکھتے ہیں وہ اسی طرح کی سوچ کے تحت آگے بڑھتے ہیں اور اسی طرز (IDEALISTIC APPROACH) پر اپنے فکر کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ نفسیاتی طور پر واقعیت پسند (REALIST) ہوتے ہیں ان کی سوچ واقعیت پسندی اور خارجی معروضی حالات کے تحت ہی کسی کام کی عملی تفصیلات طے کرتی ہے۔ یہ سوچ REALISM

Marfat.com

اور یہ طرزِ فکر REALISTIC APPROACH کہلاتی ہے۔ جب کہ کچھ مردانِ کار جو اپنی سوچ کو بھی بلند رکھتے ہیں اور عملی اقدامات کے طور پر ہوا میں قلعے تعمیر نہیں کرتے بلکہ واقعاتی اور حقیقی ماحول کے مطابق عملی اقدامات کرتے ہیں۔ گویا IDEALISM اور REALISM کے درمیان چلتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے اقتدار کی کشتی کو بھنور میں دیکھا ہے اور یورپی استعمار کی پیش رفت کے تحت مسلمان امّت کے وجود کو لاحق خطرات (جو سپین کے مسلمانوں جیسے بھی ہو سکتے تھے) سے نکالنے کے لئے فوری عملی اقدامات بھی کیے ہیں اور اسلام کے حقیقی اجتماعی تصوّر خلافت وحکومت کو از سر نو بحال کرنے کے لئے فکری سطح پر اعلیٰ معیار کا مواد فراہم کیا ہے نیز اس کے لئے ضروری جذبہ عمل کے طور پر جہاد کے لئے بھی کام کیا ہے۔

1 جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے فوری مسائل کا حل

اصلاحی اور تبلیغی نوعیّت کے کام کے علاوہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو درپیش ہنگامی نوعیّت کے مسائل کا حل بھی نکالنے کی کوشش فرمائی تھی آپ نے بہت سے نوابوں اور مشہور سیاسی لوگوں کو خطوط لکھے اور ہندوؤں کی مرہٹہ قوت کے احیاء، یورپی استعمار یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر ورسوخ میں بے پناہ اضافہ اور سمندری راستوں پر قبضہ کے علاوہ مغلوں کی باہمی رنجشوں اور رقابتوں کے ساتھ شیعہ سنّی تقسیم پر بھی قلم اٹھایا ہے اور مسلمانوں کے دینی اتّحاد کے ساتھ صاحب حیثیت امراء اور نوابین کو اسلام اور اسلامی شعائر پر آمادۂ عمل کرنے کی سعی بھی کی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اہم خط وکتابت آپ نے والی قندھار احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہے جو پہلے ملتان کے گورنر رہ چکے تھے اور اب قندھار کے حاکم تھے۔ شاہ صاحب نے انہیں مغلوں کے سیاسی زوال اور مرہٹہ قوت کے دوبارہ سر اٹھانے کی طرف توجّہ دلائی اور لکھا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے یہاں کوئی شخصیت اور قوت موجود نہیں ہے آپ آئیں اور اُمّتِ مسلمہ کے اس حصّے کو مرہٹہ قوت کے انتقامی جذبات سے بچائیں۔ چنانچہ اپنی والدہ کی فرمائش پر وہ ہندوستان آیا اس کے پاس بیس ہزار جانثار تھے اور بھاری توپ خانہ تھا (جو جرمن ساخت کا تھا)۔ مقامی طور پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مزید 70، 80 ہزار افراد نے اس جہاد

Marfat.com

میں شرکت کی۔ جنوری 1761ء میں پانی پت کے میدان میں تیسری لڑائی مرہٹہ قوت اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان لڑی گئی جس میں مرہٹہ قوت کو شکست فاش اور مسلمانوں کو واضح فتح ہوگئی' جس سے مسلمانوں میں ایک حوصلہ ولولہ جینے کی امنگ اور اللہ کے دین کی خاطر جہادی جذبات کی آبیاری ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی واپسی پر وہ توپیں پنجاب میں ابھرتی ہوئی سکھ قوت کے سرکردہ سردار رنجیت سنگھ کو بخشش میں دے گیا' جس سے اس نے اپنے مخالفوں پر سیاسی اور فوجی برتری حاصل کر کے ایک وسیع سکھ حکومت قائم کرلی جو 1846ء تک قائم رہی۔ (یاد ہے کہ سکّھوں نے تقریباً ستر سال کابل سے لے کر دہلی تک حکومت کی ہے، سردار رنجیت سنگھ نے پچاس سال حکمرانی کی اور کشمیر سے ملتان تک اس کی فرمانروائی میں تھے۔ احمد شاہ ابدالی کی خیرسگالی کا جواب یہ تھا کہ ان کے دورِ حکومت میں مساجد پر تالے تھے، اذان نماز پر پابندی تھی، کوئی اذان نہیں دے سکتا تھا، قرآن مجید لے کر باہر نہیں نکل سکتا تھا، شاہی مسجد لاہور گھوڑوں کا اصطبل تھا اور سارا قیمتی پتھر اتار کر امرتسر لے جایا جاچکا تھا۔ مسجد کی موجودہ تعمیر تو 1937ء۔ 1960ء تک مسلمانوں کے چندے سے ہوئی ہے۔) پانی پت کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کے نتیجے میں مسلمان سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوگئے۔

2 علمی اور تصنیفی کام

مغلیہ حکومت کے زوال اور عملی طور پر حصّے بخرے ہوجانے کی وجہ سے اسلام کا اجتماعی نظام اور شرعی احکام کا نفاذ ختم ہوگیا۔ اس کے لیے شاہ صاحب نے علمی کام بھی کیا کہ مسلمانوں کو دوبارہ حکومت کے حصول کے لئے کوشاں ہونا چاہیے اور اس کے لئے دورِ جدید میں جبکہ مغرب اور مشرق وسطی میں انسانی بیداری اور جدید سوچ کے تحت انسانی حقوق اور حکومتوں کے بننے بگڑنے میں عوام کے عمل دخل کی اہمیت بڑھ گئی تھی جس کے بارے میں مغربی مفکرین سے کہیں پہلے شاہ صاحب نے معاشی میدان میں 'ارتفاقات' کا فلسفہ پیش کیا گیا اور انسانی ضرورتوں اور خواہشوں اور ان کی تکمیل کی درجہ بندی کردی اور اسلام کے عادلانہ نظام میں دولت کی صحیح تقسیم کی وضاحت فرمائی اور ''فک کل نظام'' ہر ظالمانہ نظام کو تہس نہس کردو! کا نظریہ پیش کیا۔

اُن کی اِن ساری مساعی کا مدار اور محور قرآن مجید اور سنّت رسول تھا اسی لئے اس ربط

Marfat.com

وتعلّق کی وضاحت اور اسلامی احکام کی حکمتیں واضح کرنے کے لئے خواص وعوام کے لیے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے نام سے حکمت دین کی شرح اور تفسیر پر کتاب لکھی جو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اپنے موضوع پر واحد کتاب ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وسُنَن کی حکمتیں کمالِ حکمت سے واضح فرمائیں اور ان کا انطباق دورِ حاضر کے تمدنی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ کر کے ایمان کی مضبوطی کے لئے مستحکم بنیادیں فراہم کردیں جس سے امت کے ذہین عناصر کو بہت تقویت ملی۔

آپ ایک عبقری تھے اور اپنے ماحول کے اعتبار سے بہت آگے کی باتوں پر غور کرتے تھے، آپ نے اسلام کے مستقبل کے بارے میں بڑی پُر امید باتیں کیں۔ اسلام کے عالمی غلبہ اور اس کے عادلانہ نظام کے ہمہ گیر 'اظہار' کی نوید سنائی۔ آپ نے اس بات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان کے باسیوں میں اونچی ذات کے ہندوؤں نے آخر اسلام کیوں قبول نہیں کیا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے مسلمان حکمرانوں نے اسلام کی بامقصد تبلیغ اور عادلانہ اجتماعی نظام کے ساتھ خلافت اسلامی کے کفالت کے نظام کا نمونہ آخر ہند کے دیرنشینوں کو دکھایا ہی کب ہے کہ ان پر اتمامِ حجّت ہو سکے۔ آپ نے لکھا کہ جب اسلام کا مستقبل میں غلبہ ہوگا اور اس کی حقیقی تعلیمات پر مبنی خلافت کے نظام کے تحت سماجی، سیاسی اور معاشی تعلیمات پر عمل درآمد ہوگا اور کفالت عامہ کا تصور جلوہ گر ہوگا تو ـــــ اونچی ذات کے اکثر ہندو یقیناً اپنے اندرونی خلوص اور نیکی کی وجہ سے دامن اسلام میں پناہ لیں گے۔ و اللہ اعلم

الغرض ـــــ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آج کے دور جدید کے آدمی محسوس ہوتے ہیں، ان کی ذات اور ان کے خاندان سے ایک تحریک اٹھی اور اس کے کئی گوشے سامنے آئے اور یقیناً پاکستان کے قیام اور انگریزوں کی غلامی سے آزادی میں ان کے افکار کا بڑا عمل دخل ہے۔

Marfat.com

3 صدیاں اور 3 عظیم گواہیاں

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1761ء) کے اس فرمان کے مطابق کہ ''مستقبل میں جب اسلام کی تعلیمات پر اجتماعی سطح پر عمل ہوکر ہندو مذہبی طبقہ پر اِتمامِ حجّت ہوگا تو ان کی عظیم اکثریّت اسلام کے دامن میں پناہ لے گی''

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے 170 سال بعد خطبہ الٰہ آباد (1930ء) میں یہ ارشاد فرما کر کہ ''اگر برطانوی ہند کے مسلمانوں کو شمال مغرب کے مسلم اکثریّت کے علاقے میں علیحدہ سلطنت کے قیام کا موقع مل گیا تو ہمارے لیے ممکن ہوگا کہ اسلام کے عدلِ اجتماعی کی تعلیمات کا ایک نمونہ دورِ حاضر میں دکھا سکیں جس پر عرب دورِ ملوکیّت میں پردے پڑ گئے تھے۔'' اس کی تائید فرمائی۔ اور اس کے 70 سال بعد............

فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال نے 1998ء میں دورۂ افغانستان کے بعد پشاور میں یہ کہہ کر اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ اگر ایسا ہو جائے کہ طالبان کی طرح ایک دو اور مسلم ممالک (بالخصوص پاکستان) اسلام کے عدلِ اجتماعی کی تعلیمات کا نمونہ دکھا دیں تو امن و سکون اور معاشی عدل کی فراہمی کی بنا پر ساری دنیا (بشمول بھارت) از خود مسلمان ہو جائے گی۔

اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا، آمین

Marfat.com

13

فاتح ہند، مردِ درویش، مجاہد اسلام

حضرت

احمد شاہ ابدالی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ہوئی

○ 1761ء میں مرہٹوں کو شکست دی

وفات: 1184ھ / 1773ء قندھار

Marfat.com

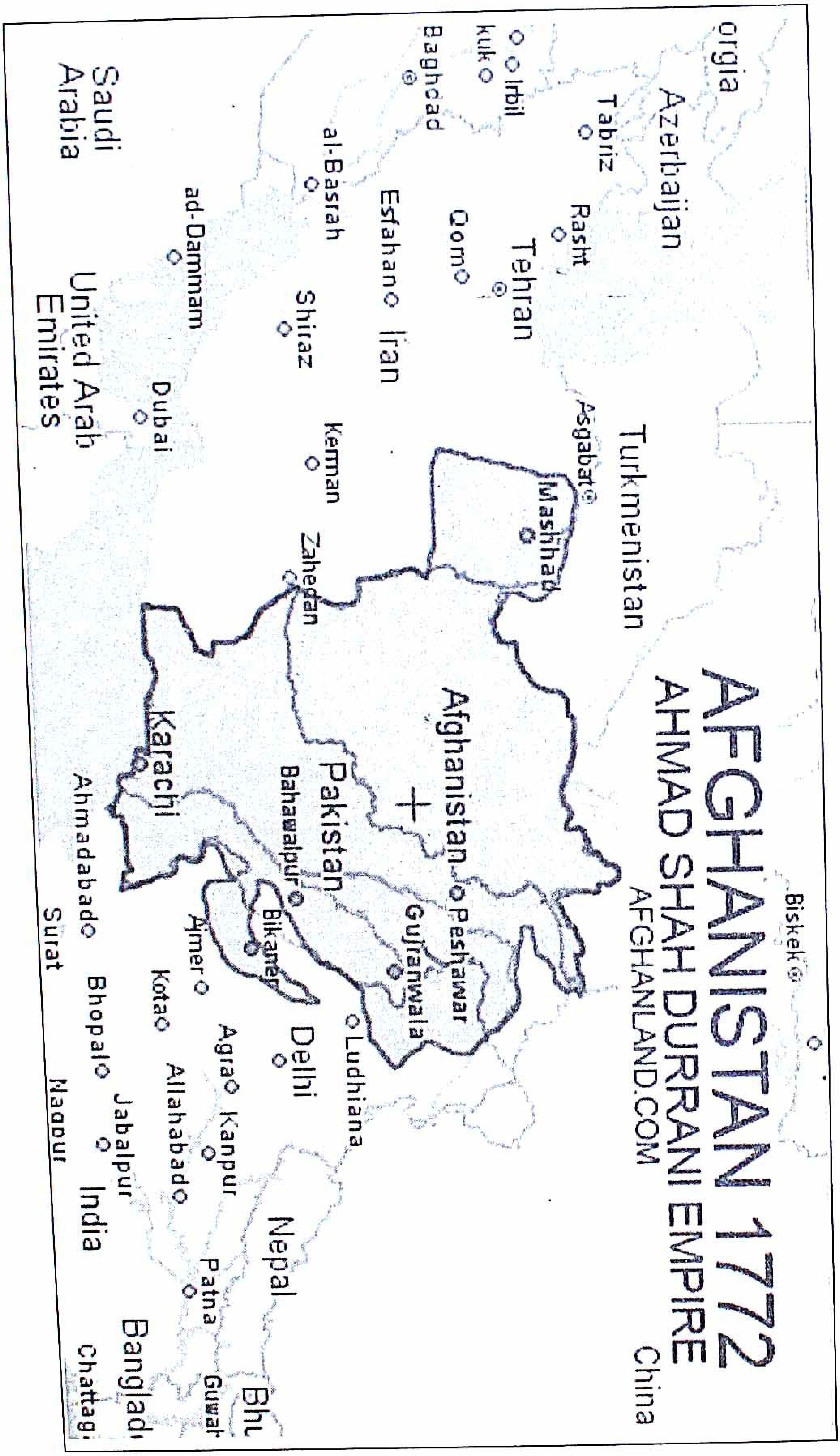
AFGHANISTAN 1772
AHMAD SHAH DURRANI EMPIRE
AFGHANLAND.COM
Azerbaijan
Tabriz
Rasht
Tehran
Qom
Esfahan
Iran
Shiraz
Kerman
Zahedan
Mashhad
Asgabat
Turkmenistan
Irbil
Baghdad
al-Basrah
ad-Dammam
Saudi Arabia
Dubai
United Arab Emirates
Afghanistan
Pakistan
Karachi
Bahawalpur
Peshawar
Gujranwala
Bikaner
Ajmer
Kota
Ahmadabad
Surat
Bhopal
Ludhiana
Delhi
Agra
Kanpur
Allahabad
Jabalpur
India
Nepal
Patna
China
Bisket

Marfat.com

احمد خان نام تھا اور آپ درّانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے آپ کی پیدائش کب ہوئی؟ اور کہاں ہوئی؟ اس کے بارے میں حتمی رائے نہیں دی جاسکتی۔ ملتان کینٹ میں ایک تاریخی منقش محراب ہے جو احمد شاہ ابدالی کی جائے پیدائش کی نشان دہی کرتی ہے مگر یہ محل نظر ہے۔ آپ قندھار افغانستان کے حاکم تھے اور دینی مزاج کے حامل اور عادل و منصف بادشاہ تھے۔ آپ کی وفات 1773ء میں قندھار میں ہوئی۔ آپ کی عمر یقیناً 60-70 سال تھی، لہٰذا آپ کی ولادت اٹھارھویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی

اٹھارھویں صدی عیسوی کا زمانہ سیاسی اعتبار سے دنیا بھر کے لئے تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور بعض اہم سائنسی ایجادات و اکتشافات کا زمانہ بھی ہے۔

1۔ سولہویں صدی (1501ء تا 1600ء) یورپ میں سود کے نظام کی ابتداء اور بنک آف انگلینڈ (1545ء) کے قیام کی وجہ سے اہم ہے، یہی بنک بعد میں ساری دنیا میں بنکاری کی ''ماں'' ثابت ہوا اور سودی معیشت کی لعنت کا نقطۂ آغاز بھی۔

2۔ یورپی احیاء العلوم (RENNIASANCE) کے زیر اثر چرچ سے علوم اور سائنس کی علیحدگی ہوئی جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ اٹھارھویں صدی تک مذہب اور سائنس کی دوری کے بعد مذہب اور ریاست کی علیحدگی بھی ہو کر رہی اور فرانس کے جمہوری انقلاب کے پردے میں دراصل عوامی آزادی، عوامی رائے، ووٹ اور الیکشن کی آڑ میں ریاست اور اس کے چلانے کے لئے مذہب کی بجائے عوامی رائے اور اکثریت کے فیصلوں کو اہمیت حاصل ہوگئی۔ مذہب کو چرچ (CHURCH) تک محدود کر دیا گیا اور مذہبی زعماء (POPES) کے اختیارات کو بھی محدود کر دیا

Marfat.com

گیا۔ سیاست اور حکومت کی رہنمائی کے لئے سیکولرازم سامنے لایا گیا اور انسانوں کے لئے قانون سازی کی بنیاد مذہب کی بجائے اب سائنسی تحقیقات قرار پائیں جبکہ ان سائنسی تحقیقات کی ڈور صہیونی قوت کے پاس ہے۔

3۔ یورپی اقوام میں گزشتہ دو ہزار سال سے بحری سفر (نیوی NAVY) اور سمندری تجارت کی اہمیت رہی ہے شروع میں اس کی بڑی وجہ غالباً زمینی وسائل رزق کی کمی تھی اٹھارویں صدی کے آتے آتے یورپی اقوام کے بحری بیڑے کرۂ ارض کے تمام سمندروں پر بلاشرکت غیرے دندناتے پھرتے تھے اور بحری طاقت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ یورپ کی اس بحری طاقت میں اضافہ کے اہم نکات یہ ہیں:

- یورپ میں مسلمانوں کے زوال (سقوط غرناطہ 1492ء) کے ساتھ ہی اس سارے علاقے برطانیہ، فرانس، اٹلی، پرتگال اور شمالی اور مغربی افریقہ کے ساحلی ممالک کی بحری طاقت جو پہلے مسلمانوں کے پاس تھی (اور مسلمان دنیا بھر میں تجارت پر قابض تھے) یورپی اقوام کے ہاتھ چلی گئی۔
- 1492ء میں کولمبس نامی پرتگالی شخص نے ایک مسلمان گائیڈ کے ساتھ سفر کر کے امریکہ تک رسائی حاصل کی تو وہاں پہلے سے مسلمان اور دیگر اقوام آباد تھیں تاہم یورپ نے امریکہ کی دریافت کا تاج کولمبس کے سر پر رکھ دیا۔ یہ سفر پرخطر بھی تھا اور طویل بھی۔ مراکش کے ساحل سے امریکہ کا مشرقی ساحل 2900 کلومیٹر ہے اس طرح یورپی اقوام کے بحری اسفار کے لئے نیا راستہ کھل گیا۔
- یورپی اقوام پہلے مشرق کی طرف زیادہ آزادی سے نہیں جا سکتی تھیں اس لئے کہ چار ہزار میل تک مسلم حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں انفرادی طور پر کچھ سیاح آتے رہے اور معلومات لے کر واپس وطن لوٹتے رہے تا آنکہ 1498ء میں واسکوڈی گاما نامی ایک یورپی ملاح نے ایک مسلمان گائیڈ کی رہنمائی میں افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کا سفر کرتے ہوئے راس امید (جنوبی افریقہ) کے پاس واپس شمال کا راستہ دریافت کر لیا اور اس طرح یورپی اقوام کے لئے بحری راستے سے (اگرچہ یہ راستہ زمینی راستے سے دوگنا تھا) جنوبی ایشیا اور مشرقی بعید کے ممالک

Marfat.com

تک رسائی حاصل کر لی۔

- یورپی اقوام کو پہلے ہی معلوم تھا کہ مشرقی ممالک بالعموم اور جنوبی ایشیاء بالخصوص ''سونے کی چڑیا'' ہے اور زرعی اور تجارتی لحاظ سے بہت آسودہ حال اور خوش حال علاقہ ہے لہٰذا بحری راستہ دریافت ہوتے ہی یورپی اقوام مشرقی ممالک کی طرف ٹوٹ پڑیں۔
- یورپ سے امریکہ کی ''نئی سرزمین'' اور ''خوابوں اور آزادی کی سرزمین'' کی طرف بھی لوگوں نے سفر کیا ہے مگر اس طرف صرف اپنے اپنے علاقے کے بدمعاش، بھگوڑے، جرائم پیشہ اور حکومتوں کو مطلوب افراد گئے ہیں تاکہ وہ بھی آزادی کی فضا میں سکھ کا سانس لے سکیں۔ تاہم مشرقی ممالک کی طرف یورپی اقوام نے تجارت کی غرض سے سفر کیے اور نہایت غیر محسوس طریقے پر علاقوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔
- مغل بادشاہ اکبر کے زمانے (1556-1605ء) تک یہ یورپی اقوام سمندری راستوں پر اس قدر قابض تھیں کہ کوئی دوسرا دخل نہیں دے سکتا تھا۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی خوشحالی اور دیگر جغرافیائی وجوہات کی بنا پر یہاں بحری قوت میں ترقی نہ ہو سکی۔ زمینی راستے ہمیشہ مخدوش رہتے تھے اور جابجا جنگیں جاری رہتی تھیں اور راستے پُرخطر تھے۔ اکبر کی پھوپھی نے حج کرنا چاہا تو یورپی بحری قزاقوں کو بھاری رقم دے کر یہ سفر ممکن ہو سکا۔
- یورپ میں سائنسی ترقی، ایجادات اور صنعتی مصنوعات کے فروغ نے اس جذبے کو اور مہمیز دی اور یورپی مصنوعات کی کھپت اور فروخت کے لئے فرانسیسی، اطالوی، ڈچ اور برطانوی بحری مہم جو پوری دنیا میں نکل کھڑے ہوئے۔ لوٹ مار کر خود بھی کھانا اور لوٹ کر سال دو سال بعد گھر لوٹنا تو گھر والوں کے لئے بھی وافر وسائل لے آنا یہ ان بحری مہموں کا حاصل تھا۔
- اس وسیع مہم جوئی کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مہم جو ہر دفعہ جب لوٹتے تھے اور دنیا میں جو نئے جزیرے اور آبادیاں دریافت کرتے تھے ان کی معلومات واپس آ کر حکومت کے حوالے کرتے تھے۔ لہٰذا اس طرح یورپی حکومتوں کے پاس اٹھارویں صدی کے آخر تک دنیا بھر کے سمندروں، ساحلوں، بے آباد علاقوں، جزیروں وغیرہ کے بارے میں بہت ساری معلومات جمع ہو چکی تھیں۔ یہ معلومات جغرافیائی اور معاشرتی بھی تھیں جس میں اس جزیرے کا طول بلد، عرض

Marfat.com

بلد، رقبہ، زمینی ساخت، دریا، پہاڑ، میدان، ریگستان، فصلیں، مشہور معدنیات، لوگوں کا رہن سہن وغیرہ شامل تھیں، تاریخی اور مذہبی معلومات بھی جمع ہوگئیں اور قبائل، نسلیں اور زبانوں کے بارے میں ابتدائی مرحلہ میں قابل لحاظ مواد جمع ہوگیا۔

○ اٹھارھویں صدی کے آخر تک دنیا بھر کے تمام جزیرے اور ساحل قطب شمالی اور جنوبی سمیت یورپی اقوام کے قبضے میں جا چکے تھے اور یورپی سیلرز (SAILORS) کا سکہ رواں تھا اور ساری سمندری تجارت اور سفر بھی انہیں کے کنٹرول میں تھا۔

انقلاب فرانس

اٹھارھویں صدی کے آغاز سے لے کر پوری صدی اہل فرانس نے قربانیاں دے کر ایک جمہوری انقلاب کی بنیاد رکھی اور یوں انسانیت نے مطلق العنان بادشاہت اور موروثی تاج و تخت سے گلوخلاصی کی طرف پہلا قدم رکھا اور دیکھتے دیکھتے دو صدیوں میں یہ تمام روئے ارضی پر پھیل گیا ہے اگرچہ اس انقلاب سے جو حقیقی آزادی، اخوت، مساوات اور انصاف کی توقعات تھیں وہ آج تک پوری نہیں ہوسکیں۔ فرانس کا یہ انقلاب 1789ء میں آیا اور تقریباً 1800ء تک اس میں جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہا۔

امریکہ کی جنگ آزادی

اٹھارھویں صدی ہی وہ اہم صدی ہے جس میں امریکہ میں آکر بسنے والوں یا یوں کہیے کہ لاکر بسائے گئے لوگوں نے برطانیہ سے جنگ کی اور انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کی۔ دنیا کی نادیدہ قوت صہیونی طاقت نے 1453ء میں، عظیم مسلمان سلطان محمد کے ہاتھوں یورپ کے مشرق میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد، امریکہ کا رُخ کیا تھا۔ یہودی اپنی شرارتوں کے سبب آسٹریا، اٹلی، جرمنی، فرانس الغرض سب جگہ سے نکالے گئے لوگ تھے جو بالآخر امریکہ جا کر آباد ہوئے۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں یہود پیش پیش تھے اور برطانوی استعمار سے بظاہر آزادی ـــــــ دراصل صہیونی مقاصد کے حصول کے لئے اس نئی سرزمین ـــــــ امریکہ کی علیحدگی تھی تاکہ وہ یہاں اپنے انداز میں پروان چڑھ سکیں اور معلوم دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر اپنے مکروہ اور

Marfat.com

مذموم مقاصد کو فروغ دے سکیں اس جنگ آزادی میں کامیابی کے نتیجے میں یہود ـــــ صہیونی قوت امریکہ کی سیاست، تجارت، حکومت میں ایسے گھُسے کہ جیسے اب ان کے سوا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یہ آزادی کا سال 1776ء ہے جو امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر کندہ ہے۔

آزادی کے صہیونی قوت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی کرنسی ایک ڈالر کے نوٹ کے پیچھے 1776ء کو آزادی (FREEDOM) کے نام اس لئے منسوب کیا گیا تھا کہ اس کے ساتھ ہی ORDO NOVO SECULARIUM یعنی نیا عالمی سیکولر آرڈر گویا یہ آزادی عوامی حقوق، عدل وانصاف وغیرہ کے لئے نہیں تھی بلکہ یہود اپنے مخصوص مقاصد کے لئے عوام کو استعمال کر رہے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور بات جو ایک ڈالر کے نوٹ پر دیکھی جا سکتی ہے وہ ہے ـــــ اہرام مصر کا نقشہ اور اس پر بنی ہوئی ایک ''آنکھ'' یعنی عالمی معاملات پر صہیونی نظر ـــــ عالمی مالیاتی سودی نظام کے ذریعے عالمی وسائل پر قبضہ اور ملٹی نیشنلز کے ذریعے اور IMF اور WB کے ذریعے دنیا کی معیشت اور ممالک کا کنٹرول۔ عصر حاضر میں جس فتنہ نے سر اٹھایا ہے اور امریکی اقتصادیات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اس کا بیج اسی اٹھارویں صدی میں بویا گیا تھا۔

برطانیہ

امریکہ بطور کالونی کے برطانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے اور فرانس میں انقلاب کے نتیجے میں عوامی حکومت اور عوامی حقوق کا چرچا ہوا تو برطانوی عمائدین کو بھی فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں یہ فکر برطانیہ بھی نہ آئے لہٰذا اس کا پہلے سے تدارک کیا گیا موروثی بادشاہت کے زیر سایہ جمہوریت کا پودا لگا دیا گیا جو صہیونی مقاصد کے حصول کے لیے تاج برطانیہ کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ تاج برطانیہ ہی عیسائیت کے عالمی محافظ، پروٹسٹنٹ فرقہ کا گھر اور یہودیت کی پراسرار سرگرمیوں کا گہوارہ ہے اس سلسلے میں دو مزید کام بھی ہوئے وہ اسی اٹھارویں صدی میں ہیں۔

- پہلے پورے یورپ اور برطانیہ میں رومن لا اور رومن عدالتی نظام چل رہا تھا جو بڑا ظالمانہ، سفاکانہ اور دشمنوں کو ہی نہیں اپنے عوام میں سے ذرا باشعور ہونے والے یا تنقید کرنے والے کے لئے عبرت کا نشان بنا دینا ہوتا تھا۔ تشدد کے طریقے، ایذا رسانی کے آلات، لوہے کے

Marfat.com

جنگلے جہاں مجرموں کو جانوروں کی طرح ننگا رکھا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ برطانیہ میں پہلا کام یہ ہوا کہ عدالتی نظام کو مہذب بنایا گیا اور عدالتی اور تفتیشی نظام میں سے رومی طریقے نکال دیے گئے بلکہ سابقہ آلات ایذا رسانی ـــــ ایک پارک میں لا کر سجا دیے گئے تاکہ لوگ مطالعہ و مشاہدہ کر سکیں، ایک نئے مہذب اور انسان دوست عدالتی و قانونی نظام کی بنیاد ڈالی گئی۔

یہ نظام برطانیہ میں اندرونی طور پر آج بھی جاری ہے اگرچہ برطانیہ اور دیگر یورپی استعماری طاقتوں نے اپنے محکوم ممالک اور نو آبادیوں میں رومی تشدد اور ایذا رسانی کے طور طریقے بعینہٖ جاری رکھے بلکہ اب بھی جاری ہیں۔ (پہلی جنگ عظیم میں ہندوستان میں ایک مسلمان کو انگریز نے ملک دشمن سرگرمیوں میں پکڑا تو اسے ایک لوہے کے جنگلے میں ننگا بند کر کے جانوروں والے ریل کے ڈبے میں رنگون بھیجا گیا)۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

ع تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

ع دیو استبداد ہے جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے اسے آزادی کی ہے نیلم پری

ـــــ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ـــــ

دوسرا کام برطانیہ میں یہ کیا گیا کہ وہاں سابقہ شہری آبادیاں ہماری طرح تنگ و تاریک گلیوں پر مشتمل ہوتی تھیں دوسرے ملکوں اور محکوم ممالک سے لوٹی ہوئی دولت کے انبار آئے تو شہروں میں تجدید اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا، مکان گرا کر وسیع سڑکیں بنائی گئیں، پارک، پلازے، سیر گاہیں، چوک وغیرہ وجود میں آئے۔ یہ کام پورے یورپ میں ایک منظم طریقے پر ہوا اور غالباً صیہونی قوت کے کارپردازوں نے ہی مستقبل کی ضرورت کے پیش نظر کرایا ہے۔ (جیسے لاہور میں اندرون شہر شاہ عالم مارکیٹ کی تعمیر)۔

وسطی ایشیا، عظیم عثمانی سلطنت

یورپ اور مشرقی ایشیا کے درمیان کئی صدیوں سے حائل سب سے بڑی رکاوٹ عظیم عثمانی سلطنت تھی جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی مشرقی یورپ، شمالی اور وسطی افریقہ، مشرق وسطیٰ

Marfat.com

اور جنوبی ایشیا بھی عملاً ترک خلیفہ کے ہی ماتحت ہوتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطنت بھی زوال پذیر ہوگئی اس لئے کہ تقدیر امم کے اٹل قانون کے تحت اب مسلمان حکمران شمشیر وسناں کی بجائے طاؤس ورباب کے رسیا ہوتے جارہے تھے۔

یورپی استعمار اٹھا تو عثمانی سلطنت کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تصور کیا اور متعدد بار اس سے ٹکرانے کی ناکام کوششیں کیں مگر ایک طویل عرصے تک اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تاہم اٹھارویں صدی کے آخری عشرے کے آنے تک وسطی افریقہ اور شمالی افریقہ کے بیشتر علاقے اطالویوں اور فرانسیسیوں کے قبضے میں جاچکے تھے۔ اگرچہ ایشیا میں عثمانی سلطنت کا رعب داب تاحال قائم تھا۔

جنوبی ایشیا ـــــ مغلیہ سلطنت

مغلیہ سلطنت میں سب سے مستحکم حکمرانی اورنگ زیب عالمگیر کی ہے، پچاس سالہ دورِ حکومت میں کابل سے برما تک حکومت کی اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ کئی دیگر اصلاحات بھی کیں۔ ذمیوں اور غیر مسلموں کے حقوق خاص کا خیال رکھا البتہ ہندو سرپرستی میں چلنے والی تحریکوں کو بھرپور طریقے سے کچل دینا بھی اسی حکمران کا کام تھا۔ سکھ تحریک بظاہر مذہبی تحریک تھی لیکن پنجاب میں یہ ہندو ذہن کی پیداوار عسکری تحریک تھی اسی لئے اس کے سارے گرو روزِ اوّل سے مسلمان حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار ہی رہے۔ آخری گرو گوبند سنگھ' اورنگ زیب ہی کے دور میں مارا گیا۔ ہندو مرہٹہ قوت بھی جنوبی ہند سے ـــــ اپنی بے حیا اور حیوانی ثقافت کے احیاء اور فروغ کا جذبہ لے کر اٹھی مگر ـــــ انسان دشمن اور حیوانی سوچ کی وجہ سے اورنگ زیب ہی کے ہاتھوں شکست پر شکست کھائی، اورنگ زیب ان قوتوں سے نبرد آزمائی میں 25 سال مسلسل دارالحکومت سے باہر رہے اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگ کے ساتھ وسیع حکومت کے انتظام بھی چلاتا رہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ ملک دشمن اور اسلام دشمن قوتوں کا قلع قمع ہوگیا مگر ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہندوؤں کے چالاک ذہن اور مسلمانوں کے اندر منفی رجحانات رکھنے والی قوتوں کے گٹھ جوڑ سے ایک ایسا فتنہ شروع ہوگیا جس نے اورنگزیب کے راہی ملک عدم

Marfat.com

ہوتے ہی سر اٹھالیا۔ یہ فتنہ طویل عرصہ سے زیر زمین تھا اور اب جوان ہو چکا تھا۔ اورنگ زیب خود قرآن وحدیث کا عالم اور باعمل مسلمان تھا۔ فتاویٰ عالمگیری کی تیاری ونفاذ اس کا ثبوت ہے۔ تاہم فتنہ گروں نے قیامت ڈھادی۔ اورنگ زیب کے بیٹے نے (جو خود بھی عالم فاضل تھا) تخت نشین ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ میں خوب غور وخوص کے بعد اس رائے پر پہنچا ہوں کہ شیعہ مذہب برحق ہے اور خود شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس سے جو ہونا تھا وہی ہوا کہ خاندان مغلیہ داخلی خلفشار کا شکار ہو گیا اور دشمن کو باہر سے حملہ کر کے فتح کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی ــــــــ شاہی خاندان کے افراد خود بھی آپس میں لڑتے قتل ہوتے رہے اور بادشاہ بدلتے رہے، ملک کمزور ہو گیا علاقائی قوتوں نے سر اٹھایا اور مرکز گریز رجحانات کا دور دورہ ہوتا چلا گیا۔

ان حالات میں ایران کے ایک مقتدر بادشاہ نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ (1739ء) اور دہلی کو خوب تاخت وتاراج کیا۔ عقل حیران ہے کہ مغلیہ خاندان کے مذہب شیعہ کو قبول کر لینے کے بعد تو ایران کو مغلوں کی مدد کرنا چاہیے تھی کہ وہ ان کے اقتدار کو مستحکم کرے اور مرکز گریز مرہٹہ قوت اور دیگر علاقائی نوابوں، وڈیروں کی سرکوبی کر کے ان کے زیر نگیں کرے تاکہ دنیا میں ایران کے ساتھ ساتھ عظیم مغلیہ سلطنت بھی شیعہ مذہب کے ساتھ کامیابیوں اور کامرانیوں کا سفر جاری رکھ سکے تاہم جو کچھ ہوا وہ عجیب ہے کہ نادر شاہ نے اصفہان سے اٹھ کر دہلی پر حملہ کیا اسے تاخت وتاراج کیا لوٹا، قتل عام کیا اور مال ودولت سمیٹ کر واپس چلا گیا۔

احمد شاہ ابدالی اس نادر شاہی حملے میں اس کے ساتھ آیا تھا اور فوج میں افسر تھا۔ نادر شاہ کے قتل (جون 1747ء) کے بعد اس کی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے اور افغان قبائل نے متفقہ طور پر احمد خان کو افغانستان کا حاکم قرار دیا جس سے اس کے اقتدار کا راستہ ہموار ہو گیا۔ اس نے احمد شاہ کا لقب اختیار کیا اور احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ وہ عالمی وملکی حالات تھے جس میں حضرت احمد شاہ ابدالی حکمران بنے اور انہیں ایک وسیع علاقے پر اپنے اقتدار اور امت مسلمہ کے مفادات کی خاطر بڑی پُر خطر اور عظیم کارروائیاں کرنا پڑیں۔

احمد شاہ ابدالی 1739ء کے دہلی پر حملے کے وقت نادر شاہ کے ساتھ تھا اور قندھار کا

Marfat.com

حاکم ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے حالات اور سیاسی اتار چڑھاؤ سے واقف تھا لہٰذا وہ علاقے کے عمائدین، ان کے خیالات، سیاسی وعسکری قوتوں کے عزائم پہچانتا تھا بلکہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کا اندازہ لگا رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے مجموعی طور پر ہند پر سات حملے کیے 1748ء میں محمد شاہ رنگیلا کے دور میں لاہور اور سرہند پر قبضہ کرلیا۔ 1749 میں دوسرا حملہ کیا۔ 1750ء میں پھر آیا اور اس علاقہ کی مال گزاری 14 لاکھ روپے سالانہ وصول کرنا شروع کی۔ جب پنجاب سے افراتفری کی وجہ سے مال گزاری وصول نہ ہوئی تو اس نے 1751ء میں تیسرا حملہ کر دیا اور لاہور کے علاوہ ملتان پر بھی قبضہ کرلیا۔ چوتھے حملہ میں وہ دہلی پہنچ گیا۔ 1757ء میں اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مرہٹہ قوت نے زور پکڑ لیا تھا ادھر پنجاب میں سکھ قوت بھی سر اٹھا رہی تھی مرہٹوں اور سکھوں نے مل کر پنجاب سے افغانوں کو نکال دیا۔ پھر اس نے 1759ء میں پانچویں بار حملہ کیا اور مرہٹوں اور سکھوں کو نکال کر پنجاب کو باقاعدہ افغان حکومت میں شامل کرلیا۔ 1761ء میں احمد شاہ ابدالی نے ہند پر سب سے بڑا حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔

مرہٹہ قوت کے زور پکڑنے اور مغلیہ سلطنت کے کمزور ہونے سے مسلمانوں اور اسلام کو سخت خطرات درپیش تھے اور ہندو مسلمانوں کے خلاف سخت نفرت کے جذبات رکھتے تھے جس سے خطرہ تھا کہ مرہٹوں کے غلبہ سے کہیں جوش انتقام میں مسلمانوں کا ہند سے ایسے ہی خاتمہ نہ ہو جائے جیسے سقوط غرناطہ کے بعد (1492ء) سپین سے ہوا تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مردِ درویش نے اس خطرہ کے پیش نظر احمد شاہ ابدالی کو باقاعدہ خط لکھ کر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی مدد کی درخواست کی تھی، یہ ایک سخت مہم تھی وہ ابھی پس وپیش کر رہا تھا کہ اسے خواب آیا اور وہ خواب اس نے اپنی والدہ زرعونہ بیگم کے گوش گزار کیا جس پر اس کی والدہ نے فرمایا کہ جان و ملک کا خطرہ لے کر بھی اسلام کی سربلندی اور مسلمانانِ ہند کی حفاظت کے لیے بیٹے فوراً سفر کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مرہٹہ قوت کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کا یہ ٹکراؤ 1761ء میں پانی پت

Marfat.com

کے میدان میں ہوا اور پانی پت کی تیسری لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ احمد شاہ ابدالی 12-20 ہزار فوج کے ساتھ آئے تھے مقامی مسلمانوں نے شامل ہو کر مسلمانوں کی تعداد 70-80 ہزار بنا دی جبکہ مرہٹہ قوت 3 لاکھ کی نفری پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خلوص کی وجہ سے مدد فرمائی اور مرہٹہ قوت کو شکست فاش ہوئی کہ وہ ایک صدی تک دہلی کے آس پاس سر نہیں اٹھا سکے۔

احمد شاہ ابدالی نے 1764ء میں بھی ہند پر ایک اور حملہ کیا اور آخری بار 1767ء میں ہند پر حملہ آور ہوا اور سکھوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی تاہم یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

احمد شاہ ابدالی عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اب لمبے اسفار کے قابل نہ تھے ملکی حالات بھی دگرگوں تھے۔ بالآخر اس مردِ درویش نے 1773ء میں وفات پائی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اٹھارھویں صدی عیسوی بحر ہند میں برطانوی استعماری قوت کی اُٹھان

بحری طاقت میں اضافہ کے ساتھ صنعتی ترقی، نئے نئے علاقوں سے لوٹ مار اور عسکری و سائنسی برتری نے یورپ کو ایک ''خمار'' میں مبتلا کر دیا اور اس طرح وہ دنیا کی باقی اقوام کے مقابلے میں SUPERIORITY COMPLEX کا شکار ہو گیا۔ اٹھارھویں صدی میں ہی کچھ خاص حالات تھے کہ نادیدہ قوتوں اور صہیونی ذہن، جو برطانیہ اور تاج برطانیہ کو اپنے خاص مقاصد کے لئے آگے بڑھا رہا تھا، نے یورپ کی دیگر اقوام (فرانسیسی، اطالوی وغیرہ) کے مقابلے میں برطانوی بالادستی کا اہتمام کر دیا۔ (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی)

برطانوی عسکری قوت نے جنوبی ایشیا اور بحر ہند میں آنا جانا شروع کیا تو پہلے خلیج فارس کے دہانے پر قدم رکھے۔ پھر سندھ کے ساحلی علاقوں کو اہمیت دی اور بعد ازاں بنگال کے ساحل پر جا ڈیرے جمائے۔ دو تین صدیوں میں بے ضرر تجارت سے اٹھ کر ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' (قیام 1600ء) نے اب چھاؤنیاں بنانی شروع کر دیں اور اسلحہ جمع کرنا شروع کیا۔ یورپی اور صہیونی قوت کے پاس علاقوں کو فتح کرنے کے لئے عسکری قوت کے برعکس چالاکی، بددیانتی، مقامی لوگوں کو خرید کر ساتھ ملانا، غداری پر آمادہ کرنا اور پھر وعدہ خلافی کرنا، علاقائی لڑائیوں میں کمزور کا ساتھ دے کر مقتدر طبقہ کو ہٹا دینا جیسی خصلتوں کا سرمایہ تھا جسے وہ خوب کامیابی سے استعمال کرتے

Marfat.com

رہے اور آج بھی عالمی سطح پر کر رہے ہیں۔

ایک طرف انہوں نے عثمانی سلطنت کے دور دراز علاقے جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے میں یمن کے پاس اومان اور اس کے آس پاس کے علاقے پر یہی طریقہ اپنا کر نفوذ کا راستہ بنایا۔ دوسری طرف بنگال میں مقامی لوگوں سے لڑائیاں جھگڑے، علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تا کہ ان کا اثر و رسوخ بڑھتا جائے۔ تجارتی کمپنی ہونے کے ناطے ان سے بہت سے لوگ کاروباری فائدہ اٹھاتے تھے ملازمت کرتے تھے' ان کے ذریعے مقامی لوگوں کو خریدنے اور عہدے دینے کا کام بھی جاری رکھا تھا۔ 1757ء میں بنگال کے حاکم نواب سراج الدولہ نے جب محسوس کیا کہ برطانوی سامراج پھیل رہا ہے تو اس نے اس کو محصور کرنے کی کوشش کی لیکن وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے اور سراج الدولہ ہی کے ناراض امیروں اور نمائندوں کو ساتھ ملا کر اور آئندہ حکمرانی کا لالچ دے کر جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کو جنوبی ایشیا میں عسکری طور پر بھی قدم جمانے کا موقع مل گیا میر جعفر اور میر قاسم نے غداری کی اگرچہ ان کا انجام خود بھی کوئی اچھا نہ ہوا۔

ان حالات میں ہند کا عمومی ماحول بدل رہا تھا اور دہلی دارالحکومت میں بھی ان سرگرمیوں کے اثرات شدت سے محسوس کیے جا رہے تھے۔

یورپی طاقت جرمنی اور عالم اسلام

اٹھارھویں صدی تک یورپی صنعتی طاقتیں بظاہر ایک براعظم کے اندر ایک سوچ کی حامل نظر آتی تھیں مگر دراصل استعماری ہتھکنڈوں کے استعمال اور غیر یورپی اقوام کو لوٹنے میں سب یورپی طاقتیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں برطانیہ کو چاروں اطراف سمندر لگتا ہے۔ فرانس کو بھی شمال مغرب اور جنوب میں سمندری ساحل میسر تھے اٹلی کے جنوب میں بھی سمندر ہے اور ان کے اپنے سمندری راستے میں پرتگال تو ویسے ہی الگ تھلگ مغربی یورپ کا ملک ہے جبکہ جرمنی تین طرف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے اور صرف شمال میں سمندر لگتا ہے اور وہ قطب شمالی کے قریب ہونے کی وجہ سے سمندری تجارت کے لیے سارا سال مناسب نہیں رہتا۔

Marfat.com

اسی لئے برطانیہ تو استعماری قبضہ اور لوٹ کھسوٹ میں نمبر 1 تھا ہی فرانس، اٹلی نے بھی جنوب کی طرف سفر کر کے شمالی افریقہ کے قریبی کے علاقے ہتھیا لئے اور وسطی افریقہ کے وسیع علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا جبکہ برطانیہ نے شمالی امریکہ، کینڈا، جنوبی امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، مشرق بعید کے کئی ممالک پر قبضہ جما لیا اور جنوبی ایشیا پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

ان حالات میں جرمنی کو ان مغربی طاقتوں کے مقابلے میں سمندری راستوں سے نکل کر کھلے سمندر میں مقابلہ اور ملکوں اور جزیروں پر قبضہ کرنا ممکن نہیں رہا۔ اسے ایک آسانی حاصل تھی جس سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا کہ یورپی استعماری طاقتوں (فرانس، اٹلی اور برطانیہ) نے چونکہ بیشتر علاقے مسلمانوں سے چھینے تھے لہٰذا مسلمانوں سے ان کی دشمنی ظاہر و باہر تھی جبکہ جرمنی کے مشرق میں عثمانی سلطنت کے یورپی مقبوضات اور وہاں سے ہو کر ہند تک پوری مسلم دنیا جرمنی مصنوعات کی منڈی کے لئے کھلی تھی۔ جرمنی نے مسلم دنیا سے تعلقات بنائے اور اس پورے وسیع مسلم علاقے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ لہٰذا پوری عثمانی سلطنت مشرق وسطیٰ، جزیرہ نمائے عرب ایران اور افغانستان تک جرمنی کی مصنوعات کو زمینی راستے میسر تھے اور وسیع مارکیٹ میسر تھی جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی مصنوعات اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا۔

پہلی جنگ سے ذرا قبل ترکی سے حرمین شریفین تک ریلوے لائن کا منصوبہ بنا تو عثمانی سلطنت کے زیر اہتمام یہ منصوبہ جرمن انجینئروں نے ہی سرانجام دیا۔ وہ تو پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے یہ ریلوے لائن صرف مدینہ منورہ تک آئی تھی کہ منصوبہ ختم کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ کا اسٹیشن بھی ہے اور شمالی علاقہ جات کے لئے ریلوے سروس بھی ہے۔ اسی وجہ سے ترکی، مشرق وسطیٰ، سعودی عرب میں دو عشرے پہلے تک جب تک پرانی شہری آبادی کا نظام تھا جرمن مصنوعات از قسم WC، بیسن (BASIN) پانی کی تقسیم کے پائپ اور فٹنگز اور دیگر اشیاء سب جرمن ساختہ نظر آتی تھیں جبکہ موجودہ توسیع حرمین اور جدید طرز تعمیر کی بدولت اب امریکن مصنوعات کا دور دورہ ہے۔

افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں جرمن ماہرین اور جرمن مصنوعات افغانستان تک پہنچ چکی تھیں اور جرمن ساختہ جنگی سامان بھی عام تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے جو ہند پر کئی حملے کیے اور بالخصوص شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر جو بڑا حملہ کیا اس میں جرمن ساختہ

Marfat.com

توپیں بھی اپنے ساتھ لاکر استعمال کی تھیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل حال تھی مگر بظاہر ـــــ مرہٹہ قوت کے مقابلے میں ٹیکنالوجی کا واضح فرق تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مرہٹہ قوت کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انہی توپوں میں سے ایک توپ کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی لاہور کی مال روڈ پر پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے سامنے نصب ہے جو 'بھنگیوں کی توپ' کہلاتی ہے۔

یہ عظیم مسلمان اور باعمل حکمران جس نے اسلام کی حفاظت و آبیاری کی خاطر ہند پر حملہ کیا اور اپنے سے کئی گنا زیادہ مرہٹہ قوت سے ایمانی قوت کی بنا پر ٹکرا گیا ـــــ احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی احمد شاہ ابدالی نہایت خدا ترس، غمگسار، عدل و انصاف سے محبت رکھنے والا، عوام کی بہبود میں دلچسپی رکھنے والا اور اسلام کے دشمنوں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کرنے والا حکمران تھا۔

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اور اس کے مخلص ساتھیوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

Marfat.com

ایک عظیم خبر

عظیم فاتح احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے 1761ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹہ قوت کو شکست فاش دے کر ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ مگر بعض مجبوریوں کی بنا پر اسے واپس قندھار کا سفر کرنا پڑا اور وہ مرہٹہ قوت کا تعاقب کر کے اس کا صفایا (MOPPING-UP OPERATION) نہ کر سکا۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔

دو صدیوں میں حالات بدل گئے۔ بیسویں صدی کے اواخر میں قندھار سے ایک اور مسلم قوت اُٹھی ہے اور پہلے روس اور اب امریکہ کے مقابلے میں کامیابیاں حاصل کر رہی ہے۔ ہمارے نزدیک اسی قوت کو قندھار سے اُٹھنے والے احمد شاہ ابدالی کا بقایا کام یعنی جنوبی ایشیا میں اخلاق دشمن اور انسان دشمن مرہٹہ قوت کا خاتمہ کرنا ہے۔

پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان میں اشارہ ہے خراسان سے اُٹھ کر ہند سے ٹکرانے والی قوت کا۔ اور اس غزوہ کو غزوۃ الہند کہا گیا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا (جس کے آثار اب واضح ہیں) تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی، حضرت علامہ اقبال کا قیامِ پاکستان کا مقصد اور فرزند اقبال کی آرزو یقیناً پوری ہو کر رہے گی اور یہ دن اب دور نہیں ہیں۔

Marfat.com

14

مسلم جرنیل، شیر میسور،

برطانوی استعمار کے راستے کی چٹان

سلطان فتح علی ٹیپو شہید

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1163ھ/1750ء دیون ہلی

1782ء میں سلطنت خداداد میسور پر تخت نشین ہوئے

وفات: 1213ھ/1799ء سرنگا پٹم، لال باغ

Marfat.com

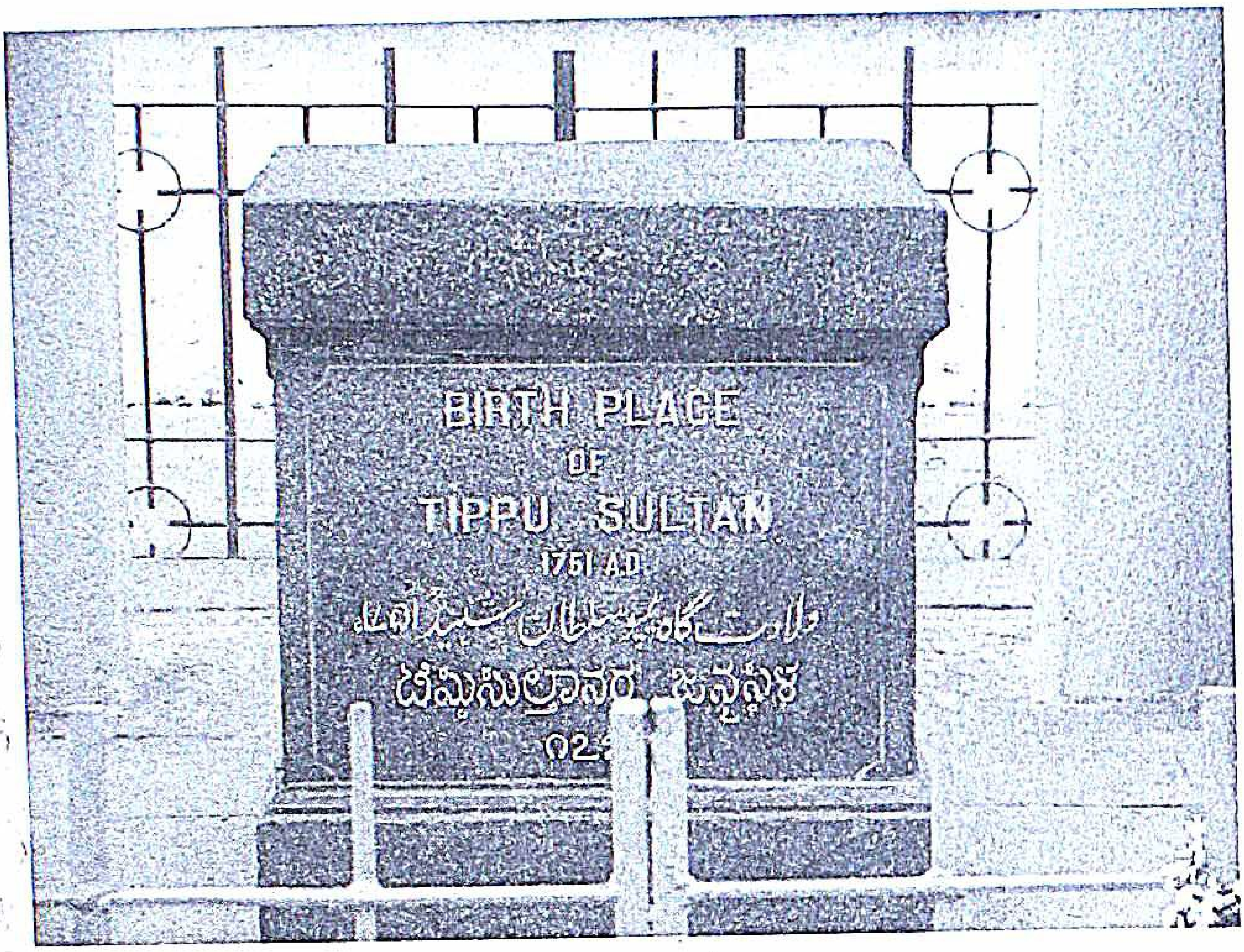

جائے ولادت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ دیون ہلی

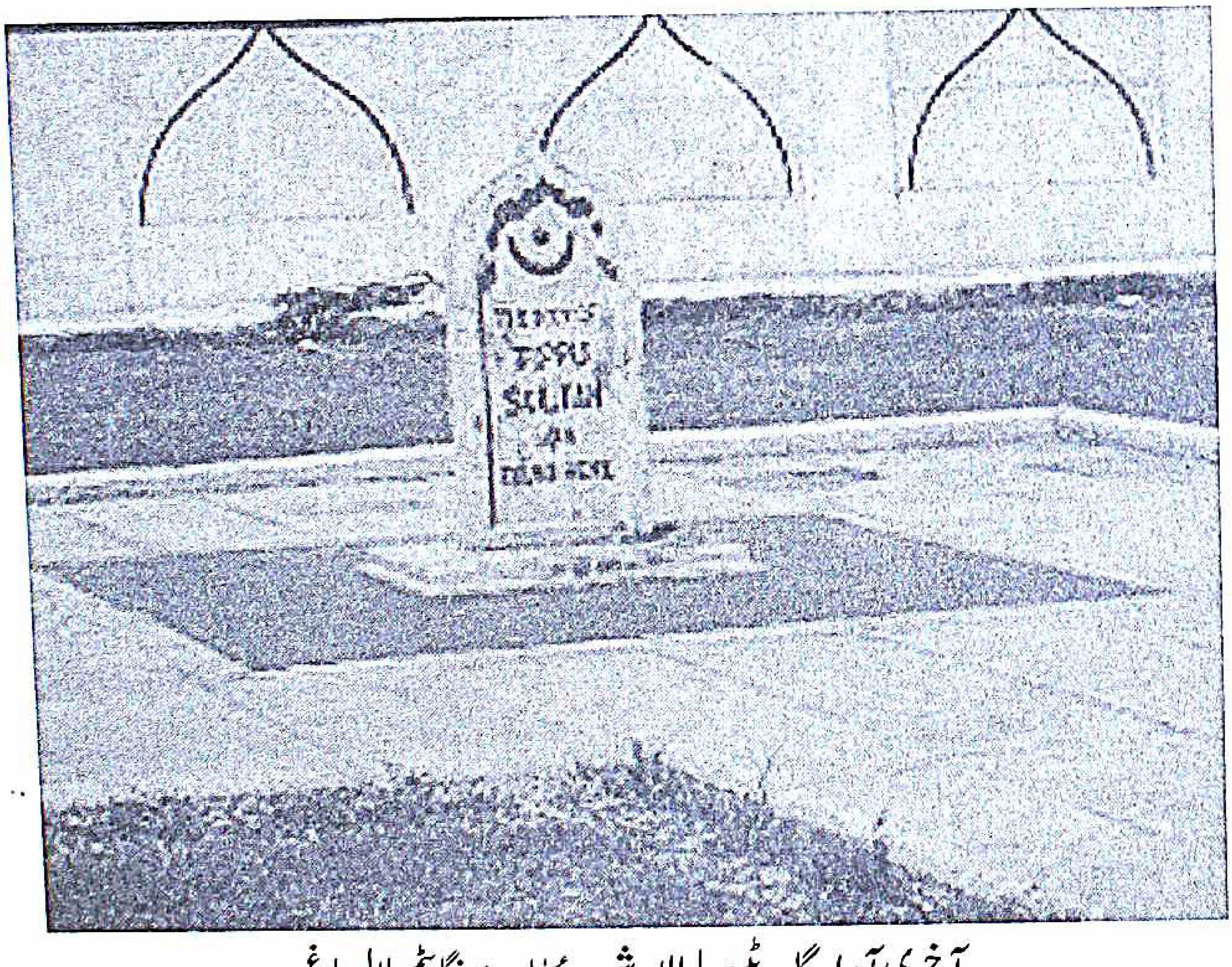

آخری آرامگاہ ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ سرنگاپٹم، لال باغ

Marfat.com

اٹھارھویں صدی کے پُرآشوب زمانے میں سلطان حیدر علی والئ میسور کے ہاں نومبر 1750ء میں پیدا ہوئے سلطان حیدر علی بھی ملّت اسلامیہ کی بہی خواہی اور حفاظت کے لئے زندگی بھر برطانوی استعماری طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لٹیروں سے لڑتا رہا اور سلطان فتح علی بھی باپ کے مشن کی تکمیل کے لئے برطانوی زعماء کے لئے ڈراؤنا خواب بنا رہا بالآخر انگریزوں کی عیّاری اور ہندو کی مکّاری کی وجہ سے بے دست و پا ہو کر 4 مئی 1799ء کو مردانہ وار شہادت کا جام نوش کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اٹھارھویں صدی کے ساتویں عشرے (1770ء۔1761ء) میں جنوبی ایشیا میں حالات جس رُخ پر جا رہے تھے احمد شاہ ابدالی کے حملے کے نتیجے میں برپا ہونے والی پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹہ قوت کی شکست فاش سے یکسر بدل گئے۔ پہلے مرہٹہ قوت جنوبی ہند سے اُٹھ کر مرکز دہلی پر قابض ہو کر پورے ہند پر حکومت کے خواب دیکھ رہی تھی جو پانی پت کے میدان میں ایک ہی ابدالی ضرب سے چکنا چور ہو گئے۔ اس سے مرہٹہ قوت پسپا ہو کر واپس جنوبی ہند تک محدود ہو گئی۔ اس عمل کے کئی اثرات سامنے آئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ جنوبی ایشیاء کے مغربی علاقوں (حالیہ بلوچستان اور سندھ) میں علاقائی قوتوں اور سرداروں نے اپنی سلطنتیں قائم کر لیں۔ بلوچستان میں سرداری نظام مستحکم ہوتا گیا اور سندھ میں کلہوڑوں اور تالپوروں کی حکومت آ گئی وہیں سے عباسی خاندان نے پنجاب میں قدم جمائے اور عباسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو بعد میں ریاست بہاولپور کہلائی۔ موجودہ سرحد، پنجاب میں سکھ قوت

Marfat.com

سر اٹھا رہی تھی مگر مرہٹوں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے دبی ہوئی تھی ـــــ مرہٹہ قوت کے شکست کھا جانے کے بعد اور اس کی کاروائیاں صرف جنوبی ہند تک محدود ہو کر رہ جانے کی وجہ سے اب وہ ''خود مختار'' ہو کر سامنے آئی اور جلد ہی ایک ''سکھ حکومت'' قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی جو 1789ء سے 1846ء تک قائم رہی۔

2۔ ملک بھر میں بالعموم سلطنت مغلیہ کے دور کے پنج ہزاری اور دس ہزاری منصب والے علاقائی سرداروں نے اپنے علاقوں میں اپنی سلطنتیں بنا لیں اور مرکز سے برائے نام تعلّق رہ گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ انگریز نے آ کر پورے ہندوستان پر قبضہ کیا تو یہ ساری ریاستیں اور علاقے انگریزی اقتدار کے زیر سایہ آ گئے۔ برطانوی سامراج کے اقتدار کے دوران ان ریاستوں کی تعداد 600 کے لگ بھگ تھی۔

3۔ ہندو مرہٹہ قوت نے مسلمانوں سے شکست کھا کر جنوبی ہند تک رہنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی حکمت عملی اب مسلمانوں سے براہ راست لڑائی کی بجائے اپنی قدیم چانکیہ سیاست کے مطابق انگریز کی ہمنوائی اور مدد کے ذریعے مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کے اقتدار ختم کو کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔

برطانوی سامراج 1753ء میں جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کو میر جعفر کی سازشوں کے ذریعے شکست دے چکا تھا اس کو ہند میں اپنے مکروہ عزائم کی توسیع اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار وسیع کرنے کے لئے مزید غدّاروں کی ضرورت تھی جو مسلم اقتدار کے خلاف ان کا ساتھ دیں۔ ہندو مسلمانوں سے ویسے ہی بیر رکھتا تھا۔ لہٰذا مرہٹہ قوت نے موقع غنیمت جانتے ہوئے برطانوی سامراج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بنیادی طور پر ہندو ذہن کا یہ فیصلہ دراصل دیکھو اور انتظار کرو WAIT AND SEE کی طرح کا تھا وہ پہلے مسلمانوں کے ماتحت تھا اب برطانوی سامراج کے ماتحت چلا گیا معاملہ صرف CHANGE OF MASTERS کا تھا بنیادی طور پر نوعیّت کا فرق نہیں تھا۔

4۔ ہندو سیاست کے اصول یورپی استعماری قوت کے اصولوں سے بہت حد تک ہم آہنگ تھے۔ (اور آج بھی ہیں) لہٰذا اس دوستی کو فروغ ہوتا چلا گیا اور ہندو اپنے مفادات کے تحفّظ کے ساتھ سامراج دوستی میں آگے بڑھتا چلا گیا جس سے اسے مفاد بھی مل رہے تھے اور ''مسلم دشمن''

Marfat.com

پالیسی بھی کامیاب ہورہی تھی کہ مسلم اقتدار کا خاتمہ ہورہا تھا۔ جس سے اس کے دل میں لگی انتقام کی آگ میں کمی سے انہیں سکون مل رہا تھا۔

5۔ ہندو ذہن کی اس مجموعی سوچ کے تحت ہی جنوبی ہند میں مرہٹوں نے سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی کے مراعات یافتہ رعایا ہوتے ہوئے بھی در پردہ برطانوی سامراج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا تاکہ الزام بھی نہ آئے اور مسلم اقتدار کا خاتمہ بھی ہو جائے نیز ــــــ مسلم اقتدار کے خاتمے پر سامراج سے مراعات بھی سمیٹی جاسکیں۔

اسی سازش کے تحت مرہٹہ قوت نے برطانوی استعمار کے ہاتھ مضبوط کئے نظام حیدرآباد نے بھی اپنے اقتدار کی ضمانت پر فوجی امداد دینے کا وعدہ کرلیا۔ ان حالات میں سلطان حیدر علی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسیعی عزائم اور ہند کے برطانوی سامراج کی غلامی میں جانے کے راستے کی مضبوط چٹان بنا ہوا تھا اور میسور کے کئی معرکوں میں برطانوی جرنیلوں کے دانت کھٹے کر چکا تھا۔ پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا سلطان حیدر علی کے مشن کا تذکرہ کئے بغیر اس کے فرزند سلطان فتح علی کے کارنامے اور اولوالعزمی اور شجاعت سامنے نہیں آسکتی باپ کے اسی مشن کو اس نے آگے بڑھایا تھا۔

اٹھارھویں صدی کے آخری عشروں تک برطانوی سامراج اپنے ہی ہم وطنوں فرانسیسی سامراج اور DUTCH سامراج سے نبرد آزما رہتا تھا اور یہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال تو 1780ء سے 1813ء تک کی برطانیہ اور فرانس کی مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے ہیں، جنگیں ہیں۔ اسی چپقلش کا ایک باب وہ ہے جو جنوبی ہند میں کھلا ہوا تھا۔ فرانسیسی سامراج کی برطانیہ سے دشمنی واضح تھی۔ جنوبی ہند میں بنگال سے مغرب کی طرف ساحلی علاقوں پر فرانسیسی چھاونیاں تھیں اور فرانس کی ایسٹ انڈیا کمپنی قابض تھی اور فطری طور اپنے عزائم کی توسیع کے لئے کوشاں بھی تھی۔

سیاست اور حکومت میں دشمن کا دشمن دوست بن جاتا ہے سلطان فتح علی نے اپنے باپ حیدر علی کی وفات (1782ء) پر جب اقتدار سنبھالا تو برطانوی سامراج سے فیصلہ کن معرکہ

Marfat.com

کے لئے فرانس سے فوجی مدد طلب کی اور اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ سلطان فتح علی ٹیپو نے فرانس کے رہنما نپولین بونا پارٹ کو خط بھی لکھا اور سفارش بھی بھیجی کہ وہ ہندوستان آئے اور برطانوی سامراج کا راستہ روکے مگر 1790ء۔ 1800ء کا دور فرانس کے لئے خود بڑا ہنگامہ خیز تھا کہ اس عرصہ میں انقلاب فرانس کی وجہ سے خانہ جنگی اور شورشیں برپا تھیں۔ اور انقلاب کے استحکام کا عمل جاری تھا جو بالآخر 1800ء کے قریب کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تاہم ان سالوں میں جب کہ سلطان فتح علی ٹیپو کو مدد کی ضرورت تھی فرانسیسی قیادت جنوبی ہند میں کسی بڑی کارروائی اور مدد کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ لہٰذا وعدے اور ارادے کے باوجود یہ منصوبہ رُو بعمل نہ آ سکا یعنی

؎ تا تریاق از عراق آوردہ شود

سگ گزیدہ در ایں مردہ شود

والی کیفیت پیدا ہو گئی۔

بچپن سے ہی ٹیپو جری، محنت کش اور صاحب لیاقت تھا۔ اسلامی علوم کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، اردو، تامل، کنڑی جیسی زبانوں پر جلد ہی عبور حاصل کر لیا تھا۔ نیز اس زمانے کے فنون سپہ گری، شمشیر زنی، تیر افگنی، نیزہ بازی، تفنگ اندازی اور تیراکی وغیرہ میں کماحقہ مہارت حاصل کر لی تھی اور سن بلوغت کو پہنچتے پہنچتے ٹیپو سلطان حرب وضرب کے آداب اور رزم و پیکار کے انگریزی طریقوں سے بھی واقف ہو چکا تھا۔

انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی ٹیپو سلطان کو وِرثہ میں ملی تھی۔ اور سلطان کے کارناموں کا کماحقہ ادراک ممکن نہیں جب تک وہ جنگیں جو اس نے عہد جوانی میں اپنے والد کے دورِ حکومت میں بھی لڑیں تھی اور دشمنوں کو ہر دفعہ شکستوں سے دوچار کیا تھا ان کا تذکرہ نہ کیا جائے صاحب اسلامی انسائیکلوپیڈیا اس مرحلہ پر یوں رقم طراز ہیں:

''1765ء میں ٹیپو سلطان فوجی زندگی میں پہلی بار ہمارے سامنے آتا ہے۔ جب وہ حیدر علی خان کے ساتھ مالا بار پر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہاں اس نے صرف دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے ایک بڑے لشکر کو حراست میں لے لیا جس پر حیدر علی نے خوش ہو کر اسے اپنی محافظ فوج میں شامل کر لیا اور جاگیر عطا کی۔

Marfat.com

19 جون 1767ء کو ٹیپو سلطان مدارس اور اس کے مضافات پر چھاپے مار رہا تھا۔ اس وقت انگریز پہلی بار میسور میں حیدر علی پر حملہ آور ہوئے تھے۔ یہاں سے وہ واپس لوٹتے ہوئے ترما پور اور دانم باڑی کی تسخیر میں والد کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ نیز آبنور کے محاصرے میں بھی شریک رہا۔

جب انگریزوں نے منگلور (بندر کوڑیال) پر قبضہ کرلیا۔ تو ٹیپو سلطان کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے حیدر علی بھی وہاں پہنچا۔ یہاں انہوں نے عجب چال چلی۔ بیگار میں پکڑے ہوئے بیس ہزار افراد کو لکڑی کی بندوقیں دے کر ہزار ہزار کی ٹکڑی میں انگریزی توپ خانے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور خود ٹیپو سلطان مورچوں پر حملہ آور ہوا۔ اس محاذ پر فتح یابی کے بعد حیدر علی مدارس کی طرف روانہ ہو گیا اور 4۔ اپریل 1769ء کو حکومت مدارس کو صلح نامہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے دیسی ریاستوں میں کمپنی کا وقار گر گیا اور انہوں نے خود کو مضبوط اور مستحکم محسوس کیا۔ حیدر علی انگریزوں سے نمٹ کر واپس آیا تو مرہٹہ فوجیں ترمبک راؤ کی قیادت میں میسور کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ ساونو اور کڑپہ کے سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس مرحلے پر ٹیپو سلطان کو حکم ملا کہ وہ مرہٹوں کی رسد کو تباہ کرے۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کے عقب میں موجود تمام کنوؤں اور تالابوں میں زہر ڈلوا دیا اور کھیت روند ڈالے۔ اب حیدر علی نے بھی مرہٹوں کے عقب پر چھاپہ مارنا چاہا۔ مرہٹوں کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے پلٹ کر جنگ شروع کر دی۔ مشیروں کی رائے کے خلاف حیدر علی سرنگا پٹم کی طرف فرار ہو گیا۔ اس افراتفری میں ٹیپو اپنے باپ سے جدا ہو گیا جس سے مرہٹوں نے فائدہ اٹھایا اور ٹیپو کی گرفتاری کا اعلان کر دیا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی ٹیپو دو دن میں جانثاروں کے ساتھ بھیس بدل کر سرنگا پٹم پہنچ گیا اور دونوں باپ بیٹا ایک ماہ تک وہاں محصور رہے۔ ترمبک راؤ تینتیسویں دن محاصرے سے تنگ آ گیا اور وہاں سے اٹھ کر تنجاور کی طرف چلا گیا۔ 1772ء میں مرہٹوں کے پیشوا مادھو راؤ کی وفات کے بعد دربار پونا کی اندرونی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے

Marfat.com

حیدر علی نے دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیانی علاقے مرہٹوں سے چھین لئے۔ ان میں اکثر مہمات میں ٹیپو بھی شریک رہا۔

1780ء میں انگریزوں سے دوبارہ جنگ چھڑ گئی۔ حیدر علی اور سلطان ٹیپو نوے ہزار فوج کے ساتھ کرناٹک جا پہنچے۔ انگریز سپہ سالار ہیکٹر مزد کانجی ورم پہنچ کر کرنل بیل کا انتظار کر رہا تھا، جو سامان رسد اسلحہ کے ساتھ گنتور سے آ رہا تھا ٹیپو سلطان کو بیلی پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ سلطان نے بیلی کو کانجی ورم سے پندرہ میل پرے بری طرح شکست دے کر قید کر لیا۔ بیلی کی شکست کے بعد اعتراف کیا گیا کہ یہ شدید ترین ضرب تھی۔ جو ہندوستان میں انگریزی قوت پر لگی عقب سے خبر ملی کہ انگریز فوجیں ساحل مالا بار پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ سلطان فوراً آ پلٹا اور ریال گھاٹ کا محاصرہ کر لیا انگریز اس کے پہنچنے سے پہلے ہی پال گھاٹ خالی کر کے پونانی پہنچ گئے۔ ٹیپو سلطان نے پونانی کا بھی محاصرہ کر لیا۔ مگر ابھی وہ حملہ نہ کر پایا تھا کہ حیدر علی کے انتقال کی خبر ملی"۔

حیدر علی کا انتقال اور سلطان ٹیپو کی تخت نشینی

صاحب شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے بقول:

"حیدر علی کی 7 دسمبر 1782ء کو ٹیپو سلطان کو خبر ملی اور وہ اسی وقت روانہ ہو گیا۔ 25 دسمبر 1782ء کو وہ چکمور پہنچ گیا، جہاں اس کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا اس نے تمام ماتمی رسوم کی ممانعت کر دی اور 20 محرم 1197ھ 26 دسمبر کو خاموشی کے ساتھ مسند نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ تخت نشینی کے وقت ٹیپو سلطان کی سلطنت دکن میں شمالی طرف دریائے کرشنا، جنوبی سمت ریاست ٹراونکور، مشرق میں مشرقی گھاٹ اور مغرب میں ساحلی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ آبادی، زرخیزی اور حسن انتظام کی بدولت یہ ایک شاندار سلطنت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے علاوہ مقامی ہمسائے مرہٹے اور نظام حیدر اس علاقے کو ہتھیا لینے کی فکر میں تھے۔ مگر دوسری طرف اس علاقے کا فرمانروا ایک ایسا سلطان تھا۔ جو نہ صرف موروثی طور پر جری اور مجاہد تھا بلکہ دور شہزادگی میں بھی عزم و حوصلے اور تدبر کی داد لے چکا تھا"۔

Marfat.com

عالمی برطانوی سامراج سے پنجہ آزمائی

جنوبی ہند کے مخصوص حالات، ہندوؤں اور نظام حیدر آباد کی ریشہ دوانیوں اور فرانس کی طرف سے خاموشی کے باوجود اس مرد مجاہد نے تن تنہا برطانوی سامراج کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ فیصلہ کتنا صحیح اور بروقت تھا عافیت گوشی اور دنیا پرستی کا راستہ وہ تھا جو ہندوؤں اور نظام نے اپنا لیا تھا مگر مردان حُر کی پُرخطر راہ وہ تھی جس پر سلطان نے چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جنگ پلاسی کے بعد چار عشروں میں انگریز نے جو ظلم و ستم بنگال میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا اس کی رپورٹیں سلطان کے پاس تھیں اور اس پر مسلمانوں کے مستقبل کو بھی قیاس کیا جا سکتا تھا۔ ہندو نے جلد ہی انگریز کی بے دام غلامی اور جی حضوری کا فیصلہ کر لیا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تجارتی مراسم پختہ طور پر استوار کر کے قومی سطح پر مفادات کے حصول میں لگ گیا تھا اور مسلمانوں کو ہندو خود بھی نیچا دکھانے کے ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا اور حکومتی و سیاسی سطح پر انگریز کی مدد کر کے مسلم اقتدار کو کمزور کر رہا تھا۔

اس موقع پر ہندو کا کردار ایک ''گھر کے بھیدی'' کا کردار تھا۔ مسلمان گزشتہ کئی صدیوں سے جنوبی ایشیا کے علاقے کے بلاشرکت غیرے حکمران تھے اور ان کے اپنے رسم و رواج، ثقافت، طور طریقے اور مذہبی عبادات و رسومات تھیں، جس سے ہندو واقف تھا۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کا بھی ہندو کو علم تھا اس طرح ہندو کے برطانوی سامراج کی گود میں جا بیٹھنے کا مطلب مسلمانوں کے بارے میں ''گھر کا بھیدی'' کا کردار ہی تھا جس کی وجہ سے انگریزوں کو ہند میں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جنوبی ایشیا پر برطانوی سامراج کے تسلّط کی وجوہات میں مسلمانوں کی سیاسی، عسکری غلطیاں، باہمی اختلافات اور عیش و عشرت کا در آنا بھی تھا مگر انگریزی اقتدار کی مسلسل اور تیز رفتار کامیابیوں میں ''گھر کے بھیدی'' کے ''لنکا ڈھانے'' کی نفسیات بنیادی وجہ تھی۔

بنگال میں اقتدار حاصل کرتے ہی یورپی مصنوعات کی بھرمار ہوگئی مگر کئی صنعتوں بالخصوص کپڑے کی صنعت میں برطانوی مصنوعات نہایت ردی قسم کی تھیں۔ جبکہ مقامی کپڑے کی صنعت جس میں مسلمان پیش پیش تھے، ڈھاکہ ململ اور اطلس و کمخواب کے دلکش نمونے جو امراء اور بادشاہوں کے استعمال میں آتے تھے زیادہ تر یہیں بنتے تھے۔ تاہم انگریز نے

Marfat.com

ظالمانہ طریقے پر اپنے مال کی فروخت کی خاطر مقامی صنعت کا بھٹہ بٹھا دیا اور کوئی معروف کاروباری طریقہ استعمال نہیں کیا بلکہ مسلمان کاریگروں کو گرفتار کر کے مختلف جرائم میں سزا کے طور پر ان کے ہاتھ کے انگوٹھے کٹوا دیے جس سے وہ کام کے قابل نہ رہے اور یوں یہ صنعت پارچہ بافی دو تین دہائیوں میں دم توڑ گئی یہ ظالمانہ کاروائیاں یورپی انداز حکمرانی میں رومی سلطنت سے ورثہ میں آیا تھا جس کے لئے سیموئل پی ہنٹنگٹن نے اپنی کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' میں تسلیم کیا ہے کہ مغربی تہذیب کا غلبہ رومی تشدد اور دشمنوں پر بے رحمانہ (گوانتا ناموبے جیل کی طرح کے) مظالم کا مرہون تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''.........1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومداران کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے۔'' (ترجمہ وتلخیص عبدالمجید طاہر، صفحہ 42)

اس پس منظر میں مسلمانوں کی بقا کی جنگ جس مرد مجاہد نے مردانہ وار لڑی ہے وہ یہی سلطان فتح علی ٹیپو ہی ہے جب کہ برطانوی سامراج اور اس کے گماشتوں نے ہمیشہ سازشوں، لالچ، جھوٹے وعدوں اور مستقبل کی حکمرانی کے جھوٹے خواب دکھا کر ہی لوگوں کو ساتھ ملایا ہے اور کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔

برطانوی سامراج کے پس پردہ صہیونی قوت اور اُس کی منصوبہ بندی

مغربی سامراج کا نمائندہ انگلستان جو بعد میں برطانیہ یا UK کہلایا دراصل ایک صہیونی منصوبہ اور ابلیسی قوت کے غیر انسانی رویّوں پر مشتمل ایک پروگرام کا نام تھا جو صہیونی منصوبہ سازوں نے بڑی باریک بینی کے ساتھ ترتیب دیا تھا۔ دنیا بھر کی تمام خفیہ تنظیموں کا سرا دراصل اسی ابلیسی صہیونی قوت سے جا ملتا ہے۔

Marfat.com

THE SECRET SOCIETIES OF THE WORLD ـــــ اور ـــــ THE PAWNS OF THE GAME نامی کتابیں دنیا کی مسلم اور مسیحی تاریخ میں اسی صہیونی کردار سے پردہ اٹھاتی ہیں مسلمانوں میں تمام باطنی فرقے جنہوں نے پہلی صدی ہجری سے آج تک سر اٹھایا ہے وہ اسی ڈرامے کا کردار ہیں جس کے تحت اسلام کی تعلیمات کو چھپانا، پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی کرنا اور مسلمانوں کے دل سے اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی محبت اور عشق کو نکال دینا اس کے اہداف ہیں۔ پہلے کبھی حسن بن صباح تھا، فاطمی حکومت تھی، اسماعیلی تھے اور دورِ جدید میں قادیانی ہیں، لاہوری ہیں، گوہر شاہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ابلیس اپنے چیلنج کے مطابق اولادِ آدم کو گمراہ اور 'بے لباس' کرنے یعنی عریانیت اور حیوانیت کی طرف لانے کے لئے قوت واقتدار کا خواہاں تھا اور اسلام کی تعلیمات کو پس پردہ لے جانا اس کی کامیابی کی شرط تھی۔ اس منصوبہ پر اس نے گزشتہ دو ہزار سال سے عمل کیا ہے۔

مسلمانوں کے دور عروج میں 1097ء میں بیت المقدس کی عیسائیوں کو واپسی پر یہودی بڑے خوش تھے۔ تاہم 1190ء کے لگ بھگ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بیت المقدس کے واپس مسلمانوں کے پاس چلے جانے سے اس صہیونی تحریک کو بڑا دھچکا لگا لیکن اس نے ہار نہیں مانی بلکہ میدانِ جنگ بدل لیا۔ اب اس نے مسلمانوں کے اندر اپنے ہم خیال باطنی فرقے پیدا کرنے اور ان کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور فوجی قوت کے حصول کے لئے عیسائیوں پر پورا بھروسہ کرنے کی بجائے ایک اپنی قوت کھڑی کرنے کا منصوبہ بنایا اور آج کی ساری صہیونی کامیابیاں اسی منصوبہ کے مختلف مراحل ہیں اور آئندہ کے مراحل کا پتہ دیتی ہیں۔ اس کے اہم واقعات یہ ہیں۔

- صہیونیت نے بیت المقدس کی واپسی کے بعد یورپی عیسائیت سے مایوس ہو کر مذہب کے نام پر مذہب سے آزاد اور مذہب بیزار گروہ پیدا کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کر دی۔ اس لیے کہ ایک طرف مذہب انسان کی ضرورت ہے تو دوسری طرف یہ بھی اس سے بڑی حقیقت ہے کہ اکثریت مذہب کو مان کر اس کی پابندیوں سے آزادی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ اس مہم میں ابلیس ہی کا ساتھ دیتے ہیں۔

Marfat.com

○ اس کام کیلئے ویسے تو پورا مسیحی یورپ ہی یہود کیلئے چراگاہ ثابت ہوا تاہم برطانیہ کی سرزمین اور وہاں کی سماجی معاشرتی اور جغرافیائی حیثیت اس منصوبے کے لئے نہایت سازگار رہی۔

○ مذہبی عیسائی اور مسلمان ——— یہودیّت اور اس کے منصوبوں کو جلد ہی پہچانتے رہے ہیں اسی لئے صہیونیت نے اپنی بقا اور منصوبوں کی کامیابی کے لئے فضا ہموار رکھنے کی غرض سے غیر مذہبی ذہن اور سیکولر سوچ کا آغاز کیا۔

چنانچہ 1215ء میں انگلستان میں حقوق انسانی کی آواز اٹھائی گئی اور ہر انسان کو بلالحاظ مذہب وملّت، رنگ ونسل زندہ رہنے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کا نعرہ لگایا گیا بظاہر یہ نعرہ بڑا سادہ اور پرکشش بھی تھا مگر بدنیّت گروہ اور شیطان کے لئے اس میں کامیابی کی نوید تھی۔

○ 1225ء میں انگلستان میں ہی شاہِ انگلستان کے ذریعے انسانی حقوق کے لئے ایک جامع فرمان جاری کرایا گیا جو بعد میں حقوق انسانی کا شاہکار MAGNA CARTA کہلایا اور اسے مستقبل کی تمام کامیابیوں کی شاہ کلید سمجھا گیا۔

○ مسیحیّت کے اندر ہی پوپ کے بے پناہ 'خدائی' اختیارات کو چیلنج کر دیا گیا اور انسانی حقوق اور آزادی رائے کے خلاف قرار دے کر ایک تحریک کا آغاز کر دیا گیا جس میں دھوکے سے باضمیر اور بہت سے انسان دوست لوگوں نے قربانیاں دیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا تاہم آزادی رائے اور آزادی مذہب کے اس خوبصورت نعرے سے فائدہ صرف صہیونیّت نے اٹھایا اور آج تک اٹھا رہی ہے۔

○ چنانچہ مسیحیت کے اندر کیتھولک کے مقابلے میں پوپ سے آزاد اور مسیحی ہوتے ہوئے بھی ——— خیالات ونظریات سے لے کر عملی زندگی تک 'آزادی' اور 'آزاد خیالی' کو جواز مل گیا اور اس 'آزادی' کی آڑ میں دراصل اختیار صہیونی منصوبہ سازوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اس فرقے کا نام "PROTESTANTS" رکھا گیا اور اس کا تعلق بائبل سے صرف نام کی حد تک رہ گیا اور آسمانی وحی اور فرموداتِ پیغمبر علیہ السلام کا عمل دخل ختم ہو گیا یہ تعلق صرف مسیحی کہلوانے کے لئے باقی رکھا گیا۔

○ 'آزاد خیالی' جسے بعد میں 'روشن خیالی' کا دل خوش کن نام دیا گیا' کی آڑ میں صہیونی

Marfat.com

منصوبہ سازوں نے 'سود' کو جائز کرلیا اور آسمانی وحی کے حامل تینوں مذاہب کی تعلیمات کے برعکس (اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں سود USURY حرام ہے) طرزِ عمل اختیار کرلیا۔

- چنانچہ 1545ء میں اس ابلیسی تحریک کے منصوبہ سازوں نے پہلا بنک (معاشی حرام کاری کا اڈّہ) بنک آف انگلینڈ کے نام سے قائم کیا۔ اس سے پہلے کاغذی نوٹ (PAPER CURRENCY) آچکا تھا لہٰذا بنک کے کام کو جلد ہی فروغ حاصل ہوگیا اور اس کی شاخیں ہر جگہ کھلنے لگیں۔
- سترھویں صدی میں امریکہ فرانس وغیرہ میں جمہوری تحریکیں چلیں جس کے نتیجے میں آگے چل کر انسان کو جمہوری حقوق تو مل گئے مگر اس کی آڑ میں دراصل فائدہ صہیونی تحریک کو ہوا جس نے اس موقع پر ریاست اور مذہب کو علیحدہ کردیا گیا اور ریاستی معاملات میں مذہب کا عمل دخل کم کردیا گیا جو بالآخر بیسویں صدی میں آکر یکسر ختم ہوگیا اور سیکولرازم کا دور عروج پر پہنچ گیا۔
- مسیحیّت میں پوپ کے اختیارات اور تثلیث کے عقیدہ کی شدت نے سائنس اور سائنسی تحقیق کا راستہ روکا۔ فلکیات کے شعبہ میں ترقی سے مذہبی تصورات پر زد پڑی، آکسیجن کی دریافت سے آگ کے بارے میں تصورات بدل گئے جس پر تثلیث کے علمبرداروں نے سخت سزائیں دیں جس سے آہستہ آہستہ تحقیق کا شعبہ بھی مذہب سے بیزار ہوگیا اور ریاست و مذہب میں علیحدگی کے بعد سائنس و تحقیق کا شعبہ بھی مذہب سے کٹ کر الگ ہوگیا اور یوں جدید ریاست اور سائنس کی عمارت سیکولر بنیادوں پر استوار ہوگئی اور سیکولرازم اور لادینیت جدید سائنس اور جدید ریاست میں رچ بس گئی۔۔۔ مسیحی مذہب یعنی تثلیث کے زہریلے اثرات کی وجہ سے ریاست مذہب سے علیحدہ ہوئی تو اس خلا کو رومن لا اور رومی طرزِ حکومت نے پُر کیا۔ رومی طرزِ حکومت بڑا ظالمانہ بلکہ بے رحمانہ تھا جس کی وجہ سے مغربی استعمار کی بالادستی ہوگئی۔ جبکہ قانون سازی کی بنیاد اور انسان کے لئے ماورائی تصورات کے لئے مذہب کی جگہ یونانی فلسفہ نے لے لی۔

اس طرح مغربی فکر کی بنیاد مذہب دشمنی اور یونانی فلسفہ پر استوار ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی رومی قانون، رومی طرزِ حکومت و عدالت ہے۔ (یونانی فلسفہ کے نمائندے ارسطو وغیرہ ہی تھے)

مغربی فکر کی بنیادیں سترھویں صدی تک بہت پختہ ہوچکی تھیں اگرچہ بعد میں اس

Marfat.com

میں وقت کے ساتھ ساتھ 'آزادی' اور 'روشن خیالی' کے نام پر 'حیوانیت' آتی چلی گئی اور 'انسان' اشرف المخلوقات ہونے کے مقام سے اسفل السافلین کی طرف لڑھکتا چلا گیا تا آنکہ آج اکیسویں صدی کا مغرب VALUELESS اور MORALES معاشرہ ہے آج آزادی کا مطلب اور اخلاقی اقدار سے آزادی ہے جو مغرب کا نعرہ ہے۔

- اٹھارھویں صدی کے آخر تک یورپ میں اس فکر کے ساتھ سائنسی ترقی ہوئی اور صنعتی انقلاب آیا تو یورپی اقوام نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تمام خشکی وتری یعنی بحر وبر پر قبضہ جمالیا۔ تاہم انسانی فطرت ہے جس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ یورپی اقوام نے مختلف مقبوضات پر قبضے کے لئے چھینا جھپٹی کی اور جنگوں تک نوبت آگئی شمالی افریقہ میں مصر پر قبضے کے لئے فرانس اور انگلینڈ کی جنگیں اسی کا شاخسانہ تھیں۔
- اس سارے کھیل میں تھوڑا نقصان اٹھا کر بھی صہیونی منصوبہ سازوں کو انگلستان (برطانیہ) کو بالادستی دلانے کا موقع مل گیا۔

صہیونی منصوبہ سازوں کے دو اہم اقدامات

یورپی اقوام، جو صہیونیت کے مہرے تھے، کی آپس کی جنگوں سے اس طویل منصوبہ کی ناکامی کا خدشہ تھا لہٰذا فطری آزادی اور اقتصادیات کے میدان میں مسلّمہ اُصول HEALTHY COMPETITION اور OPEN MARKET کے بجائے MONOPOLY کا اصول اپنا لیا گیا۔ تاکہ دیگر اقوام عالم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا سکے۔ یہ اقدام اقوام عالم کے لئے تاریخ کا ایک سیاہ دن تھا جس کے بعد سے آج تک مغربی اقوام بلا شرکت غیرے پوری تیسری دنیا کا خون نچوڑ کر پی رہی ہیں اور ان کے وسائل رزق کا بڑا حصہ اپنے ملکوں میں لے جاتی ہیں۔ چنانچہ صہیونی دماغوں نے دو اہم اقدامات کیے:

- پہلا فیصلہ یہ کیا گیا کہ یورپی اقوام مقبوضات پر آپس میں جنگ نہیں کریں گے بلکہ یہ فیصلے پوپ کے ذریعے ہوں گے اور وہ سب کو قبول کرنا ہوں گے۔ جس کے تحت یورپی اقوام کی آپس کی خانہ جنگی ختم ہو گئی اور اس وقت تک برطانوی سامراج چونکہ ایک واضح بالادستی حاصل کر چکا تھا لہٰذا ملکہ برطانیہ اور چرچ آف انگلینڈ بہت طاقتور اور مستحکم ادارے بن گئے۔

Marfat.com

دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ ـــــــ اقتصادی میدان میں اگر یورپی اقوام اپنی اپنی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت کرتی رہیں تو اس طرح صحت مند مقابلے کی کیفیت سے منافع خوری کم ہوگی اور فائدہ تیسری دنیا کو ہوگا جو یہودی اور ابلیسی ذہن کو کسی صورت گوارا نہیں تھا اور نہ اب ہے اس لئے کہ وہ جلدی منافع جمع کر کے اپنے شیطانی منصوبوں کی تکمیل چاہتا تھا۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ یورپی اقوام میں اس وقت کی قوت وحیثیت کے مطابق مختلف مصنوعات کو مختلف ملکوں کو الاٹ کر دیا گیا۔ مثلاً فرانس خوشبویات اور آرائشی شیشہ کی مصنوعات بناتا ہے، بلجیم عمارتی شیشہ بناتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے یورپی مصنوعات کا یورپی اقوام میں مقابلہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنی سائنسی ترقی کی بنیاد پر منہ مانگے دام وصول کر سکیں گی (بعد میں یہ تقسیم دن بدن گہری ہوتی چلی گئی اور مختلف مصنوعات کوئی ایک یورپی ملک بناتا ہے اور دوسرا نہیں بناتا مثلاً دل کے امراض کے مہنگے انجکشن صرف ڈنمارک بناتا ہے گزشتہ سالوں میں حضرت محمد ﷺ کی توہین کرتے ہوئے ڈنمارک میں جو کارٹون شائع ہوئے اور ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ ہوا تو چند دنوں میں دل کے مریضوں کے آپریشن کے لئے ادویات ناپید ہو گئیں اور بالآخر مجبوراً وہ بائیکاٹ ختم کرنا پڑا۔)

ان دو اقدامات سے یورپی اقوام کو استحکام ملا اور برطانوی سامراج کی عالمی بالادستی مضبوط ہوگئی اور باقی یورپی اقوام اس صہیونی منصوبہ کے مہرے بن گئے جو کسی وقت بھی کام میں لائے جاسکتے ہیں۔

یہ باتیں آج زبان زدِ عام ہیں اٹھارویں صدی کے اختتام پر صرف یورپی بالادستی، ظلم وتشدد اور بے انصافیوں کے پس منظر میں یورپی غلبہ کے 'عنوان' سے اور مسلمانوں کے غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں غلام ہونے کے خدشہ کے طور پر سوچی جاسکتی تھیں۔ تاہم اس دیو استبداد ـــــــ برطانوی سامراج اور صہیونی منصوبہ ـــــــ کا جس مردِ مجاہد نے مردانہ وار مقابلہ کیا ہے وہ ٹیپو سلطان ہے اور یقیناً وہ برطانوی سامراج کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہی ثابت ہوا۔

سلطان ٹیپو نے باپ کے انتقال کے بعد جو مہمات برپا کیں ان کی تفصیلات اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق درج ذیل ہیں:

Marfat.com

حکومت سنبھالتے ہی ٹیپو سلطان نے سب سے پہلا کام اپنی فوج کو منظم کرنے کا کیا۔ اس نے باقاعدہ رجمنٹیں مقرر کیں اور ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں ماہوار تنخواہ کا تصور بھی نہیں تھا اس نے فرانسیسی افسروں کی خدمات حاصل کیں تاکہ فوج کو یورپی نمونے پر منظم کیا جا سکے۔ عام روایت کے مطابق ٹیپو سلطان کی باقاعدہ فوج ایک لاکھ کے قریب تھی۔

انگریزوں نے جنرل میتھوز کی سرکردگی میں ازسرنو مالابار پر حملہ کر دیا اور بڈنور کے حاکم ایاز خان نے نہ صرف شہر و قلعہ بلکہ پورا صوبہ بڈنور اس شرط پر انگریزوں کے حوالے کر دیا کہ اس کی حکومت بدستور اسی کی تحویل میں رکھی جائے۔ سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے لطف علی بیگ کو دفاع کی غرض سے بھیجا۔ اس وقت تک انگریز ایاز خان سے سمجھوتے کے مطابق بڑے علاقے پر قابض ہو چکے تھے۔ لطف علی بیگ نے باقی علاقے کو بچانے کی کوشش کی لیکن انگریزوں کی قوم کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ فتح کے بعد انگریزوں نے وہاں انتہائی دردناک مظالم روا رکھے۔

یہ خبریں سلطان تک پہنچیں تو وہ بگولے کی طرح اٹھا اور انگریزوں پر چھا گیا اس نے ایک ہی حملے میں بڈنور پر قبضہ کر لیا۔ یہاں وہ بنگلور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ انگریز جنرل کیمبل نے 2 اگست 1783ء کو صلح نامہ پر دستخط کر دیے۔ ہر طرف سے شکست و ہزیمت اٹھا کر انگریزوں نے میسور میں سازشوں کا آغاز کر دیا۔ سرنگا پٹم میں ہندو راجا کو گدی پر بٹھانے کی سازش کرائی گئی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی تدبیروں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور بالآخر 11 مارچ ء کو انگریزوں اور سلطان کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ جس کی رو سے فریقین نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے اور اسیران جنگ چھوڑ دیئے۔ انگریزوں سے فارغ ہو کر سلطان نے مرہٹوں اور نظام کے ساتھ اتحاد کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر نظام اور مرہٹوں کے درمیان اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ میسور کی سابقہ ریاست چھوڑ کر باقی تمام سلطانی مقبوضات کو چھین کر باہم تقسیم کر لیا جائے۔ ایک جھڑپ کے بعد دونوں فروری 1787ء میں سلطان کے ساتھ صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے۔ طے پایا کہ دونوں طاقتیں انگریزوں کے خلاف سلطان کو مدد دیں گی۔

Marfat.com

اسی زمانے میں سلطان نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا' جسے دونوں ہمسایہ ممالک نے تسلیم کیا۔ خطبے میں مغل حکمران کی جگہ اپنا نام شامل کرایا۔ نیا روپیہ جاری کیا۔ انتظامی معاملات درست کئے۔ نیا آئین حکومت نافذ کیا۔ سرنگاپٹم میں مسجد اعلیٰ کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔ سن ہجری کی جگہ سن محمدی جاری کیا جو آغاز نبوت سے شروع ہوتا تھا۔ مہینوں کے نئے نام رکھے اور ملک بھر میں مختلف صنعتیں جاری کروائیں سلطان نے فرانس کے دستور جمہوریت سے متاثر ہو کر اس کا عملی نفاذ اپنے ہاں بھی کرنا چاہا اور دفاعی اور خارجی امور کے علاوہ دیگر تمام تر اختیارات مجلس وزراء کو سونپ دیے جس کا میر (وزیر اعلیٰ) یعنی صدر الصدور میر صادق کو بنایا۔

1784ء میں سلطان نے عثمان خاں کو سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا تھا۔ وہاں سے حوصلہ افزا جواب آیا تو غلام علی خان لنگڑے، شاہ نور اللہ، لطف علی بیگ اور محمد حنیف کو ایک سفارت پر روانہ کیا۔ جسے قسطنطنیہ کے بعد فرانس اور پھر انگلستان بھی جانا تھا مگر یہ سفارت صرف ترکی ہی سے واپس لوٹ آئی۔ سلطان ترکی نے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ٹیپو سلطان کے لئے پروانہ سلطان بھجوایا۔ اسی طرح سلطان نے کریم خاں زند، حاکم ایران، زمان شاہ درانی حاکم افغانستان اور شاہ فرانس کے پاس بھی الگ الگ سفارتیں بھجوائیں۔

اس وقت لارڈ کارنوالس گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا۔ اس نے آتے ہی تمام معاہدوں سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ ٹیپو سلطان کو شکست دیے بغیر انگریزی حکومت قائم کرنے کے خواب کی تعبیر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر فوجی و عددی برتری کے باوجود ابھی تک وہ سلطان کو شکست سے آشنا نہ کر سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر کارنوالس نے سازشوں کا ایک جال بچھانا شروع کر دیا۔

مرہٹوں اور نظام کے ساتھ انگریزوں کی گفت و شنید جاری تھی کہ ٹراونکور کے راجہ نے انگریزوں کی شہ پر سلطانی علاقے کوچین پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں ٹراونکور نے ولندیزیوں سے دو قلعے جیا کوٹہ اور کرنگا نور خرید لئے جو دفاعی لحاظ سے میسور کی سرحد پر اہم حیثیت رکھتے تھے۔ کارنوالس نے اس سودے پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اور ولندیزی گورنر نے بھی اس میں اپنی عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ ان حالات میں 14/ اگست 1789ء کو جب سلطان نے اپنی سرحدوں کا

Marfat.com

جائزہ کیا۔ تو اس نے ایک خط راجہ کو لکھا کہ دونوں قلعے اسے واپس دے دیے جائیں نیز کوچین کا علاقہ بھی واپس کر دیا جائے راجہ کے غیر ذمہ دارانہ جواب پر سلطان نے اس کی گوشمالی کرنے کے لئے کچھ فوج بھیجی جس کے ساتھ راجہ کی فوجوں کی چھوٹی سی جھڑپ ہوئی۔

جولائی 1790ء میں مدارس کے گورنر نے کارنوالس کی ہدایت کے مطابق سلطان کو لکھا کہ جھگڑے کے تصفیے کے لئے کمشنر مقرر کیے جائیں۔ سلطان نے اتفاق کیا اور کہا کہ بہتر ہے کمشنر اس کے پاس بھیج دیے جائیں جب میڈوز گورنر بنا تو اس نے کمشنر سے انکار کر دیا۔ سلطان نے اپنے سفیر بھیجنا چاہے تو اسے بھی نہ مانا اور کہلا بھیجا کہ صلح چاہتے ہو تو تاوان ادا کرو۔

بعد کے واقعات کچھ بھی ہوئے یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں نے ٹراونکور کے واقعہ کو بہانہ بنا کر تیسری بار میسور پر حملہ کر دیا۔ ابتدا میں جنرل میڈوز نے فوج کی کمان سنبھالی۔ اس نے جنوبی سمت سے میسور پر حملہ کر دیا۔ مئی سے دسمبر 1790ء تک اس کے حملے ناکام رہے۔ فروری 1791ء میں کارنوالس نے کمان سنبھالی اور سیدھا بنگلور کی طرف بڑھا سلطانی فوج مدافعت میں ناکام رہی اور کارنوالس نے بنگلور کو فتح کرنے کے بعد مئی 1791ء میں سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ مگر چیچک پھوٹ پڑنے کی وجہ سے محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ ابھی کارنوالس محاصرہ اٹھا کر پلٹا ہی تھا کہ مرہٹے اس کی مدد کو آ گئے۔ اور یوں فروری 1792ء میں اس نے دوبارہ سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ سامان رسد کی موجودگی میں اسے محاصرہ کی طوالت کا کوئی خوف نہ تھا۔ ادھر سلطانی فوج ہر قسم کی کمک سے محروم ہو چکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریز چاہتے تو سلطنت میسور کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر ٹیپو سلطان کا دبدبہ ان پر اس قدر طاری ہو چکا تھا کہ مسلمان کو مصالحت کا پابند بنانے ہی میں عافیت سمجھی اس مصالحت میں طے پایا کہ:

1۔ سلطان نصف سلطنت اتحادیوں (انگریز، مرہٹے اور نظام) کے حوالے کر دے۔

2۔ تین کروڑ تیس لاکھ پگوڈے کی رقم تاوان دے۔ اس میں سے ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ کی رقم فوراً ادا کی جائے اور باقی رقم جلد از جلد ادا کر دی جائے۔

3۔ تمام اسیران جنگ رہا کر دیے جائیں۔

4۔ معاہدے کی شرطیں پوری ہونے تک سلطان کے دو بیٹے بطور یرغمال اتحادیوں

Marfat.com

کے پاس رہیں۔

اس معاہدے سے سلطان پر سیاسی، معاشی اور انتظامی طور پر سخت ضرب لگی۔ اندازہ لگانے کی بات ہے کہ جس ملک کا مالیہ اڑھائی کروڑ ہو، وہ نصف ملک بھی ہاتھ دے اور تین کروڑ سے زیادہ تاوان بھی دے۔ اس کی معاشی حالت کیسی ہو جائے گی۔ اس کے باوجود سلطان نے ہمت نہ ہاری۔ اس کی الوالعزمی میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ جفا کشی کے ساتھ انتظام سلطنت میں لگ گیا سرکشوں کو سزادی ۔ وفاداروں سے حلف لیا۔ زراعت کی حوصلہ افزائی کی اور فوج کو از سر نو مستحکم کیا اور صرف پانچ ہی برس کی انتھک محنت سے ملکی معیشت کو سنبھالا دے دیا۔

اس دوران میں سلطان کی سیاسی اور فوجی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ تجارت اور صنعت کے علاوہ اس نے فرانس کے ساتھ کئی فوجی معاہدے بھی کیے۔ اس وقت نپولین مصر فتح کر چکا تھا۔ اس نے جو خط ٹیپو سلطان کو لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایران کے راستے ہندوستان آنا چاہتا تھا کہ یہاں انگریزوں سے نمٹ سکے۔ اس خط سے انگریز بھی آگاہ تھے۔ ابتدا میں تو وہ خاموش رہے مگر جب مرہٹوں اور نظام کی طرف سے انھیں مکمل معاونت کا یقین ہو گیا تو انگریز گورنر ولزلی نے سلطان کو تہدید آمیز خطوط لکھنے شروع کیے۔

سلطان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے۔ مسلمان آپس کی سر پھٹول کے باعث کمزور ہو چکے تھے۔ اور سات سمندر پار کی ایک قوم اپنے پنجے اس سرزمین میں گاڑ رہی ہے۔ اگر اس قوم کا مقابلہ نہ کیا گیا تو بہت جلد ہندوستان جیسا زرخیز علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا جائے گا جو یہاں سے دولت کو ہر روپ میں انگلستان پہنچا دیں گے مگر افسوس کہ سلطان اپنے محل اور دربار میں ہونے والی سازشوں کو نہ سمجھ سکا۔ بزعم خود اس نے فرانسیسی طرز کی جمہوریت کی نیو ڈال دی۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ یہ زمین بھی موزوں ہے یا نہیں۔ میر صادق، پورنیا اور قمرالدین خاں جیسے وزراء اختیارات کو ناجائز طور پر استعمال کر رہے تھے۔ وہ فوری فوائد کے لالچ میں در پردہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور حکومت و مناصب کے بڑے بڑے عہدوں کی امید میں سلطان کا ہر راز ان تک پہنچا دیتے تھے۔

Marfat.com

جب سلطان کے دل میں ان سازشوں کے متعلق شکوک نے جگہ گھیری تو اس نے تمام عہدہ داروں کو مسجد اعلیٰ سرنگا پٹم میں بلا کر وفاداری اور ایمانداری کا حلف لیا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا انگریزوں کی سازشیں عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اور ولزلی سلطان کو جنگ کی دھمکی دے چکا تھا جولائی 1798ء میں جنرل ہارس نے پیش قدمی شروع کردی۔ 22 اپریل 1799ء کو اس نے سرنگا پٹم پر گولہ باری سے پیشتر مصالحت کا ایک مسودہ سلطان کی خدمت میں دستخط کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جس میں انتہائی ذلت آمیز شرائط درج تھیں۔ یعنی نصف سلطنت چھوڑ دی جائے۔ دو کروڑ تاوان دیا جائے۔ جس میں سے ایک کروڑ فوراً ادا کیا جائے۔ چار بیٹے اور چار جرنیل بطور یرغمال دیئے جائیں۔ یہ جواب چوبیس گھنٹے کے اندر مانگا گیا تھا۔

سلطان ایسی ذلت آمیز شرائط پر صلح نہ کرسکتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے'' امید افزا جواب نہ ملنے پر جنرل ہیرس نے قلعہ پر گولہ باری شروع کرادی۔ سلطانی افواج نے اس گولہ باری کا پوری مستعدی سے جواب دیا۔ مگر سلطانی وزراء غداری کی قسم کھائے بیٹھے تھے انہوں نے گولہ بارود میں مٹی اور سن ملوادیا۔

4 مئی کی صبح انگریزی فوج سرنگا پٹم کے گرد موجود دریائے کاویری کا دو سو گز پاٹ پار کر کے فصیل کے ایک شگاف پر حملہ کیا۔ سلطان نے خود وہاں دفاعی فوج متعین کی تھی۔ مگر عین اس وقت پورنیا نے محافظ فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے بلا لیا۔ یوں انگریز فوج بلا تکلف اندر داخل ہوگئی۔ دو پہر کا وقت تھا ٹیپو سلطان مورچوں پر سے چکر لگا کر سائبان تلے آکر بیٹھا تھا کھانا سامنے دھرا تھا۔ ابھی لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ ایک جان نثار سید غفار کے شہید ہونے کی اطلاع ملی پتا چلا کہ انگریزی فوج قلعہ میں آگئی ہے سلطان نے یہ کہہ کر کھانے سے ہاتھ اٹھالیا: ''ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں''۔

اسی وقت انگریز فوج اندر آچکی تھی۔ سلطان ڈڈی دروازے کی طرف بڑھا چند جان نثار ساتھ تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ قلعے سے باہر نکل کر کسی اور جگہ پر پناہ لی جائے لیکن میر صادق نے باہر نکل کر دروازہ بند کرا دیا اور خود شہر کی جانب روانہ ہوگیا ایک جان نثار اس کی غداری کو بھانپ گیا اور پیچھے دوڑ کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑادی۔

اب سلطان ہر طرف سے انگریز فوج میں گھر چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کی تلوار اپنے

Marfat.com

جو ہر دکھا رہی تھی، سلطان کے دو زخم لگ چکے تھے تیسرے زخم نے نڈھال کر دیا۔ وفاداروں نے اٹھا کر پالکی میں ڈالنا چاہا۔ لیکن ایک ہجوم نے انہیں پرے دھکیل دیا۔ سلطان زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑا۔ ایک انگریز سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کی بیش قیمت پیٹی اتارنا چاہی۔ ابھی سلطان میں زندگی کی رمق اور غیرت کا جوش باقی تھا۔ فوراً تلوار کا وار کیا اور سپاہی کو کاٹ کر پرے پھینک دیا۔ ایک اور سپاہی یا شاید اسی سپاہی نے پستول کے وار سے سلطان کو شہید کر دیا۔

سلطان ٹیپو کی عام طور پر مشہور فوٹو میں وہ بغیر داڑھی کے دکھایا جاتا ہے تاہم قائداعظم لائبریری لاہور میں ایک کتاب موجود ہے جس کے ٹائٹل پر سلطان ٹیپو کی تصویر ''باشرع'' پوری داڑھی کے ساتھ دکھائی گئی ہے۔ اس صفحے کی فوٹو کاپی بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ انگریزوں نے سلطان کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لئے عرصے بعد جو تصویر جاری کی وہ اپنی مرضی کے مطابق تھی ورنہ تحریک شہیدین جیسی تحریک 25 سال کا انتظار کیے بغیر ہی جنوبی ہندوستان سے شروع ہو جاتی۔

سلطان فتح علی ٹیپو شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''شیر کی ایک دن کی (آزادی اور حکمرانی کی) زندگی گیدڑ (غلامی اور محکومی) کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے''

Marfat.com

مصادر ومراجع

- قرآن مجید
- سنن ابی داؤد
- الجامع الصغیر
- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا — مؤلفہ سیّد قاسم محمود
- اُردو معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ — مؤلفہ ثروت صولت
- عظیم شخصیات کے آخری لمحات — مؤلفہ خواجہ طاہر محمود کوریجہ
- تاریخ المشاہیر — مؤلفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- جہانگیر سیریز انسائیکلوپیڈیا جنرل نالج عالمی معلومات مولفہ زاہد حسین
- انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا — مؤلفہ سیّد قاسم محمود
- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — مولفہ عبدالرشید عراقی
- مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال — مولفہ کیرن آرم سٹرانگ
- اِعلائے کلمۃ الحق کی روایت، اسلام میں، — مؤلفہ میاں محمد افضل
- دس سلطان — مولفہ سید بشیر احمد سعدی
- دو روشن ستارے — مولفہ عبدالرشید عراقی
- RE-AWAKENIG OF EAST — برٹرینڈ رسل

NATION MASTER ENCYCLOPEDIA. : WEB

Marfat.com

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو
ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے
خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے

(سورۃ الصّف، آیت 9)

Marfat.com

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسّر تونگری سے نہیں!
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسُور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں!
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں!
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں!

علامہ اقبال

Marfat.com

حصّہ سوم

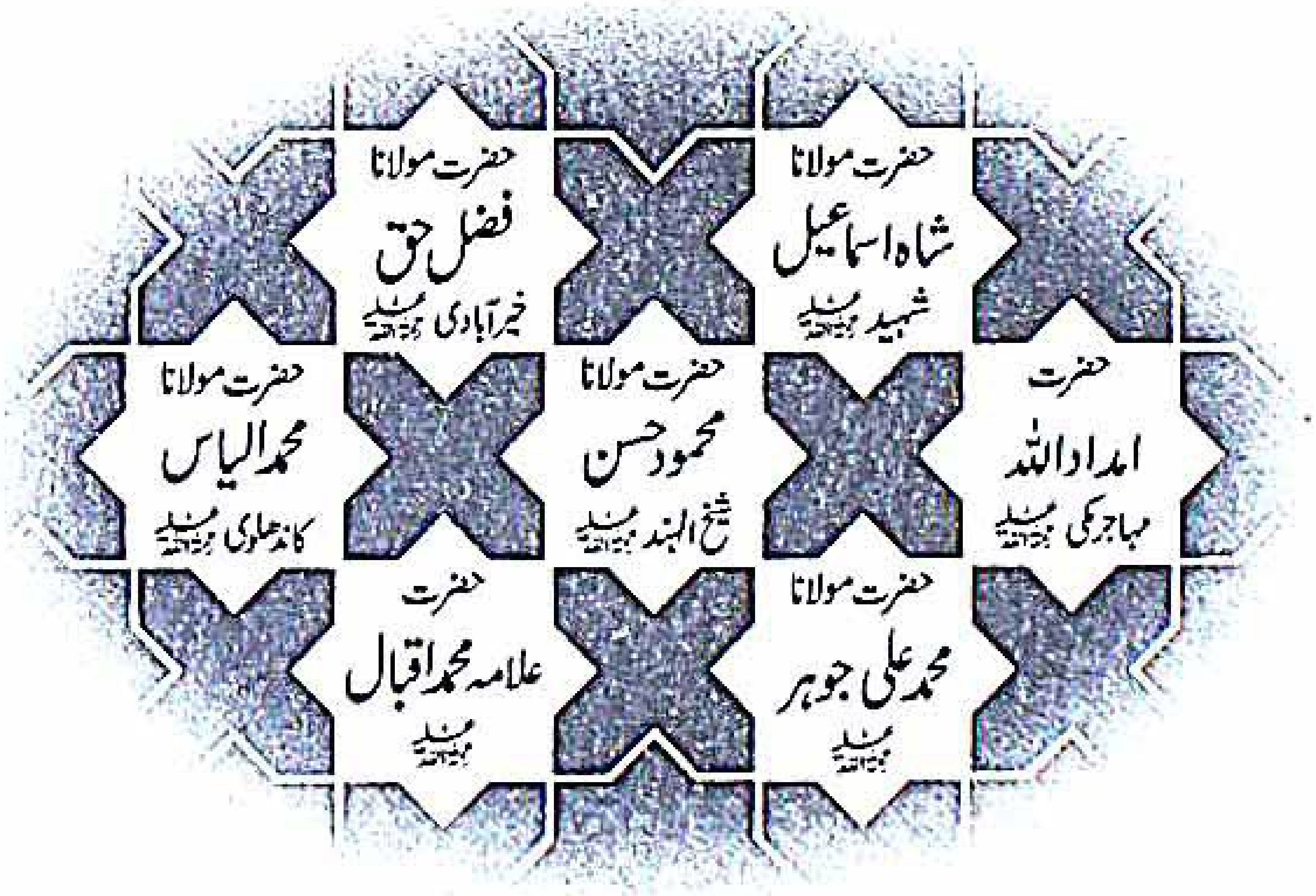

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشمولات

1	مقدمہ	7
2	حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ	9
3	حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	21
4	حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ	33
5	حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ	43
6	حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	59
7	حضرت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ	65
8	حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ	77

Marfat.com

دورِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سے قیامِ پاکستان تک کی 21 اسلامی انقلابی شخصیات کے اسمائے گرامی

1 حضرت عمر بن عبدالعزیز
2 امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت
3 امام احمد بن حنبل
4 امام غزالی محمد بن محمد
5 شیخ عبدالقادر جیلانی
6 سلطان صلاح الدین ایوبی
7 امام ابن تیمیہ تقی الدین
8 سلطان محمود غزنوی ناصر الدین
9 حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
10 حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی
11 حضرت اورنگزیب عالمگیر محی الدین
12 حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی
13 حضرت احمد شاہ ابدالی
14 سلطان فتح علی ٹیپو شہید
15 حضرت شاہ اسماعیل شہید
16 حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی
17 حضرت امداد اللہ مہاجر مکی
18 حضرت محمود حسن شیخ الہند
19 حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی
20 حضرت مولانا محمد علی جوہر
21 حضرت علّامہ محمد اقبال

رحمۃ اللہ علیہم

Marfat.com

مُقدّمہ

الحمدللہ کہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں چند سال قبل منعقد ہونے والے سیمیناروں میں عظیم اسلامی انقلابی شخصیّات پر سامنے آنے والے قیمتی خیالات کی اشاعت کا منصوبہ آگے بڑھ رہا ہے۔ 21 شخصیّات کے اس سنہرے سلسلہ کے حصّہ اوّل اور حصّہ دوم کی اشاعت ہوچکی ہے اور تیسرا حصّہ بھی پریس جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جلد ہی حصہ سوم بھی قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہوگا۔

21 اسلامی انقلابی شخصیات کے حالات پر حصّہ اوّل، حصّہ دوم اور حصّہ سوم کی طباعت کے بعد اس علمی ذخیرہ کو یکجا چھاپنے کا بھی ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس ارادے کی تکمیل کے لیے اسباب جمع فرمادے اور اس کاوش میں شامل تمام اصاغر و اکابر کے لیے توشۂ آخرت بنادے۔ آمین۔

13 مئی 2013ء — انجینئر مختار فاروقی

2 رجب 1434ھ — قرآن اکیڈمی جھنگ

Marfat.com

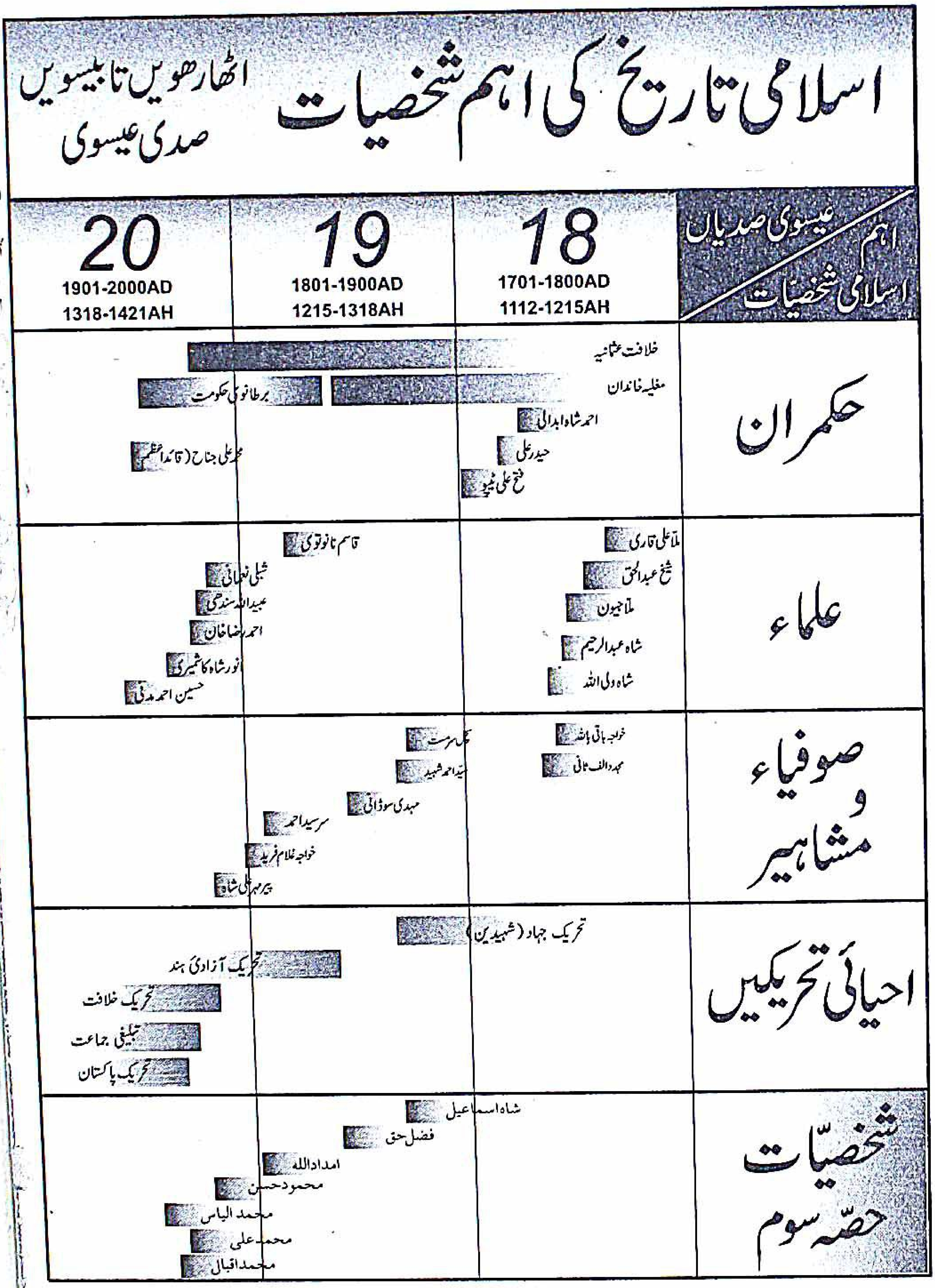
اسلامی تاریخ کی اہم شخصیات
اٹھارھویں تا بیسویں صدی عیسوی
عیسوی صدیاں
اہم اسلامی شخصیات
18
1701-1800AD
1112-1215AH
19
1801-1900AD
1215-1318AH
20
1901-2000AD
1318-1421AH
حکمران
خلافت عثمانیہ
مغلیہ خاندان
برطانوی حکومت
احمد شاہ ابدالی
حیدر علی
فتح علی ٹیپو
محمد علی جناح (قائداعظم)
علماء
ملا علی قاری
شیخ عبدالحق
ملا جیون
شاہ عبدالرحیم
شاہ ولی اللہ
قاسم نانوتوی
شبلی نعمانی
عبیداللہ سندھی
احمد رضا خان
انور شاہ کاشمیری
حسین احمد مدنی
صوفیاء و مشاہیر
خواجہ باقی باللہ
مجدد الف ثانی
سچل سرمست
سید احمد شہید
مہدی سوڈانی
سر سید احمد
خواجہ غلام فرید
پیر مہر علی شاہ
احیائی تحریکیں
تحریک جہاد (شہیدین)
تحریک آزادی ہند
تحریک خلافت
تبلیغی جماعت
تحریک پاکستان
شخصیات حصہ سوم
شاہ اسماعیل
فضل حق
امداداللہ
محمود حسن
محمد الیاس
محمد علی
محمد اقبال

Marfat.com

15

مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا

شاہ اسماعیل شہید

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1193ھ/ 1779ء دہلی

1818ء میں سیّد احمد بریلوی کے ہاتھ بیعت کی۔ 1821ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، دو سال بعد وطن واپسی ہوئی تو تحریک جہاد کا آغاز کیا۔ 1826ء میں ہجرت کر کے صوبہ سرحد کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ 1831ء میں معرکہ بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا۔

وفات: 1246ھ/1831ء بالاکوٹ

Marfat.com

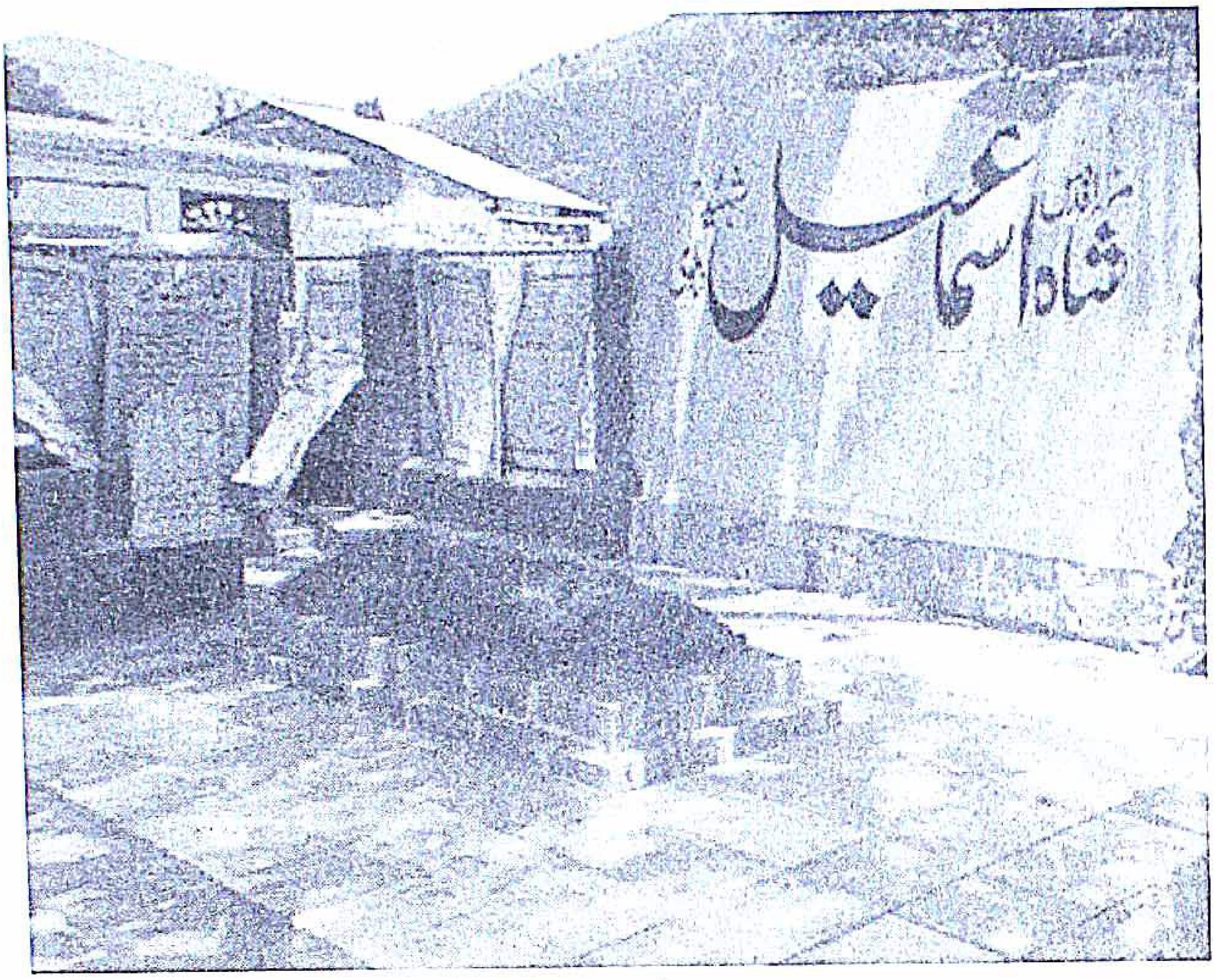

آخری آرام گاہ: شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ (بالاکوٹ)

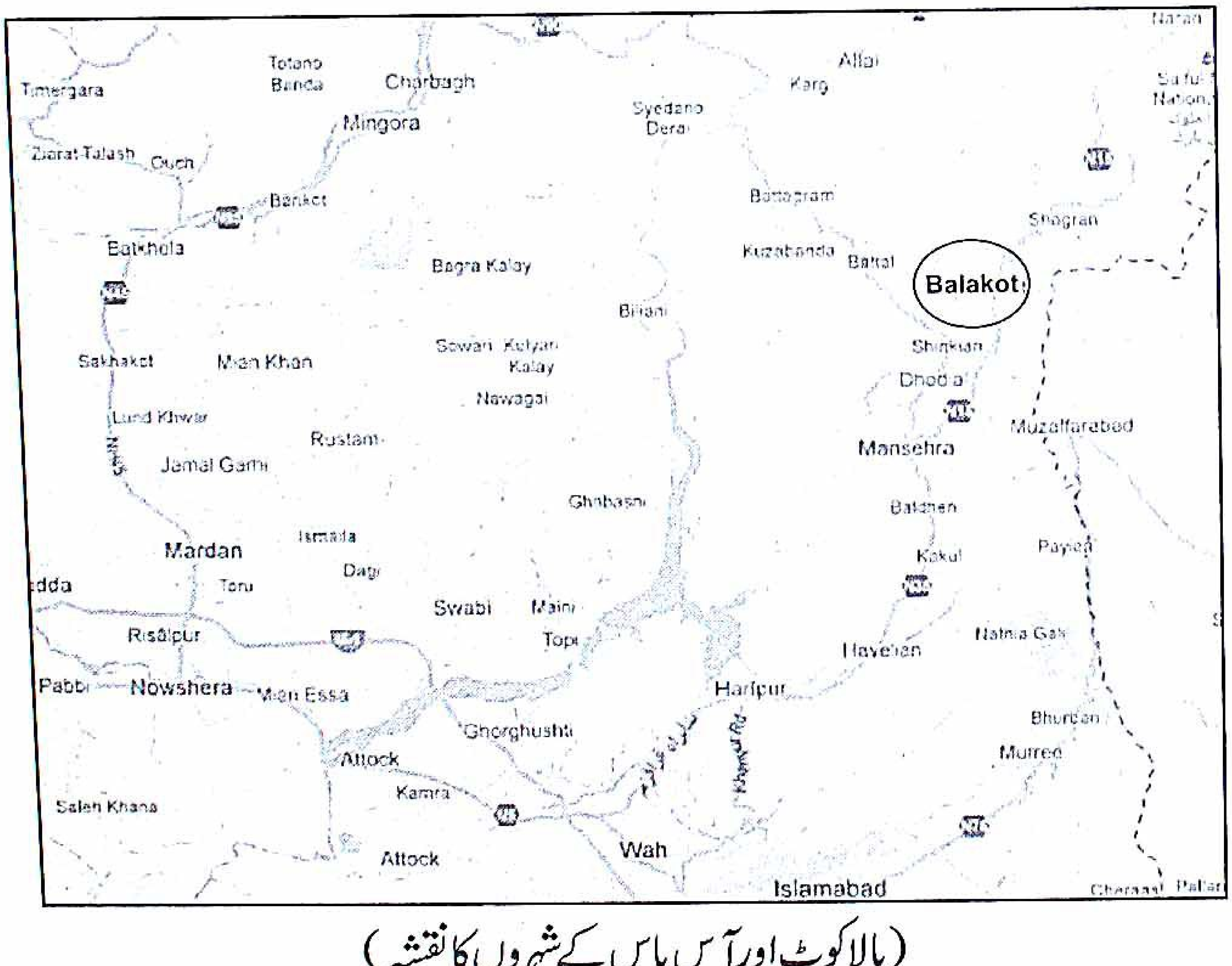

(بالاکوٹ اور آس پاس کے شہروں کا نقشہ)

Marfat.com

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ شاہ ولی اللہ کے نمایاں چشم و چراغ تھے۔ 29 اپریل 1779ء کو دہلی میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بیٹے شاہ عبدالغنی کے ہاں ولادت ہوئی۔ آپ کی طبیعت بچپن ہی سے دعوت و اصلاح کے کاموں کی طرف مائل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ذکاوتِ طبع بھی عطا کی تھی اور فطرتِ سلیمہ بھی۔ جلد ہی علومِ متداولہ سے فراغت حاصل کرلی۔ خاندان کا ماحول ہی کسی طرح کم نہیں تھا کہ آپ کو سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی میسّر آ گئی تو 'کند ہم جنس با ہم جنس پرواز' والا معاملہ ہوگیا اور زندگی بھر سیّد صاحب کے 'شریک حیات' رہ کر انہیں کے ہمراہ 6 مئی 1831ء کو سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

جنوبی ایشیا کے معروضی حالات

حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شعوری زندگی 1790ء سے شروع ہوتی ہے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے حالات ہم حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ 1790ء تا 1850ء کے چھ عشروں کے حالات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

- 1794ء میں انگریز گورنر جنرل نے (جو اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندہ ہوتے تھے) بنگال پر قبضہ مستحکم ہونے پر اصلاحاتِ اراضی (LAND REFORMS) کے نام پر دوبارہ بندوبست اراضی کردیا اور اسلام کے بابرکت نظامِ اراضی کو ختم کر کے جاگیرداری (FEUDAL SYSTEM) کی بنیاد رکھ دی، جس نے انگریزی اقتدار کے استحکام اور طوالت میں اہم کردار ادا کیا۔ انگریز نے سرکاری زمینیں من پسند افراد (جو ہمارے نقطہ نظر سے غدارانِ قوم

Marfat.com

تھے اور انگریز سے وفاداری کا دَم بھرتے تھے) کو عطا کرنا شروع کر دیں تا کہ ایسے افراد مقامی آبادی اور اپنے علاقے کے لوگوں کو انگریز کے خلاف اور اس کے مظالم کے خلاف کھڑے ہونے سے روکیں مزید برآں یہ افراد مالی وسائل پر قابض رہ کر انگریز کے وفادار بھی رہیں۔

یہی دور ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے یہ انگریز تاجر مقامی باحیثیت آزاد اور حکمران طبقہ کی دولت، نوادرات اور قیمتی اشیاء چُرا کر اور لُوٹ کر انگلستان روانہ کر رہے تھے اور خود بھی اس میں سے منفعت حاصل کر رہے تھے گویا CORRUPTION بھی انتہا پر تھی۔ انگریزوں کے جنوبی ایشیا پر قبضے سے پہلے یہ علاقہ 'سونے کی چڑیا' اور دنیا بھر کا 'اناج گھر' کہلاتا تھا۔ تاہم انگریز کی لوٹ کھسوٹ نے اُسے ایسا برباد کیا کہ اب آزادی کے چھ عشروں بعد بھی وہ اپنی سابقہ اقتصادی حیثیّت بحال نہیں کرا سکا۔ لارڈ کلائیو گورنر جنرل جب معزول ہو کر واپس انگلستان گیا اس پر کرپشن (مالی بدعنوانیوں) کا مقدمہ چلا تو اس نے اپنے اقبالی بیان میں کہا کہ وہاں دولت ہی اتنی ہے کہ لوگ خود ہی لاکھوں کروڑوں کی رشوت پیش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اٹھارھویں صدی کے لاکھوں آج کے اربوں روپوں کے برابر ہیں۔

- سلطان ٹیپو کی شہادت (31 مئی 1799ء) کے بعد انگریز کے لئے کوئی مزاحمت نہ رہی اور وہ سیدھا دہلی پہنچ گیا۔ 1802ء سے سلطنت مغلیہ کے اقتدار کو ختم کیے بغیر ایک انگریز ریذیڈیٹ مغل بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے لگا تا کہ تمام فیصلے انگریز کے علم میں رہیں اور اس کی مرضی کے مطابق ہوں۔ یہ مسلمان عوام کو ناراض کیے بغیر حکومت پر قبضے کا ایک انداز تھا۔ (یہی صورت حال کئی عشروں سے پاکستان اور مشرق وسطی کے ممالک میں اب بھی جاری ہے۔)
- اسی دوران میں انگریز نے پورے ملک میں مقامی لوگوں کی علاقائی ریاستوں کو فروغ دیا تا کہ وہ مغلیہ خاندان سے بغاوت کر کے اپنے اقتدار کا اعلان کریں اور مغلیہ سلطنت خود بخود دم توڑ جائے اور نئی ریاستیں انگریز کی احسان مند اور دست نگر ہو جائیں۔ اس طرح کسی فوج کشی کے بغیر 1850ء تک انگریز عملاً پورے ملک پر قابض ہو گیا تھا۔
- انگریزوں نے بنگال میں قدم جمانے کے بعد کلکتہ کو دارالحکومت بنایا اور آئندہ کے لئے طویل منصوبہ بندی کر کے کئی ضروری اقدامات کیے، جن میں سے چند اقدامات درج ذیل ہیں:

Marfat.com

(1) ایک طرف مسلمانوں اور مقامی لوگوں میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے عیسائی مشنری اداروں کی فوج ظفر موج یہاں آنا شروع ہو گئی اور عیسائیت کی تبلیغ کے لئے سرکاری سرپرستی میں کام شروع ہو گیا۔

(2) مقامی آبادی کے عیسائیت کی طرف آنے سے جنوبی ہند میں عیسائیت کو فروغ مل گیا نیز سرکاری سرپرستی اور مشنری جذبے کی وجہ سے مقامی عیسائی لوگوں کو مراعات اور اعلیٰ تعلیم کے ساتھ حکومتی ملازمتوں میں خصوصی درجہ ملتا چلا گیا۔

(3) یورپی اقوام کو جنوبی ہند میں پاؤں جمانے اور استحکام کے لئے ایک ہی خطرہ تھا اور وہ اقلیم ہند پر چھتری کی طرح چھائے ہوئے ملک چین سے تھا جہاں سے پہلے بھی فاتحین وسطی ایشیا، ایران اور پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں۔ برطانوی سامراج نے اس خطرہ سے نمٹنے کے لئے اپنے تجارتی ذہن کو استعمال کیا ہے اور عسکری و سیاسی میدان میں مقابلے کی بجائے ''دشمن کو نقصان پہنچانے کا ہر اخلاقی اور غیر اخلاقی طریقہ اپنانے سے گریز نہ کرو'' کا انسانیّت سے گرا ہوا طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ لارڈ کلائیو ہی کے دور نامسعود سے افغانستان اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات سے افیون کی تیاری کو فروغ دے کر ٹنوں کے حساب سے افیون خرید کر برطانوی سامراج نے چین پہنچائی اور دو عشروں تک چین میں لاگت سے کم قیمت (SUBSIDISED RATES) پر عوام کو مہیّا کی تا کہ پوری قوم اس کی عادی ہو جائے۔ مغربی سامراج اس غیر اخلاقی طریقے کو استعمال کر کے دشمن کو ڈیڑھ صدی تک 'خوابِ خرگوش کی نیند سلانے' اور عالمی معاملات میں حصّہ لینے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ (تا آنکہ بیسویں صدی میں جناب ماؤزے تنگ نے آکر قوم کو جگایا اور اب مزید نصف صدی بعد چین عالمی اقتصادیات پر بلاشرکت غیرے قابض ہو چکا ہے۔)

(4) اقلیم ہند میں برطانوی سامراج کے طویل المیعاد قیام کی منصوبہ بندی میں برطانوی عسکری اور حکومتی عہدیداران (MILITARY & CIVIL BUREAUCRACY) کو مقامی ہندوستانی تہذیب وثقافت اور زبان سے آشنا کرانا ضروری تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کلکتہ میں ہی فورٹ ولیم میں کالج قائم کیا گیا جس میں برطانیہ سے آنے والے

Marfat.com

انگریزوں کو مقامی زبان کے علاوہ مقامی کلچر، طور طریقے اور حکومت کے انداز سکھائے جاتے تھے۔ ایک اہم فیصلہ یہ کیا گیا کہ آئندہ برطانوی سامراج کے اہلکاروں کے پورے اقلیم ہند میں مقامی لوگوں سے رابطے اور ابلاغ کے لئے 'اردو' زبان کا استعمال ہوگا۔ ہندی زبان یا کوئی اور زبان منتخب کی جاتی تو خلفشار کا خطرہ تھا؛ لہٰذا ایک ترقی پذیر اور پورے جنوبی ایشیا میں سمجھی جانے والی زبان اردو کا انتخاب کر کے اس کی تعلیم اور فروغ کا کام شروع ہوا۔ اس مقصد کے لئے مقامی سطح پر اردو زبان کے ادیبوں اور شعراء کے ذریعے ایسا لٹریچر اور مواد تیار کیا گیا جو بعد میں فورٹ ولیم کالج میں بطور نصاب رائج کر دیا۔

(5) برطانوی سامراج اقلیم ہند میں وارد ہوا تو اس نے مسلمانوں کو سیاسی، عسکری، اخلاقی اور مذہبی و ثقافتی طور پر یعنی ہر ممکن طریقے پر دوسری اقوام سے پیچھے رکھنے اور 'خوابِ غفلت' میں ڈالنے کے ہتھکنڈے آزمائے۔ چنانچہ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں جمع کر کے منضبط کرنا برطانوی سامراج کا ایک کارنامہ تھا ان کی طباعت و اشاعت بھی اس دور میں ہوئی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے دور کرنے اور ماضی سے کاٹنے کی غرض سے بنگالی زبان کا لکھنے کا انداز عربی رسم الخط (دائیں سے بائیں اور عربی حروف تہجی) کی بجائے انگریزی اور ہندی کے قریب کر دیا اسی طرح سندھی زبان کا طرزِ تحریر (SCRIPT) بھی ایسا کر دیا جو عربی فارسی اور اردو سے مختلف ہو گیا حالانکہ بنگالی زبان میں بے شمار الفاظ عربی زبان کے ہیں مگر طرز تحریر (SCRIPT) کے الگ ہونے کی وجہ سے ایک عام اُردو دان مسلمان اس کو پڑھ نہیں سکتا۔

اسی طرح سندھی زبان میں فارسی، عربی اور پنجابی کے بہت سے الفاظ مشترک ہیں مگر طرز تحریر (SCRIPT) کی تبدیلی سے سندھی زبان (چونکہ سندھ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی داخل اسلام ہو گیا تھا لہٰذا یہاں ٹھیٹھ اور خالص اسلامی کلچر اور روایات آج بھی موجود ہیں) کی مٹھاس اور اسلام دوستی سے پنجاب اور دیگر قریبی علاقوں کے مسلمانوں کو محروم کر دیا گیا اسی طرح نئے طرز تحریر سے سندھ کے مسلمان عربی اور فارسی سے بھی کاٹ کر قرآن و حدیث اور مذہبی لٹریچر سے ناآشنا کر دیے گئے اور آپس میں مسلمان بھائیوں کو ایک دوسرے کی زبان و تحریر نہ سمجھنے کی

Marfat.com

وجہ سے اجنبی بنا دیا اس کا ایک نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ اردو زبان کو فروغ ہوا اور اس نے اقلیم ہند میں آباد تمام اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے آپس کے رابطے کی زبان بنا دیا۔

(6) انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوا ہندو نے انگریز دوستی میں انگریزی زبان اور مغربی علوم سیکھ کر تعلیمی ترقی اور بیداری میں مسلمانوں پر سبقت حاصل کر لی۔ جبکہ مسلمان بالعموم انگریز کو دشمن اور غاصب سمجھتے تھے؛ لہٰذا اس کی زبان اور علوم سیکھنے کو بھی اس سے تعاون سمجھتے تھے نتیجتاً مسلمان اقلیم ہند میں پھیلتے ہوئے برطانوی سامراج میں حکومتی اعلیٰ عہدوں کے اہل نہ رہے اور یوں حکومتی ایوانوں سے دُور ہو گئے۔

برطانوی سامراج نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور مسلمان انگریز کو اپنے زوال کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ لہٰذا ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلکار مسلمانوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور اپنا وفادار نہیں سمجھتے تھے اسی لیے طویل عرصے تک کسی مسلمان کو مقامی فوج میں شامل نہیں کیا گیا اگر شامل کیا بھی تو ــــــ اعلیٰ عہدوں تک نہیں پہنچایا گیا نتیجتاً اعلیٰ فوجی عہدوں کے دروازے بھی مسلمانوں پر بند ہو گئے۔

(7) مسلمانوں کو اقتصادی لحاظ سے کمزور کرنے کے لئے مسلمان زمینداروں سے جاگیریں واپس لے لی گئیں اور انہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا اور سرکاری اور تجارتی لحاظ سے بھی مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے گئے، صنعتوں اور دستکاری کے میدانوں میں بھی مسلمانوں کو ہر ممکن طریقے سے دبا دیا گیا۔ مسلمانوں پر حکومتی اور فوجی عہدوں کے دروازے بند تھے ہی صنعتی شعبہ میں بھی مسلمانوں کو بے دخل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

عدالتی نظام میں بھی مسلمان اہل علم (علماء وفضلاء) قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرنے کو حرام سمجھتے تھے لہٰذا مسلمانوں پر عدالتی نظام میں بھی سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند ہو گئے اور مسلمان دنیاوی اعتبار سے اور وسائل دنیوی کے اعتبار سے بہت پیچھے چلے گئے۔

اس دور میں صرف وہ مسلمان طبقہ محفوظ رہا جو کسی وجہ سے انگریز کا وفادار بن گیا تھا اور

Marfat.com

برملا انگریز سے رابطے رکھ کران سے وفاداری کا دَم بھرتا تھا۔ ایسے لوگوں کو برطانوی سامراج نے ہرطرح سے نوازا بھی ہے اوران کے خاندانوں کے لئے بھی حکومت، فوج اور عدلیہ میں ملازمتوں کے مواقع پیدا کیے ہیں۔

اُنیسویں صدی کے عالمی حالات

عالمی سطح پر یورپی صنعتی انقلاب کے نتیجے میں جب اقوام یورپ اپنے اپنے ملک سے نکل کر پھیلی ہیں تو دنیا کی کمزور اور پس ماندہ اَقوام پر قابض ہوتی چلی گئیں؛ حتیٰ کہ اٹھارھویں صدی کے اختتام تک دنیا میں کوئی ساحل سمندر، کوئی جزیرہ یا آبادی ایسی نہیں تھی جہاں یورپی اقوام نے قدم نہ جما لیے ہوں اور مقامی آبادیوں کو بے دست و پا نہ کر دیا ہو۔

اس انداز میں عالمی وسائل پر قبضہ کرنے اور اپنے تیار شدہ مال کی کھپت اور خام مال کے حصول کی دوڑ میں ہوس نے اگلا قدم یہ رکھا کہ یورپی اقوام آپس میں بھی دست و گریبان ہوگئیں اور حُبِّ تفوّق (THE URGE TO DOMINATE) نے تخت برطانیہ اور فرانس کو جنگوں میں آمنے سامنے کر دیا۔ چنانچہ نپولین بونا پارٹ کی برطانیہ سے مشہور جنگیں، 1813ء کی واٹرلو کی جنگ اور بالآخر برطانیہ کا مصر پر قبضہ اسی ہوسِ اقتدار کا شاخسانہ تھا۔

یورپی استعمار نے اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی میں عثمانی سلطنت کے علاقے فتح کرنے شروع کیے چنانچہ ایک ایک کر کے وسطی افریقہ کے تمام مقبوضات فرانس اور اٹلی وغیرہ کے پاس چلے گئے۔ برطانیہ نے فرانس سے لڑ کر مصر حاصل کر لیا تا کہ بحیرہ روم سے بحیرہ قلزم تک رسائی حاصل کر سکے۔

برطانوی سامراج نے مصر پر بالواسطہ قبضے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بھی ساحلی علاقوں پر قدم جمانے شروع کیے اور آہستہ آہستہ عربوں کو ترکوں کے خلاف اُکسایا اور مسلمانوں کی ملّی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور مرکز خلافت ترکی سے علیحدگی کے لئے باہمی نفرت کے بیج بوئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں چونکہ مسلمانوں کے انتہائی اہم مذہبی مقامات ہیں لٰہذا برطانوی سامراج نے یہاں خصوصی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مسلمان اُمّت کے حصّے بخرے کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔

Marfat.com

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی وجہادی سرگرمیوں کی سرگزشت

سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دہلی آکر سلسلۂ رشدو ہدایت شروع کیا تو 1817ء ہی میں آپ نے سیّد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور سیّد صاحب کے ساتھ بفحوائے الفاظ فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم: فِی الْعُسْرِ وَ الْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَکْرَہِ (طبیعت آمادہ ہوتب بھی اور اپنے آپ پر جبر کرنا پڑے تب بھی، مشکل ہو یا آسانی) اطاعت امیر کرنے کا نمونہ پیش کر دیا۔

اسی زمانے میں سیّد صاحب کے ساتھ مل کر آپ نے دعوت واصلاح اور جہاد کی تیاری کا کام شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد جگہ پر اسفار کیے اور سیّد صاحب کے ساتھ رہے۔ ان مقامات میں سہارن پور، پُھلت، گنگوہ، مظفر نگر، دیوبند، کاندھلہ، الہٰ آباد، بنارس، کانپور اور لکھنو شامل ہیں۔ ان اسفار کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد واعمال میں اصلاح ہوئی اور جہاد کا شوق پیدا ہوا۔

گزشتہ کئی صدیوں سے ہند میں حج کا عام چرچا نہیں تھا۔ سمندری سفر مشکل تھا اور زمینی سفر بھی خطرات سے خالی نہیں تھا۔ لہٰذا شاذ ونادر ہی کوئی آدمی حج کے لئے رختِ سفر باندھتا تھا۔ اکثر شائقینِ علم ہی اعلیٰ تعلیم کے لئے اسلامی مراکز کا سفر اختیار کرتے تھے۔ انیسویں صدی کے شروع میں بھی سمندری راستے انگریزوں کے قبضے میں تھے اور انہیں کے جہاز رواں دواں رہتے تھے جن میں تجارتی سامان کے جہازوں کے ساتھ مسافر جہاز بھی ہوتے تھے۔

سیّد صاحب نے جہاد کی تیاری کی سلسلے میں لوگوں کو گھروں سے نکالنے کی مشق اور مشکلات کو برداشت کرنے کی تعلیم کے لئے ابتداءً اجتماعی حج کا عندیہ ظاہر فرمایا جس پر لوگ تیار ہوگئے، سفر کے خرچ کے لئے بھی اہل ثروت اور عام مسلمانوں نے دل کھول کر تعاون کیا، انگریز نے بھی اس سفرِ حج کو کوئی خطرہ نہ سمجھا۔ چنانچہ شوال 1236ھ / 1821ء سیّد احمد شہید 400 ساتھیوں کو لے کر حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہ ساتھی زیادہ نہیں تھے مگر یہ چار سو ساتھی ہزاروں لوگوں کے دلوں میں حج کے سفر، دین کے لئے گھروں سے نکلنے اور شوقِ جہاد کی شمعیں روشن کر گئے۔ شعبان 1239ھ/اپریل 1824ء کو آپ کی اس سفرِ حجاز سے وطن واپسی ہوئی۔

Marfat.com

18

اس سارے عرصے میں شاہ اسماعیل شہید دل وجان سے سیّد صاحب کے ساتھ رہے۔

شاہ صاحب کے دادا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پون صدی قبل سفر حجاز کیا تھا اور وہاں ایک عرصہ گزارا تھا؛ وہاں کے حالات شاہ اسماعیل کو معلوم تھے، (حجاز کے مشہور مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم جماعت بھی تھے کہ دونوں کے استاد حضرت شیخ محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ تھے) بعد میں بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے اصلاحی کام اور جہادی مساعی کا تذکرہ دہلی پہنچتا رہتا تھا جو شاہ اسماعیل کے علم میں تھا۔ لہٰذا قیامِ حجاز کے دوران شیخ محمد بن عبدالوہاب کے کام، ان کے طریق کار اور اُن کی کامیابیوں کا براہِ راست سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل کو مشاہدہ ہوا جس سے جذبوں کو جلا ملی۔ آلِ سعود نے 1818ء میں ہی مصر کے حکمرانوں سے طویل جنگ کر کے سلطنت عثمانیہ کے بڑے علاقے کو اپنے زیر اثر کر لیا تھا جس کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔

اس قافلۂ حج کی واپسی پر شاہ صاحب دو برس تک سیّد صاحب کے ساتھ جہاد کی تیاری میں مصروف رہے، سیّد صاحب نے لوگوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کر دیا، مختلف عزیزوں دوستوں اور حکمرانوں کو خطوط لکھے اور خوب مشورے کے بعد آپ نے کسی ایسے مقام کے انتخاب کا ذہن بنایا کہ جہاں پشت پر مسلمانوں کی حکومت اور عملداری ہو اور ایسا مقام درّہ خیبر سے نیچے پشاور کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جنگی حکمت عملی کے تحت یہی رائے صائب تھی۔ اس لئے کہ انگریز سے جہاد شروع کیا جاتا تو دہلی پر تو انگریز کا قبضہ تھا انگریز کی گود میں بیٹھ کر انگریز سے جہاد نہیں ہو سکتا تھا۔ سکھ اور انگریز دونوں مخالف تھے۔ تاریخ کا بہاؤ ہی ایسا تھا یا ہندو کی چال تھی کہ اس نے برطانوی سامراج کا ساتھ دینے اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کا فیصلہ کیا تو 1789ء میں ہی سکھ حکومت قائم ہو گئی تا کہ مسلمانوں کو افغانستان سے کوئی مدد نہ مل سکے اور کوئی فاتح بن کر ہند میں قدم نہ جما سکے اور انگریز نے بھی ہند پر مکمل کنٹرول تک افغانستان سے کسی مدد کا راستہ مسدود رکھنے کے لیے لاہور تا پشاور سکھ حکومت کو برداشت کیا ہے۔

اس طرح فیصلے کے مطابق اس قافلہ کا پنجاب میں سکھ عمل داری کو بائی پاس کر کے قندھار، کابل کے راستے پشاور پہنچنے کا پروگرام تھا اور شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اس جہاد کے لئے طویل سفر میں شریک رہے۔ یہ جہادی قافلہ جمادی الثانی 1291ھ، جنوری 1826ء میں ہند کو

Marfat.com

دارالحرب قرار دے کر گوالیار، ٹونک، اجمیر، عمرکوٹ، حیدرآباد، پیر جو گوٹھ، شکارپور، بولان، کوئٹہ، چمن، قندھار، غزنی، کابل جلال آباد کے راستے درّۂ خیبر سے اتر کر پشاور پہنچا۔ ان مقامات سے بھی دعوت جہاد کے ذریعے لوگوں نے اس قافلے میں شرکت کی۔ ربیع الاوّل 1242ھ یعنی نومبر 1826ء کو یہ لشکر پشاور سے چارسدہ اور پھر نوشہرہ پہنچا۔ یہاں سکھ حکمران رنجیت سنگھ کو جہاد کی شرائط پیش کیں اور بالآخر جنگ کی نوبت آ گئی۔

جنگ نوشہرہ میں مجاہدین کو فتح ہوئی اور قریب کے علاقوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ سیّد صاحب نے علاقے میں اسلامی حکومت قائم کر لی اور اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا۔ تاہم سکھوں کی عیّارانہ چالوں، بعض علاقائی سرداروں کی بدعہدی اور میدانی علاقوں کے مہاجر مجاہدین کی پہاڑی علاقوں سے عدمِ واقفیت کی بنا پر کامیابی آہستہ آہستہ پسپائی میں بدل گئی اور بالآخر مجاہدین نے کشمیر کو اپنا مستقر بنا لیا جہاں حالات بہتر نہ ہو سکے اور مجاہدین کا یہ بے لوث قافلہ سکھوں کے خلاف جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر شکست سے دوچار ہو گیا۔ سیّد احمد اور شاہ اسماعیل نے مردانہ وار مقابلہ کر کے شہادت پائی اور بہت سے مخلص ساتھی بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ یہ انہیں مجاہدین کے گرم خون اور ولولوں کا صلہ ہے کہ آج بھی جہاد انہیں علاقوں میں جاری و ساری ہے اور انہیں مجاہدین کی روحیں اور باقیات غیراللہ کی حکومت و حاکمیّت سے نبرد آزما ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مجاہدین اسلام کے اس قافلے کے بچے کھچے لوگ واپس وطن بھی پہنچے اور ان پانچ سالوں میں دہلی اور آس پاس کے علاقوں سے مالی معاونت اور لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی جس سے انگریز خائف تھا اور اس نے ان مجاہدین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی سرگرمیوں کے مشابہ قرار دے کر ''وہابی'' مشہور کر دیا جو آج بھی زبان زدِ عام ہے۔ تاہم شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ساتھیوں کی جہادی مساعی میں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کے نتیجے میں علاقے فتح کرنے کے عمل بنیادی میں نوعیّت کا بہت بڑا فرق تھا، جس کی

Marfat.com

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی بیٹا شاہ محمد تھا، جو حالت جذب میں 1268ھ (1852ء) میں لاولد فوت ہوا۔اس کے علاوہ کوئی چیز ورثے میں نہ چھوڑی، سوائے ان تصانیف کے جو ردّ بدعت اور ترویج سنّت کے لئے لکھی گئیں تھیں۔ان میں سے ردّالاشراک (عربی زبان میں شرک اور بدعت کے ردّ میں) ''تقویت الایمان'' (اردو زبان میں ردّالاشراک کی آیات و احادیث کا ترجمہ) ''منصب امامت'' (فارسی) ''ایضاح الحق الصریح'' (فارسی) رسالہ یک روزی (فارسی زبان میں تقویت الایمان پر اعتراضات کا جواب) ''رسالہ اصول فقہ'' (عربی) ''عبقات'' (عربی میں حقائق تصوف کا ذکر) اور قصائد، نعتیں اور خطبات اہم ہیں۔خطبات کا مجموعہ نواب صدیق حسن خان نے شائع کرایا۔

Marfat.com

16

عالم بے بدل، فاضل معقولات ومنقولات،

مجاہد آزادی حضرت علامہ

مولانا محمد فضل حق خیر آبادی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1211ھ/ 1797ء خیر آباد، ضلع سیتاپور، صوبہ اُترپردیش

1857ء میں انگریز کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو اس میں نمایاں حصہ لیا۔

بغاوت کے الزام میں انگریز نے گرفتار کر کے عمر قید کی سزا سنائی۔

جزائر انڈیمان (کالا پانی) میں اسیری کے دوران وفات پائی۔

وفات: 1278ھ/1861ء انڈیمان

Marfat.com

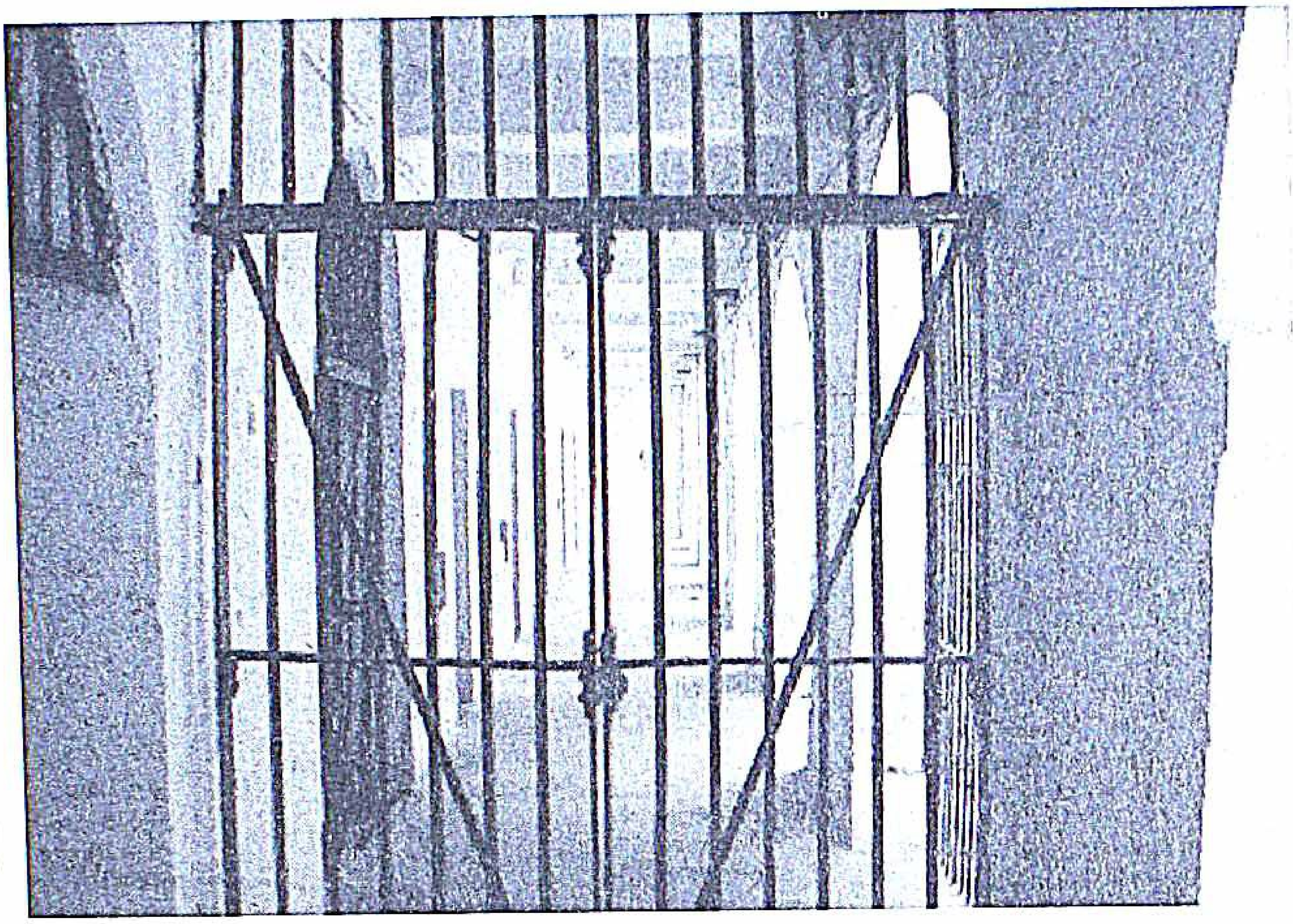

زندانِ انڈیمان (کالا پانی)

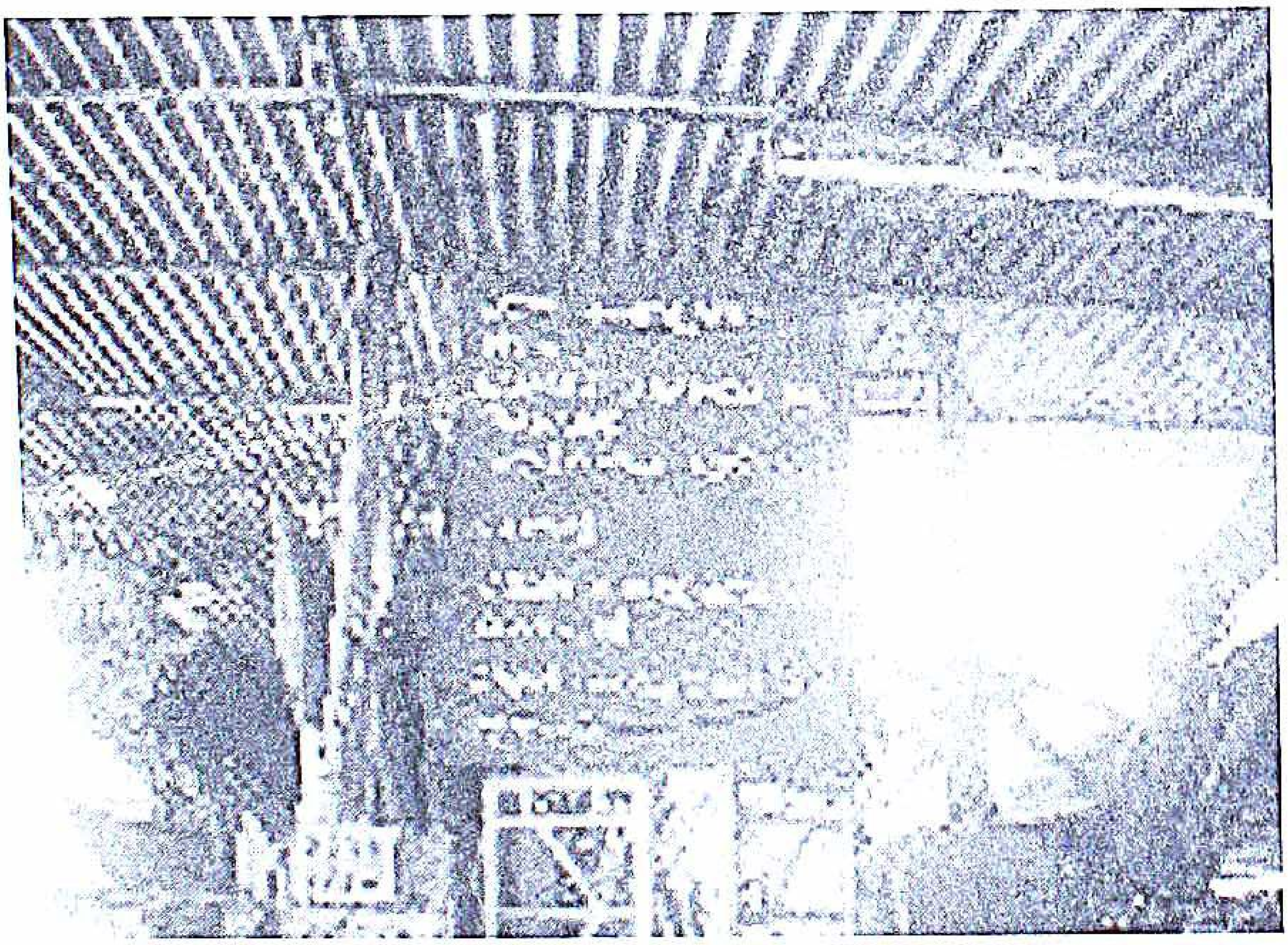

آخری آرام گاہ: حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے علم و فضل کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ان کے والد گرامی مولانا فضل امام خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ علمائے عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجے پر سرفراز تھے۔ علامہ صاحب دارالحکومت دہلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز رہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ شجرۂ نسب 33 پشتوں پر خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ معقولات کا علم گھر میں والد گرامی سے حاصل کیا اور منقولات کے لئے اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں پہنچا دیا۔ اس طرح علامہ معقولات و منقولات ہر دو علوم میں اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔ اس اعلیٰ پایہ کے علم کے ساتھ جدوجہد آزادی کی خاطر فرنگیوں کے استبداد کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ 1857ء کے ''الثورۃ الہندیہ'' میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ جزائر انڈیمان میں عمر قید کی سزا ہوئی، اس مرد مجاہد نے راہ حق میں دین اسلام کی سربلندی کی خاطر جان دے دی مگر پائے استقلال میں لغزش نہ آئی ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دوستوں اور بہی خواہوں نے رہائی کی کوششیں کیں اور پروانۂ رہائی حاصل کیا۔ علامہ کے صاحبزادے مولانا شمس الحق یہ پروانۂ آزادی لے کر جزائر انڈیمان پہنچے تو جنازہ دیکھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا کل انتقال ہو گیا۔ یہ 12 صفر 1278ھ، 20/اگست 1861ء کا دن تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جو اعلیٰ مراتب علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جلاوطنی کی موت کی صورت میں مقدر کر دیے تھے وہ دوستوں کی کوششوں کے باوجود انہیں مل کر رہے۔ آزادی کی جدوجہد میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی وجہ سے کالے پانی کی عمر قید کے علاوہ علامہ صاحب کی

Marfat.com

جائیداد بھی ضبط ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں ان کی اولاد نے کسمپرسی کی زندگی گزاری۔

یورپی استعمار نے جنوبی ایشیا میں تجارت کے نام پر آکر چار صدیوں میں ایسے پنجے گاڑھے کہ انیسویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے مشرق بعید، مشرق وسطی، امریکہ (شمالی وجنوبی) اور جنوبی ہند پر اپنا تسلّط مکمّل کرلیا۔ یورپی اقوام جو بظاہر فرانسیسی، اطالوی اور جرمن اور انگریز کہلاتے تھے مگر درپردہ ان کا مشن ایک ہی تھا۔ یہ مشن کی وحدت ہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس مغربی استعمار کے پیچھے ایک مافیا کا ہاتھ تھا اور اب بھی ہے جو اپنے مذموم اور گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لئے دنیا کے ہر اُصول کو بالائے طاق رکھ کر اپنا مطلب نکال لیتا ہے۔ اس کے کئی چہرے ہیں، اصول پرستی کے الگ فورم ہیں اور بے اصولی کے الگ ادارے اور مشن ہیں، مختلف اطراف سے کوشش کر کے نتیجہ اس درپردہ مافیا یعنی صہیونی قوت کے حق میں جاتا ہے۔ یہ یہودی صہیونی قوت ہر ملک، ہر قوم اور ہر شخص نیز ہر مذہب اور اس کے پیروکاروں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی ماہر ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔

1799ء میں آخری چٹان سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد انگریز جلد ہی دہلی تک پہنچ گئے اور کوئی قوت مزاحم نہیں ہوئی۔ چند علاقوں میں مقامی ریاستیں اور حکومتیں تھیں انہیں زیر کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دہلی سے مغرب کی طرف سب سے بڑی ریاست سکھوں کی تھی، 1842ء میں برطانوی سامراج نے قوت کے ساتھ اسے بھی گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کردیا۔

برطانوی سامراج جہاں بھی گیا اسے عوامی سطح پر مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا سوائے سکھ ریاست کے، جہاں رنجیت سنگھ کے خاندان کی تین پشتوں نے حکومت کی مگر وہ ''سکھا شاہی'' تھی یعنی ظلم و ناانصافی کا دور۔ اس دورِ نامسعود میں مسلمانانِ پنجاب کے لئے اذان اور نماز پر پابندی تھی، مسجدیں تالے لگا کر بند کردی گئیں تھیں، قرآن پاک لے کر باہر نہیں نکل سکتے تھے، شاہی مسجد لاہور کا سارا خوبصورت پتھر اُتار کر امرتسر پہنچا دیا گیا تھا اور شاہی مسجد کو گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دور کی ایک پرانی تصویر شاہی مسجد میں اب بھی آویزاں ہے۔

Marfat.com

(شاہی مسجد لاہور کی یہ حالت زار 1937ء تک رہی جب برطانوی ہند میں مقامی صوبائی حکومتیں بنیں اور سر سکندر حیات پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے پنجاب کے مسلمان زمینداروں پر ٹیکس (فی ایکڑ) لگا کر رقم جمع کر کے اس مسجد کی تزئین و آرائش کا کام شروع کرایا۔ اس نیک کام کے پیش نظر مسلمانوں نے سر سکندر حیات کی وفات پر اس کی قبر کے لیے اسی شاہی مسجد کے دروازے کے پاس جگہ حاصل کی۔ چنانچہ شاہی مسجد لاہور میں داخل ہوتے ہوئے دائیں طرف سر سکندر حیات کی قبر ہے تو بائیں طرف مفکّر پاکستان علامہ محمد اقبال ابدی نیند سو رہے ہیں۔)

چنانچہ برطانوی ہند میں پنجاب واحد جگہ تھی جہاں سکھا شاہی کے مظالم کی وجہ سے انگریز کے آنے پر (مسجدیں واگزار ہوئیں، نماز اور اذان کی اجازت ملی) خوشی کا اظہار کیا گیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعد کے دور میں انگریز نے سب سے زیادہ اعتماد پنجاب پر ہی کیا ہے۔

اسی دور میں (1843ء) کلاچی (کراچی) سے حملہ کر کے سندھ میں سر چارلس نیپڑ کی سرکردگی میں حیدر آباد فتح کر لیا گیا جہاں تالپور حکمران تھے۔ ریاست خیر پور اور ریاست بہاولپور بھی مکمل طور پر برطانوی عملداری میں چلی گئیں۔ سر چارلس نیپڑ کی فوج میں گھوڑ سواروں کا ایک بڑا دستہ آغا خانیوں کا شامل تھا اس وفاداری کے بدلے میں انہیں کراچی میں گارڈن کا ایک وسیع علاقہ بخش دیا گیا اور دیگر علاقوں میں بھی بے بہا مراعات سے نوازا گیا۔

موجودہ بلوچستان میں کوئی منظّم حکومت تھی ہی نہیں یہ سارا علاقہ بھی تالپوروں کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی برطانوی عملداری میں آ گیا۔

1853ء میں بمبئی میں پہلی ریلوے لائن بچھائی گئی۔ اس کے ساتھ کلکتہ سے دہلی تک تار برقی (TELEGRAPH) کا انتظام کیا گیا۔ 1860ء میں کراچی حیدر آباد تک ریلوے لائن کا افتتاح ہو گیا۔ بعد ازاں لاہور سے امرتسر تک ریلوے ٹریک بچھایا گیا۔

1835ء میں برطانوی ہند میں لارڈ میکالے کی سفارشات پر تعلیمی ادارے بنانے کا پروگرام شروع ہوا اور سیکولر نظامِ تعلیم کے ساتھ حکومت کے زیر سایہ عیسائیت کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کا بھی۔ ڈاک کا نظام پہلے ہی موجود تھا لہٰذا 1850ء کی دہائی کے آغاز پر برطانوی سامراج نے پورے ہند میں اپنے بلاشرکت غیرے اقتدار کے خواب دیکھنا شروع کر دیے۔ حکومت کے

Marfat.com

عہدیدار تو اپنی جگہ، عیسائی پادریوں کی جرأت دیکھئے کہ 1855ء میں کلکتہ سے عیسائی پادریوں نے تمام سرکاری ملازمین کو ایک گشتی چٹھی (CIRCULAR) ارسال کی تھی کہ:

"برٹش راج میں تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی ہے، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہوگئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی، مذہب بھی ایک چاہیے؛ اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔"

(اسبابِ بغاوتِ ہند: سرسیّد احمد خان)

عیسائی مُبلّغین کے مسلمانوں، ہندوؤں وغیرہ سے شہر شہر مناظرے، معیشت کی تباہی اور حکومتی مظالم سے عوام تنگ تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ انگریز' مسلمانوں کو سیاسی، اقتصادی اور مذہبی طور پر دبانا ضروری سمجھتا تھا؛ اس لئے کہ حکومتِ ہند برطانوی سامراج نے مسلمانوں ہی سے چھینی تھی اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھی مسلمانوں میں زیادہ تھے۔ یہ حالات تھے جن میں مسلمانوں میں برطانوی سامراج کے خلاف بغاوت کر کے آزادی کے حصول کی خاطر جدوجہد کرنے کے امکانات پیدا ہوگئے اور کامیابی کی اُمید بھی بندھ گئی۔

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی اور سامراجی قوت کے استحکام کے بعد جنوبی ایشیا میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ سامراجی قوت نے 1860ء میں محکوم اقوام کے لئے 'کالے قوانین' اور رومن لاء کے ظالمانہ عدالتی قوانین نافذ کر دیے۔ یورپی اقوام اپنے ہاں ان قوانین میں ترامیم کے ذریعے کئی اصلاحات کر چکی تھیں تاہم برطانوی ہند کے 'غلاموں' کو قابو میں رکھنے کے لئے اس ظالمانہ قانون اور عدالتی نظام کی داغ بیل ڈالی گئی۔

برطانوی سامراج کی وسعت کے پیشِ نظر ان درپردہ قوتوں نے اسے اپنا خاص آلۂ کار اور برطانوی بادشاہت (MONARCHY) کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ اسی برطانوی بادشاہت یا تاجِ برطانیہ کے ذریعے عیسائیت کو کنٹرول کیا۔ تاجِ برطانیہ کیتھولک چرچ کا محافظ ہے اور چرچ آف انگلینڈ ہی دنیا بھر کی عیسائی مشنری سرگرمیوں کا ذمہ دار ہے۔ ویٹی کن بظاہر آزاد ریاست ہے مگر اس ریاست کا اور اس کے تحت ساری دنیا میں عیسائیت کے پھیلاؤ کے ال کا بجٹ کون پورا کرتا ہے؟ یورپی ممالک سیکولرازم کی آڑ میں تھرڈ ورلڈ میں بالعموم اور مسلمان

Marfat.com

ممالک میں بالخصوص عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کام بھی کرتے ہیں اور مختلف ممالک کے چرچ مشن اپنے اپنے ملک کے ناموں سے ایک ہی علاقے میں کام کرتے ہیں آپس کے اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے سامنے متّحد رہتے ہیں۔ مثلاً کیتھولک چرچ، ٹرینٹی چرچ، پروٹسٹنٹ چرچ' آپس میں نظریاتی بعد رکھنے کے باوجود مسلمانوں کو گمراہ کرنے پر متفق الخیال ہیں۔صرف پاکستان میں کوئی درجن بھر سے زیادہ چرچ مشن کام کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو ہمارے ہاں کے مذہبی اختلاف اور فرقہ واریت سے کہیں زیادہ شدت سے غلط سمجھتے ہیں مگر مسلمانوں کو بے دین بنانے کے لیے متحد رہتے ہیں کہ یہی 'مشن' ان کے درمیان مشترک ہے۔

یہی صیہونی قوت تھی جس نے برطانوی بالادستی کے باوجود امریکہ میں برطانوی اقتدار کے خلاف جنگ کرادی اور امریکہ کی جنگ آزادی کے نام پر پہلے خانہ جنگی (CIVIL WAR) اور پھر برطانوی سامراج کا تخت الٹ دیا گیا اور 1776ء میں ہی برطانیہ سے آزادی حاصل کرلی۔اس آزادی کی یادگار وہ آزادی کا مجسّمہ ہے جو نیویارک کے قریب نصب ہے۔اس آزادی سے اس مافیا کا ایک دوسرا مشن پورا ہوتا تھا چرچ آف انگلینڈ کے ذریعے عیسائیت کا فروغ، پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے مفادات کے تحفّظ کے لئے بنک آف انگلینڈ (سود کو حلال کر کے وسائل فراہم کیے گئے) اور امریکہ کی آزادی کے ذریعے سیکولرازم، آزادی ـــــ مادر پدر آزادی۔ یہ آزادی کا لفظ پہلی نظر میں قوموں کو گمراہ کرنے کے لئے مغرب اور صیہونیّت نے استعمال کیا اور اب بھی آزادی کے نام پر تحریکوں میں مغرب تعاون کرتا ہے مگر ہمارے نزدیک آزادی کے معنیٰ اور ہیں اور صیہونیت کے نزدیک اور۔ صیہونی تصوّر آزادی نام ہے ہر قانون، اخلاق، مذہب سے آزادی کا۔انسان کو سماجی بندھنوں، اخلاق کی بندھنوں اور مذہب کے حلال وحرام سے آزاد کردینا۔گزشتہ دوصدیوں سے امریکہ سے شروع ہو کر یہ 'آزادی' کا زہر ساری دنیا کی اقوام کے ذہنوں میں گھول دیا گیا ہے اور بالخصوص مسلمان نوجوانوں کے ناپختہ ذہنوں میں میڈیا اور تعلیمی میدان میں نصاب کی تبدیلی کے ذریعے یہی زہر اُنڈیلا جارہا ہے۔بقول

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

Marfat.com

1802ء میں انگریزوں کے دہلی تک رسائی اور انگریز ریذیڈنٹ کمشنر کے مغل بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے کے فیصلے کے بعد جنوبی ہند میں برطانوی سامراج نے صہیونی مقاصد کے فروغ کے لئے یہ دونوں طریقے آزمائے اور استعمال کیے۔ یعنی ایک طرف عیسائیت کی تبلیغ اور محکوم اقوام کے مذہب کو بدل دینا اور دوسری طرف نظامِ تعلیم کو بدل دینا۔ تاکہ ایک سیکولر تعلیمی نصاب ہو جو ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، یہودی، بدھ مت سب پڑھیں۔ بظاہر یہ بڑی ''میٹھی گولی'' لگتی ہے اور آج بھی اس کے پرستار کثرت سے مل جائیں گے لیکن درحقیقت یہ 'زہر' ہے اور شوگر کوٹڈ (SUGAR COATED) ہے۔ اس بات کو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا اور محسوس کیا۔ جب وہ ''کالے پانی'' میں 'عمر قید' کاٹ رہے تھے تو انہوں نے فرصت کے اوقات میں نے ایک تحریر لکھی جو ان کے متروکات میں ملی اور ان کی اولاد کے ہاتھوں میں رہی۔ صاف ظاہر ہے کہ 1857ء کے بعد کے قریبی عرصے میں اس ''باغیانہ'' تحریر کی اشاعت کا موقع نہیں تھا۔ یہ تحریر جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے ''الثورہ الہندیہ'' (انقلابِ ہند) کے نام سے شائع کرنے کا مشورہ دیا وہ تحریر پڑھنے کے قابل ہے۔ اس میں علامہ فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں:

> ''انگریزوں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ مذہبی بنیادوں پر فرقوں کا اختلاف تسلّط و قبضہ کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگا اور سلطنت میں انقلاب پیدا کر دے گا اس لئے پوری تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مذہب و ملّت کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے مکر و حیلہ سے کام لینا شروع کیا۔ انہوں نے بچوں اور ناسمجھوں کی تعلیم اور اپنی زبان و مذہب کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کیے۔ پچھلے زمانہ کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔
>
> دوسری ترکیب یہ سوچی کہ مختلف طبقات پر قابو اس طرح حاصل کیا جائے کہ زمین ہند کے غلّہ کی پیداوار کاشتکاروں سے لے کر نقد دام ادا کیے جائیں اور ان غریبوں کو خرید و فروخت کا کوئی اختیار نہ چھوڑا جائے اس طرح نرخ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیوں تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ہی ذمہ دار بن بیٹھیں اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا کی مخلوق' مجبور و معذور ہو کر ان کے

Marfat.com

قدموں میں آ پڑے اور خوراک وغیرہ نہ ملنے پر ان کے حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل کرے۔"

پہلی سکیم کے لیئے لارڈ میکالے کے یہ جملے کافی سند ہیں:

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندستانی ہو مگر ذوق اور رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو"۔

دوسری سکیم پر عمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن اس چار سالہ زمانہ جنگ میں کنٹرولی عملدرآمد نے باشندگانِ ہند کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ غلہ کا ملنا دشوار، کنٹرول کی دکانوں سے لینے میں عزت و آبرو اور وقت عزیز کی بربادی، شہر میں ذرا سی گڑبڑ پر گوداموں اور دکانوں کی قفل بندی، ان سب مصیبتوں کا مستقل ہر کہ ومہ کو سامنا رہا ہے۔

11 جولائی 1946ء سے پوسٹ مینوں اور کم تنخواہ والے ملازمین پوسٹ آفس کی جائز احتجاجی ہڑتال پر راشن کی سہولتیں چھین لینے کی، مرکزی حکومت کی طرف سے دھمکی نے علامہ کے بیان کو بالکل سچ کر دکھایا۔ کیا سچا ارشاد ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِن، فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه

"مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو، یہ اللہ کے نور سے دیکھ اور سمجھ لیتا ہے"

اسی تعلیمی سکیم اور انگریزی نظام تعلیم کے پھیلنے پر پورے برطانوی ہند میں ایک خاص تعلیم یافتہ طبقہ پیدا ہوا جو مذہب سے بیزار تھا اور اس کے ذہن میں خدا، وحی، آخرت، رسول اور مذہب کا سرے سے "خانہ" ہی نہیں تھا۔ صرف نام اور شناخت کے اعتبار سے وہ کسی مذہب سے متعلق رہتے تھے۔ برطانوی ہند کے مسلمانوں میں اس سے "ذہنی ارتداد" پیدا ہوا، ماسوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بچالے اور وہ کوشش کر کے اس دلدل سے نکل آئے اور اسلام کو شعوری طور پر قبول کر لے۔ اسی عمومی ذہنیت اور تعلیمی اثرات پر مولانا اکبر الہ آبادی نے خوب گرفت فرمائی ہے:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی جا جا کر تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

Marfat.com

ہوئے اس قدر مہذّب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں ، مرے ہسپتال جا کر

اورانگریزی تعلیمی پالیسی کوانسانیت کُش اور مسلم کُش قرار دیا اور فرنگی استبداد کوفرعون سے تشبیہ دی:

یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لارڈ میکالے کی رپورٹ (1835ء) کے وقت مسلمانوں میں خواندگی کی شرح 84 فیصد تھی جو اس غلامانہ اور خدا بیزار و خدا ناشناس نظامِ تعلیم کے غلغلے اور گلی گلی کوچے کوچے سکولوں کی بہتات کے باوجود 43 فیصد ہے۔ عوامی سطح پر خواندگی بھی ہاتھ نہ آئی اور بے دینی اور خدا ناشناسی کی لعنت مزید مسلّط ہوگئی جس سے مغرب میں تو ہے ہی عام ہمارے ہاں بھی سیکولرازم، آزاد خیالی اور لبرل ازم کی وبا پھیل چکی ہے اور انسانیّت اخلاقی لحاظ سے ایسی تہی دست و تہی دامن ہوگئی کہ آگے تباہی اور موت کے سوا کچھ نہیں۔ اس ایک موثّر علاج 'توبہ' ہے جس کی طرف متوجّہ ہونا ماحول کے چلن کے خلاف ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین چند مسائل میں علمی مباحثہ اور نزاع پیدا ہوگیا تھا تاہم دونوں اُمّت مسلمہ کے بہی خواہ اور مخلص تھے اہل علم اس اختلاف کے باوجود دونوں کوعزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوانح نگار مولانا محمد عبدالشاہد خان شیروانی لکھتے ہیں:

''ایک (مولانا شہید) نے جہاد بالسیف کر کے بالاکوٹ کے مقام پر 1246ھ میں شہادتِ جہری حاصل کی تو دوسرے (علامہ فضل حق) نے ''اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ'' پر عمل پیرا ہو کر فتوے دے کر جہادِ لسانی و قلمی کرتے ہوئے 1278ھ میں جزیرہ انڈیمان میں بہ حیثیت اسیر فرنگ مرتبہ شہادتِ سرّی پایا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

Marfat.com

دوسری طرف دیکھیئے تو ایک مجاہد اعظم بوقت شہادت سیّد احمد شہید بریلوی کا دامن عقیدت تھامے ہوئے نظر آ رہا ہے تو دوسرا سر آمد اولیاءِ عہد حضرت دھومن شاہ دہلوی کا خرقۂ ارادت زیب تن کیے ہوئے جلوہ آرا ہے۔ ایک اگر 'تقویۃ الایمان' اور 'صراطِ مستقیم' لکھ کر اپنے خیال کے مطابق حلقہ بگوشانِ اسلام کی مذہبی خدمت انجام دے رہا ہے تو دوسرا "روض المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود" تصنیف کر کے اہل عرفان کے ایمان وایقان کو مستحکم بنا رہا ہے اور صدہا قصائدِ نعتیہ زادِ راہِ آخرت اور توشۂ جادۂ عاقبت بن رہے ہیں۔"

علامہ موصوف نے ایک رسالہ وحدۃ الوجود پر لکھا تھا اس رسالہ کے آخر میں جو وصیّت فرمائی ہے اس سے ان کے دل میں خشیت باری تعالیٰ اور باطنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے اس کا لفظ لفظ اعتراف قصور اور خشیت رب غفور پر دلالت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بہترین وصیت یہی ہو سکتی ہے کہ خدا سے ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ڈرتا رہے اگرچہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ کس قدر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر خواہشات میں برباد اور اپنی زندگی بداعمالی میں تباہ کرتا رہا۔ اپنی عزت وتوقیر واہیات باتوں کی وجہ سے گراتا اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار مٹاتا رہا۔ حیات کے خوشگوار دن اترانے میں اور بہترین ایام لہو ولعب میں گزارتا رہا۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اور اپنی رحمت کاملہ سے ان لغزشوں سے درگزر کرے۔ ہم سب کو اعمالِ نیک کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا رفیق بنائے۔"

کیا عظیم لوگ تھے اس بلند مرتبہ پر فائز اور یہ اعتراف تقصیرات۔ اسی نفسیاتی کیفیت کے لئے دعا تلقین فرمائی ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنَیَّ صَغِیْرًا وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا (آمین)

"اے اللہ مجھے اپنی نظروں میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دے"

Marfat.com

علامہ فضل حق خیرآبادی کی وصیّت

''بہترین وصیّت یہی ہوسکتی ہے کہ خدا سے ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ڈرتا رہے اگرچہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ کس قدر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر خواہشات میں برباد اور اپنی زندگی بداعمالی میں تباہ کرتا رہا۔ اپنی عزت وتوقیر واہیات باتوں کی وجہ سے گراتا اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار مٹاتا رہا۔ حیات کے خوشگوار دن اترانے میں اور بہترین ایّام لہوولعب میں گزارتا رہا۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اور اپنی رحمت کاملہ سے ان لغزشوں سے درگزرے۔ ہم سب کو اعمالِ نیک کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین کا رفیق بنائے۔''

Marfat.com

17

امام الاولیاء والعلماء، مجاہد آزادی

حضرت

امداد اللہ مہاجر مکی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1233ھ/ 1818ء نانوتہ (ضلع سہارنپور)

1857ء کی جنگ آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔

ہندوستان میں بدنظمی کی وجہ سے 1859ء میں مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کی۔

وفات: 1317ھ/ 1899ء مکہ مکرمہ (جنت المعلی)

Marfat.com

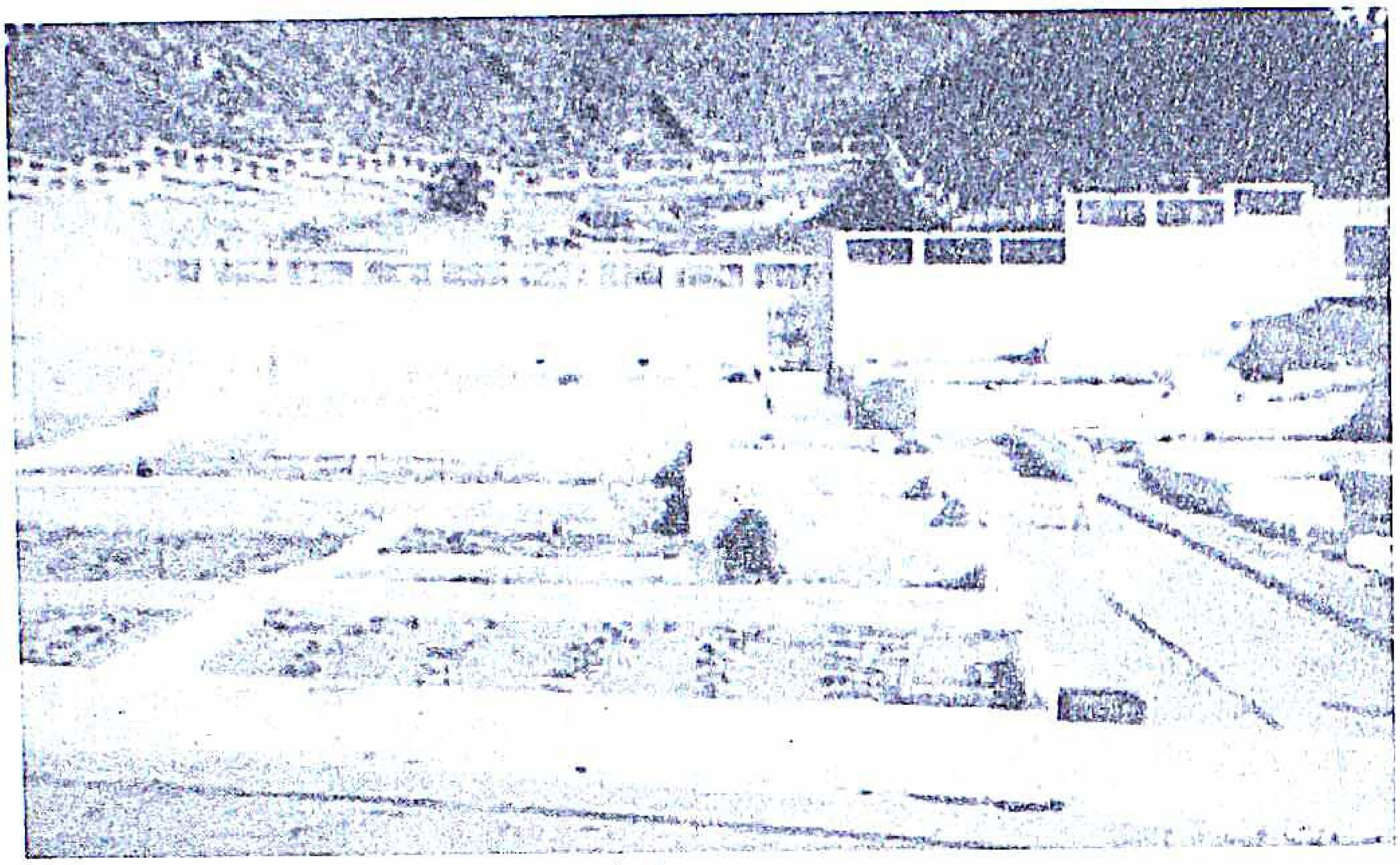

مکّہ مکرّمہ میں واقع جنت المعلّٰی کا قبرستان

جہاں حضرت شیخ امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں

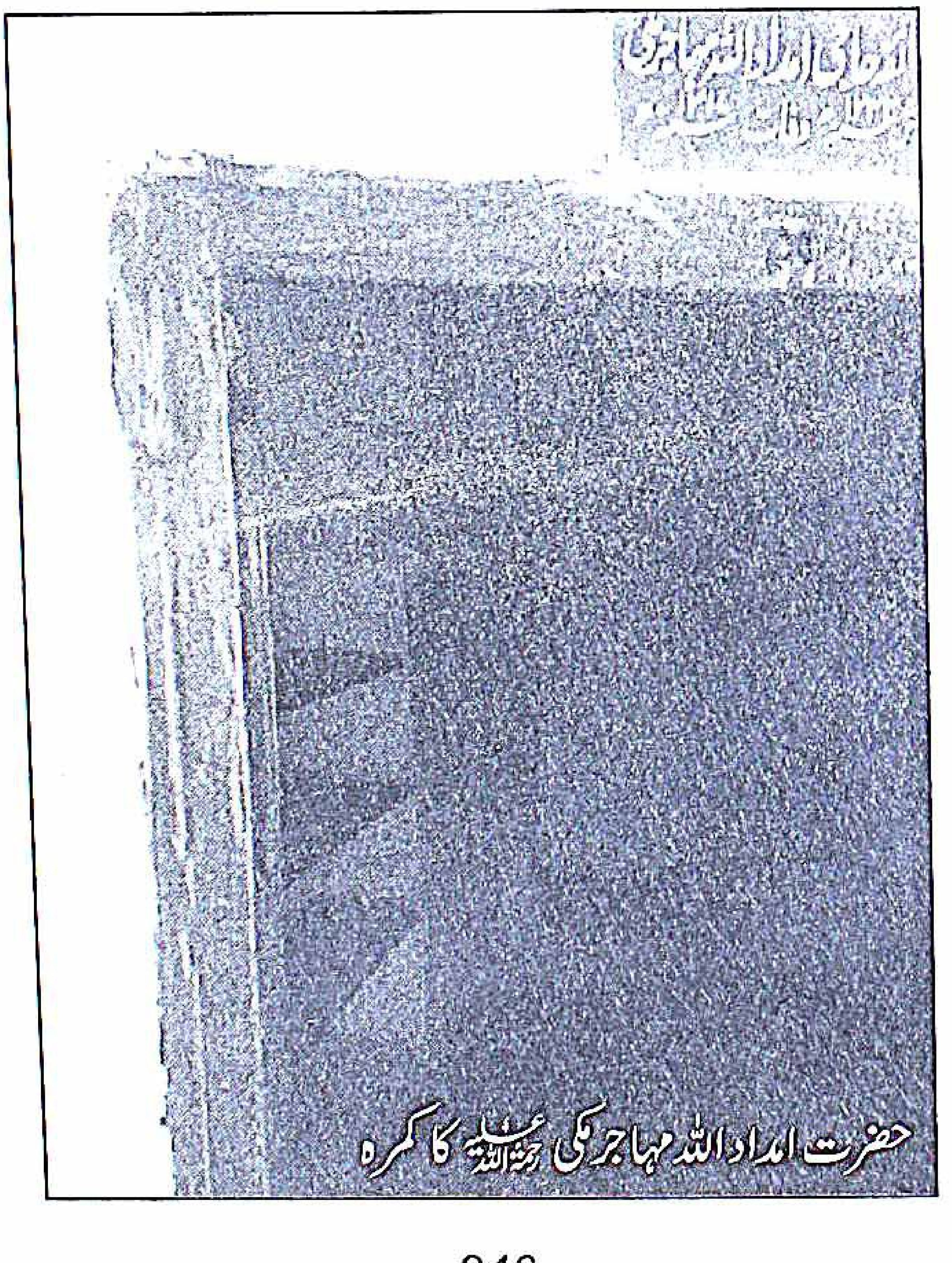

حضرت امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا کمرہ

Marfat.com

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ، ولیٔ کامل، صوفی اور عالم دین تھے۔ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، والد کا نام حافظ محمد امین تھا، نسب کے لحاظ سے فاروقی تھے۔ والد نے امداد حسین نام رکھا لیکن مولانا محمد اسحاق محدّث دہلوی نے امداد حسین کی بجائے امداد اللہ کے نام سے نوازا۔ تاریخی نام ظفر احمد ہے۔ ابھی سات سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کی پڑھائی پر کچھ خاص توجّہ نہ دی۔ خود تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے باطنی شوق سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ بعض رکاوٹیں ایسی آئیں جو قرآن مجید حفظ کرنے میں مانع رہیں۔ سولہ سال کی عمر میں مولانا مملوک علی نانوتوی (جن سے آپ کا ننھیالی تعلّق تھا) کے ہمراہ دہلی کا سفر کیا اور اسی زمانہ میں چند مختصرات فارسی اور کچھ صرف ونحو کی تحصیل کی۔ مشکوٰۃ شریف کا ایک ربع مولانا محمد قلندری محدث جلال آبادی سے پڑھا اور ''حصن حصین'' و ''فقہ اکبر'' مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے پڑھی۔ اس زمانہ میں آپ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں' لیکن جلال کی وجہ سے قدم آگے نہیں بڑھتا۔ اچانک ان کے جدامجد حضرت بلاقی تشریف لائے اور ہاتھ پکڑ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ لے کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیا۔ اس خواب کے بعد ایک عرصہ تک اضطرار کی حالت میں رہے۔ کئی سال بعد ان کے ایک استاد مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی، حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی کی خدمت میں لے گئے۔ چنانچہ ایک مدت تک حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کے بعد سلوک کی تکمیل فرمائی اور خلافت عطا ہوئی۔ 1262ھ/1844ء میں زیارتِ حرمین شریف سے مشرف ہوئے۔ ارکان حج کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ میں شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام کیا اور ان سے فیوض وبرکات حاصل

Marfat.com

کرنے کے بعد مدینہ منوّرہ میں روضہ اقدس پر حاضری دی اور دل کو تسکین نصیب ہوئی۔ واپسی میں چند روز مکہ مکرّمہ میں قیام کیا اور 1262ھ/1846ء میں وطن واپس لوٹے۔ حج سے واپسی کے بعد اپنے پیر بھائی حافظ محمد ضامن کے شدید اصرار پر بیعت لینا شروع کی۔ علماء میں سب سے پہلے مولانا رشید احمد گنگوہی نے بیعت کی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی آپ کے بھانجے، مولانا محمد اشرف علی تھانوی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد حسین الٰہ آبادی، مولوی صفات احمد غازی پوری، مولوی محمد شفیع، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد افضل ولائتی، مولانا عبدالسمیع بیدل، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ ہم نے بیعت کی۔ علماء میں سے آپ کو مولانا قاسم نانوتوی سے خاص تعلّق تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جس طرح مولانا رومؒ شمس تبریز کی زبان ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قاسم نانوتوی کو میری زبان بنایا ہے۔

مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا پُر آشوب زمانہ پایا۔ برطانوی سامراج کا تخت دہلی پر قبضہ ــــــ تحریک شہیدین ــــــ سکھ دور حکومت، 1857ء کی جنگ آزادی میں سرگرم حصّہ ــــــ مگر تحریک آزادی کی ناکامی، مسلمان زعماء، نوابین، رؤساء اور سرگرم مجاہدین کی گلی گلی پھانسیاں اور چوکوں، چوراہوں میں درختوں پر لٹکتی لاشیں ابھی بھولی نہیں تھیں کہ 1860ء میں برطانوی سامراج کا پورے ہند (طورخم سے راس کماری تک) پر قبضہ ہو گیا اور اسلامی قوانین کے بجائے ظالمانہ استبدادی قانون رومن لاء کو بصورت تعزیراتِ ہند نافذ کر دیا گیا۔ مزید برآں مسلمانوں کی عملی، علمی، اقتصادی اور سیاسی پس ماندگی، جبکہ ہندو کی بیداری انگریزوں سے دوستی، مغربی علوم کے حصول میں پیش قدمی، تجارت وصنعت میں سرگرمی سے حصّہ اور سرکاری ملازمتوں، بیوروکریسی، عدلیہ، پولیس اور فوج میں بھرتی کی سبقت، ہندو کی عمومی خوش حالی اور مسلمانوں کی زبوں حالی اور کسمپرسی کا نقشہ جگر خون کرنے کے لئے کافی تھا۔

1857ء کی تحریک آزادی کے بعد 1860ء میں برطانوی سامراج نے طویل منصوبہ بندی کر کے انتظامی اصلاحات کیں اور پورے ہند کا انتظامی کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ صوبے، ضلعے اور تحصیل کی سطح پر عدالتیں قائم ہوئیں۔ قانون ضابطہ فوجداری و دیوانی نافذ ہوا،

Marfat.com

جج مقرر ہوئے، تھانہ پولیس کچہریوں کا نظام نافذ ہوا۔ ملکہ وکٹوریہ کے یہ الفاظ بڑے مشہور ہیں کہ اس نے 1860ء کے لگ بھگ مسلمانوں کو جہادی سرگرمیاں ختم کرنے کو کہا تھا:

"WOULD YOU LIKE TO BE GOVERNED BY SWORD OR BY PEN".

حقیقتاً سامراج کے خلاف سرگرم مزاحمت نے عمومی طور پر دم توڑ دیا اور سامراجی جبر کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ اگرچہ یہ قانون ہند کے باسیوں، محکوم عوام اور غلاموں کو قابو میں رکھنے کا قانون تھا مگر پھر بھی مجاہدین نے کئی علاقوں میں جزوی طور پر عرصے تک انگریز کے ناک میں دم کیے رکھا اسی لئے اس نے ریلوے کے نظام کو وسعت دے دی تا کہ ہر علاقے میں بروقت فوجی کارروائی کی جا سکے۔ (1930ء تک جتنے پُل اور بیراج بنے ان پر دونوں طرف مسلّح چوکیاں بنائی جاتی تھیں تاکہ مقامی مزاحمت کا مقابلہ کیا جا سکے۔ سندھ میں حُرّوں نے 1941ء تک انگریزوں کو پریشان کیے رکھا ہے)۔ تاہم ـــــ مسلمانوں میں صف اوّل کی ساری قیادت کے پھانسی پا جانے یا مارے جانے یا کالے پانی کی جلاوطنی کی سزا پانے کی وجہ سے طویل عرصے تک مسلمانوں میں کوئی فعّال اور مؤثر قیادت نہیں اُبھر سکی۔

1860ء سے 1900ء کا عرصہ وہ ہے جس میں برطانوی ہند میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی رہی۔ انگریزی نظام کے ذریعے مغربی تعلیم کا رواج عام ہو گیا اور اسی کے ذریعے ملازمتوں کا حصول ممکن تھا۔ مسلمان اس سے بالعموم دور رہے۔ سر سیّد احمد خان نے اس سلسلے میں مسلمانوں میں کام کیا اور انہیں مغربی علوم پڑھنے اور تعلیم کے حصول پر آمادہ کیا۔ ایک طرف 1867ء میں علی گڑھ کا پرائمری مدرسہ قائم ہوا جو بعد میں ترقی کرتا ہوا کالج بنا اور پھر یونیورسٹی بن گیا اور دوسری طرف دیوبند میں 1867ء میں انار والی مسجد میں ایک استاد اور ایک شاگرد سے دارالعلوم دیوبند کی ابتدا ہوئی جو بعد میں ترقی کر کے جامعہ ازہر (مصر) کے پائے کا مرکز بن گیا۔ علماء کے زیراثر مجاہدین آزادی نے دیوبند کا راستہ اختیار کیا اور انگریز دشمن کی پالیسی اپنائے رکھی۔

1885ء میں ایک انگریز نے ہی برطانوی ہند کے عوام کے حقوق کے لئے آل انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی، اسی دور میں ملک میں بلدیاتی نظام رائج کیا گیا اور الیکشن کے ذریعے

Marfat.com

مقامی سطح کے مسائل ان کے سپرد کر دیے گئے۔ کانگریس میں ابتدا میں ہندوں کے علاوہ پارسی اور آغاخانی زیادہ سرگرم ہوئے یہی قومیں برطانیہ کی بحری تجارتی سرگرمیوں کے ناطے برطانوی لوگوں کے زیادہ قریب تھیں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہی۔

تحریک شہیدین اور جہاد آزادی 1857ء کے بعد دیوبند کے مزاج کو دیکھ کر انگریز نے مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ ختم کرنے کے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ ویسے تو مغربی تعلیم کی آڑ میں آزادیٔ نسواں، مخلوط تعلیم، مغربی حکمرانوں اور ان کے زیر اثر مقامی حکام اور اعلیٰ طبقات کی طرز بود و باش اور عورتوں کی بے لباسی ہی ہر مسلمان کو اپنے طرف متوجہ کر کے مزاحمت اور جہاد کا راستہ اختیار کرنے سے ہٹا دینے کے لئے کافی تھی۔ تاہم مذہبی مزاج کے مسلمانوں کے لئے انگریز اور صہیونی منصوبہ سازوں نے پنجاب کے ایک دیہات سے مرزا غلام احمد قادیانی کا فتنہ کھڑا کر دیا اور اس سے (خود ساختہ) نبوّت کا دعویٰ کروا دیا اور جہاد کے خاتمے کا فتویٰ جاری کروا دیا، جس پر مسلمان علماء نے اس کا بھرپور تعاقب کیا اور آج تک کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے سامراج کے منصوبے اور ذہن کے پڑھنے میں اہل علم کو دِقّت نہیں ہوتی کہ سامراج جہادی سرگرمیوں سے کس حد تک پریشان ہے۔

[یہی جہادی سرگرمیاں آج بھی صہیونی دماغوں اور اس کے آلہ کار امریکی گماشتوں کو پریشان رکھتی ہیں اور آج کے ''مجاہد'' کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔ ''مجاہدین'' کو بدنام کرنے کے لئے ہر ''بم دھماکہ'' اور ''تباہی کا منصوبہ'' انہیں کے سر دھوپ دیا جاتا ہے تاکہ عمومی طور پر ہر مسلمان (عوام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ) مجاہدین سے متنفر ہو جائے اور ان مجاہدین کی BASE یعنی عوامی حمایت ختم ہو جائے۔]

برطانوی سامراج اور عیسائیت کی تبلیغ

برطانوی سامراج نے شروع سے ہی سرکاری دفاتر میں عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز کر دیا تھا اور تحریک آزادی کے بعد تو کھلے عام عیسائی مُبلّغین مسلمان علماء کو دعوتِ مناظرہ اور دعوتِ مباہلہ دیتے تھے اور چیلنج کرتے تھے عام علماء اس کا جواب نہ دے پاتے تھے جس سے وہ دلیر ہو گئے

Marfat.com

تھے۔ایک پادری فنڈر(FENDER) کلکتہ سے روانہ ہوااور شہروں، قصبوں اور آبادیوں میں چیلنج کرتا ہوا یا لآخر ـــــ دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوکر مسلمانوں کو چیلنج کر رہا تھا۔

اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مصنّف سید قاسم محمود صاحب (مولانا حافظ ولی اللہ صاحب وفات 1878ء خطیب بادشاہی مسجد لاہور اور مسجد وزیر خان لاہور نابینا عالم، مناظر اسلام اور میسیحیّت کے عالم، کے حالات کے میں) ایک مناظرے منعقدہ لاہور (1870ء کے قریب) کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

حافظ ولی اللہ کے ایک مناظرے کا ذکر درج کیا جاتا ہے۔لاہور میں پادری فونڈر نے چیلنج کیا کہ وہ مسلمانوں کے علماء سے مناظرہ کرنا چاہتا ہے۔سرائے سلطان لاہور عظیم اجتماع ہوا۔ تین روز تک مناظرہ ہوتا رہا۔حافظ ولی اللہ ان دنوں لاہور سے باہر تھے۔واپس آئے تو آتے ہی کہنے لگے کہ مجھے مناظرے کے میدان میں لے چلو۔آپ وہاں پہنچے تو مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔آپ نے سارے علماء کرام سے اجازت لی اور پادری کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑے ہوئے۔آپ نے کہا کہ میں نابینا ہوں اپنے مدّمقابل کو پاس جا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ کو پادری فونڈر کے قریب لے جایا گیا۔ وہ ایک پُرُعب شخصیّت کا مالک تھا۔حافظ صاحب نے اس کے چہرے کو ٹٹولا اور پھر منہ پر ایک ایسا زوردار تھپّڑ مارا کہ پادری کے دانتوں سے خون بہہ نکلا۔ پس پھر کیا تھا۔مجمع میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا مناظرہ درہم برہم ہو گیا۔حافظ ولی اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔حکومت کو ڈر تھا کہ یہ معاملہ کوئی تحریک نہ بن جائے۔اگلے ہی روز لاہور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو جو انگریز تھا مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کر لیا گیا۔عدالت کے اِردگرد بڑا ہجوم تھا۔حافظ ولی اللہ کو بیان دینے کے لئے بلایا گیا۔آپ نے انگریز مجسٹریٹ کے سامنے بتایا کہ استغاثہ کا مجھ پر یہ الزام ہے کہ میں نے ارادہ قتل سے تھپڑ مارا ہے بالکل غلط ہے۔ دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ پادری صاحب انجیل مقدّس پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں میں ۔نے تھپڑ

Marfat.com

مارا کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تمہیں ایک تھپڑ مارا جائے تو دوسرا گال پیش کر دو لیکن پادری صاحب نے انجیل پر عمل کرنے کے بجائے مقدمہ کر دیا۔ یہ بیان دیتے ہی حافظ ولی اللہ نے انجیل کے ایڈیشن کا حوالہ دے دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ فلاں ایڈیشن، فلاں لائبریری میں ہے۔ جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پادری فونڈر کو جواب دینے کے لئے کہا تو اس نے اُٹھ کر اعتراف کیا کہ واقعی انجیل مقدس میں یونہی لکھا ہے میں مقدمہ واپس لیتا ہوں‘‘۔

اس طرح کے مناظرے عام تھے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا نظام ہے مسلمان جاگے اور اس فتنہ کو بھی کچل دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ علماء میں سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو اُٹھایا اور انہوں نے اس پادری کو ایسا خاموش کیا کہ وہ برطانوی قلمرو ’’ہند‘‘ سے ہی فرار ہو گیا اور اسی میں اس نے عافیت سمجھی۔ پھر وہ عثمانی سلطنت کے علاقوں میں پہنچ گیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی حج پر گئے ہوئے تھے۔ سلطان ترکی کو معلوم ہوا تو انہوں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو استنبول بلایا۔ پادری فنڈر کو جب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی آمد کا معلوم ہوا تو بغیر مقابلہ کیے عثمانیہ سلطنت سے بھی رفو چکر ہو گیا اور پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ انہیں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی سرکردگی میں ایک مدرسہ مکۃ المکرّمہ میں ترکی حکومت کے تعاون سے قائم ہوا جو اب تک قائم ہے۔

برطانوی سامراج کے عوامی بہبود کے چند کام

اس برطانوی عہد 1860ء۔ 1947ء میں سامراجی سرگرمیوں کو فروغ دینے اور اس کے استحکام کے لئے ریلوے کا نظام ملک بھر میں پھیلا دیا گیا تا کہ باغیوں کی بروقت سرکوبی کی جا سکے اور حکومتی اہل کار اور عُمّال مرکز، صوبوں اور ضلعوں میں بآسانی آ جا سکیں اور انتظامی کارکردگی میں اضافہ ہو سکے۔ دریاؤں پر بیراج بنائے گئے، نہریں نکالی گئیں اور کئی بنجر علاقے سیراب کر کے آباد کیے گئے جس سے کروڑوں لوگوں کو روزگار کے مواقع ملے اور خوب تعمیر و ترقی ہوئی، ڈاک کا بہترین نظام تھا اور خطوط، پارسل اور سامان بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جا سکتا تھا تار برقی کے ذریعے اطلاعات کا جلد ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ممکن ہو گیا۔ اخبارات، پریس

Marfat.com

وغیرہ اور ریڈیو نے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ سائنسی ترقی اور علمی ترقی کے نتیجے میں انتظامی بہتری آئی اور امن و امان کی کیفیّت پیدا ہوگئی اور ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ تقریباً 90 سال ایسے گزرے کہ لوگ ڈھاکہ سے پشاور، کوئٹہ سے نیپال تک سفر کر رہے ہیں پہلے سے طے شدہ پروگرام پر چھٹیاں گزار کر سرکاری ملازم فوجی ڈیوٹیوں پر جا رہے ہیں، سرکاری اہل کاروں کے تبادلے ہو رہے ہیں، پورے ملک میں تعلیمی نظام، عدالتی نظام اور انتظامی ڈھانچہ کے ساتھ پولیس کا ایک ہی نظام ہے، ریاستوں میں بھی اُصولی طور پر یہی نظام تھا تاہم مقامی حالات کے مطابق ذرا فرق ہوتا تھا۔ اس طرح آمد و رفت کی آسانی، اطلاعات و معلومات میں سہولت اور امن و امان نے سامراج کی نیک نامی میں اضافہ کیا اور اس ماحول میں مسلمانوں میں آزادی کی تحریکوں کو بھی خوب کام کرنے کا موقع ملا اور اطمینان کے ساتھ تیاری کا بھی۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حالات میں اِصلاحِ اُمت کے لیے درس و تدریس اور تحریر کے کام کیے۔ آپ کی تصنیفات میں مثنوی مولانا روم پر فارسی زبان میں حاشیہ، غذائے روح، جہاد اکبر، مثنوی تحفہ عشاق، درنامہ غضبناک، ارشاد مرشد، ضیاء القلوب، وحدۃ الوجود، گلزار معرفت، فیصلہ ہفت مسئلہ، مرقومات امدادیہ، مکتوبات امدادیہ شامل ہیں۔

اسی دور میں کچھ دینی اضمحلال اور کچھ انگریزوں کی سازشوں کے نتیجے میں مسلمانوں میں آپس کے فروعی دینی مسائل میں حد سے زیادہ دلچسپی بڑھ گئی تھی اور جگہ جگہ مناظرے اور مناقشے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس پس منظر میں ریاست بہاولپور میں ان مسائل میں سے سات اہم مسائل پر ملک بھر کے نامور علماء نے جمع ہو کر راہِ اعتدال کا موقف پیش کیا۔ یہ موقف 'ہفت مسائل' کے نام سے مطبوعہ ملتا ہے۔ اس میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اگرچہ صدر نشین خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

آپ کے مرض الموت میں ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کروٹ بدلنا مشکل ہو گیا تھا بھوک ختم ہوگئی تھی۔ 13 جمادی الآخر 1317ھ مطابق 19 اکتوبر 1899ء میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کی اور جنت المعلّٰی (مکہ مکرمہ) میں مدفون ہوئے۔

Marfat.com

مردانِ خدا

وہی ہے بندۂ حُر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیّاری!
ازل سے فطرتِ احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قباپوشی و کلہ داری!
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری!
وجود انھیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زنّاری!

علامہ محمد اقبال

Marfat.com

18

مجاہدِ کبیر، شیخ القرآن والحدیث، اسیر مالٹا

حضرت شیخ الہند

مولانا محمود حسن

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1268ھ/1851ء بریلی

1887ء میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرّس مقرّر ہوئے۔ ''تحریک ریشمی رومال'' کے نام سے آزادی کی جدوجہد کی تحریک چلائی۔ 1916ء میں اسی سلسلے میں حجازِ مقدّس کا سفر کیا۔ وہیں سے انگریز نے آپ کو گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیا۔ مالٹا میں دورانِ اسیری قرآن پاک کا ترجمہ مکمّل کیا اور سورۃ المائدہ تک حواشی لکھے۔ 1920ء میں رہائی کے بعد وطن واپسی ہوئی۔

وفات: 1339ھ/1920ء دیوبند

Marfat.com

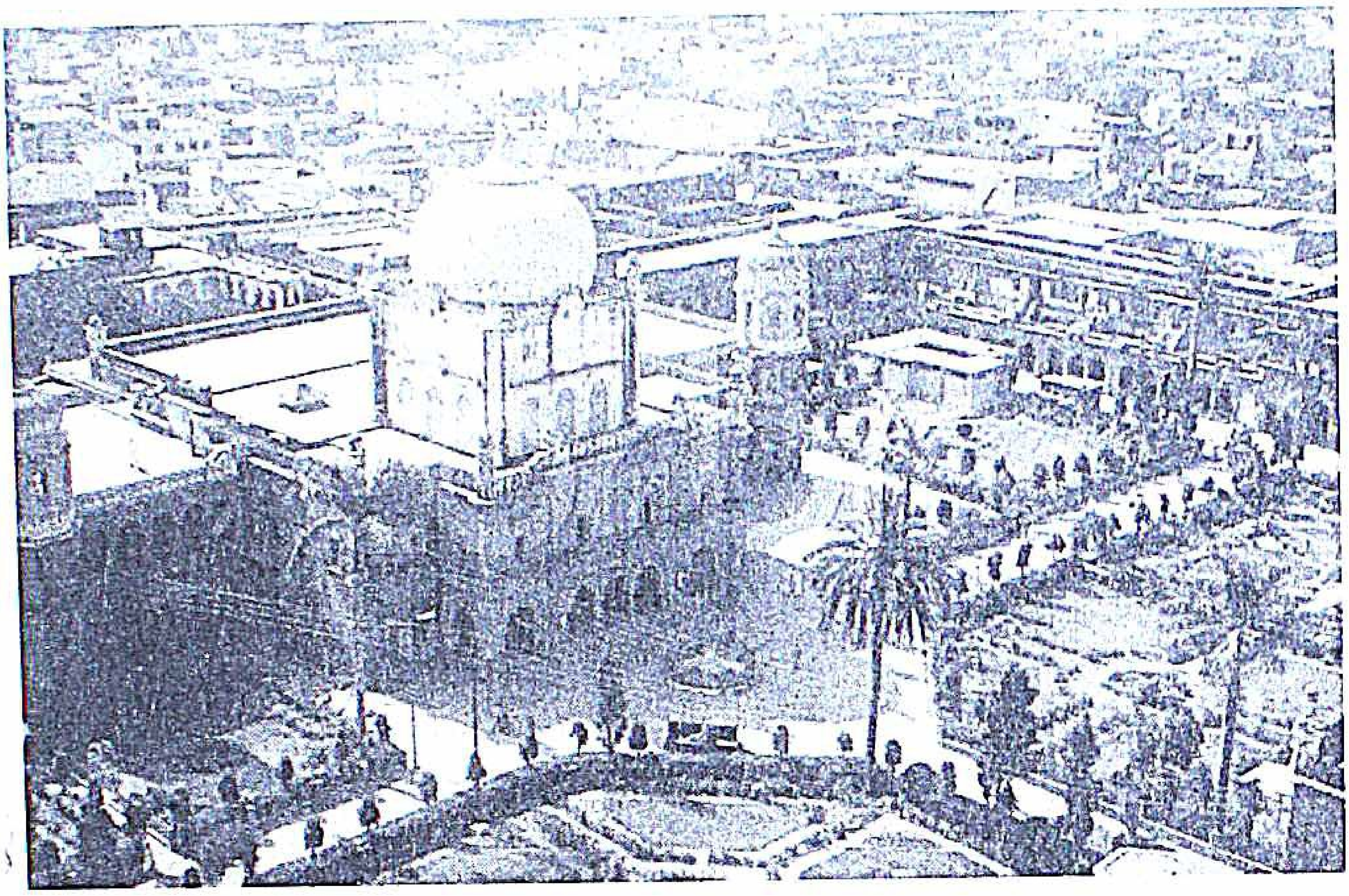

دار العلوم دیوبند

دہلی اور آس پاس کے شہروں کا نقشہ

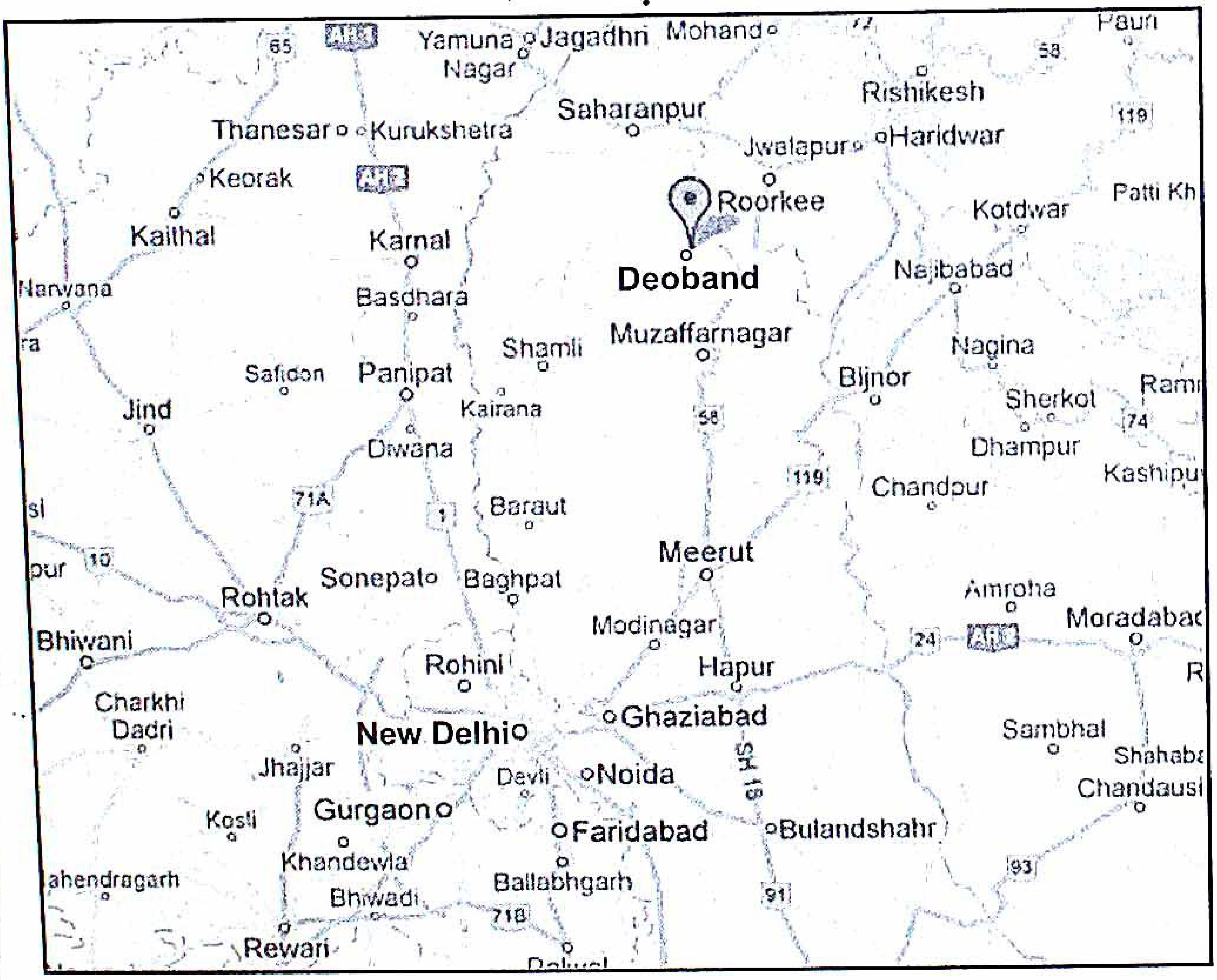

Marfat.com

ذاتی حالات وکوائف

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ سیاسی افراتفری، جہادِ آزادی کی پکڑ دھکڑ اور بے شمار پھانسیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی صف اوّل کی تمام لیڈرشپ کے مارے جانے کے سبب برطانوی ہند میں ہیبت ناک خاموشی اور برطانوی استعمار کے جبر وتشدّد کے عروج کا زمانہ ہے۔

برطانوی ہند 1857ء میں ملکہ وکٹوریہ اور تاج برطانیہ کے براہ راست کنٹرول میں آجانے کے بعد پچاس سال تک مسلمانوں میں کوئی مزاحمتی تحریک نہیں اُٹھ سکی مخلص مسلمان بھی بہت ہی مدھم انداز میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے اور جذبہ جہاد اور دینی شعائر کو سینے سے لگا کر ان کو اگلی نسل کو منتقل کرنے میں ہی مصروف رہے اور یہی اس پرآشوب دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اس تاریک اور طویل ترین نصف صدی میں بھی اُمّت مسلمہ کے بہت سے دردمند افراد کے دلوں میں وہ دبی ہوئی چنگاری تھی (اور یہی اس دور کا حاصل ہے) جس نے بعد میں شیخ الہند محمود حسن، ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کا روپ دھارا ہے۔

1857ء کے جہاد آزادی کے بعد اُمّت مسلمہ برطانوی استعمار کے زیرِ عتاب آ گئی جبکہ ہندو، مسلم دشمنی میں انگریز کی گود میں جا کر بیٹھ گیا اور مراعات لے کر خوش ہو گیا۔ مسلمان برطانوی استعمار اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے قزاقوں کے ایک صدی سے زخم خوردہ تھے اور ہندو اس عرصے میں بھی تجارت میں انگریز کے ساتھ تعاون کر کے معاشی فوائد سمیٹتا رہا اور انگریزی سرکار کے تعلیمی اور فلسفیانہ افکار کو قبول کر کے انگریز کا دست راست بن گیا۔

مسلمانوں میں اُنیسویں صدی کے اوائل میں تحریک شہیدین اُٹھی تھی اور جہاد کا جذبہ

Marfat.com

پیدا ہوا تھا لاکھوں لوگ اس سے وابستہ ہوئے اور ساتھ دیا اگرچہ یہ تحریک سکھوں سے خلاف جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر ایک معرکہ میں شکست کے بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی۔

اس دور میں مسلمانوں میں ایک طرف تحریک شہیدین کے جذبہ جہاد کی باقیات تھیں جنہیں جہاد آزادی 1857ء میں بھی

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی

کے مصداق پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی تاہم وہ جذبہ ع ''آگ دبی ہوئی سمجھ، آگ بجھی ہوئی نہ جان'' ـــــ والی شان کے ساتھ سینوں میں موجزن تھا۔ دوسری طرف مغربی تہذیب اور سائنسی نظریات و افکار کا ایک سیلاب تھا جو صنعتی ترقی اور ایجادات کے نتیجے میں مغربی تہذیب کے چکا چوند مظاہر کی بنیاد پر دیگر اقوام کی طرح مسلمان امت کو بھی گھائل کیے جا رہا تھا۔ اس درد کو محسوس کر کے سر سید احمد خان اور ان کے ہم خیال لوگ اُٹھے اور انہوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے حصول، سائنسی ایجادات کے استعمال اور مغربی افکار و نظریات کو پڑھ کر ''خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا کَدَرَ'' (صحیح لے لو اور غلط کو رد کر دو) کی راہ دکھلائی۔

مسلمان اُمّت کے اندر دردمندی کے جذبات کی حامل سوچ کے یہ دونوں دھارے اسی عرصے میں پیدا ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بعد بھی پیدا ہوتا چلا گیا اور مخالفت و محاذ آرائی میں شدت کا عنصر بھی آ گیا۔

دہلی مغلوں کے عہد سے ہی دارالحکومت تھا۔ برطانوی سامراج نے بھی کلکتہ کے بعد دہلی ہی کو ''مستقر'' اور دارالحکومت بنایا، صدیوں سے مسلمانوں کے علمی، تہذیبی اور فکری مراکز اسی علاقے میں تھے۔ دہلی سے شمال کی طرف جانے والی ریلوے لائن پر علی گڑھ اور دیوبند واقع ہیں۔ سیّد مملوک علی ایک عالم تھے ان کے شاگرد سر سیّد احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ اس عرصے میں مسلمانوں کے درمیان فکر کے دونوں چشمے یہیں سے پھوٹے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ فکری سرچشمے ایک دوسرے سے صرف دور ہی نہیں ہوئے مدمقابل بھی آ گئے اگرچہ اندر سے جذبہ اور جوہر ایک ہی تھا اُمّت مسلمہ کی زبوں حالی کا علاج اور اس سے نکلنے کے لئے جدوجہد اور تدبیر منزل۔

Marfat.com

سر سیّد احمد خان نے مسلمانوں کو 1860ء کے بعد انگریزی تعلیم سے روشناس کرانے کا بیڑا اُٹھایا۔ انگریزوں نے جو تعلیمی ادارے قائم کیے تھے مسلمان ان کے قریب نہیں جاتے تھے 1861ء میں گورنمنٹ کالج لاہور بنا تو ایک چھوٹی سی کرائے کی جگہ پر آغاز ہوا۔ چودہ طالب علم داخل ہوئے جن میں سے صرف ایک مسلمان تھا۔ لہٰذا سر سیّد احمد خان نے علی گڑھ میں محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی اور 1867ء میں پرائمری سکول سے آغاز کیا۔ تاکہ مسلمان، مسلمانوں کے بنائے ہوئے مدارس میں ہی داخلہ لیں اور آگے بڑھیں۔ اسی سلسلہ نے ترقی کی ہے، یہی مدرسہ ہائی سکول اور کالج بنا اور پورے برطانوی ہند سے مسلمان نوجوانوں کی واحد مادر علمی قرار پایا، بعد میں یہی کالج 1920ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کا درجہ پا گیا۔

دوسری طرف 1867ء ہی میں مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دیو بند میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو انار والی مسجد کے صحن میں ایک درخت کے نیچے تعلیم کا آغاز کر کے نصف صدی میں عالم اسلام کی سب سے بڑی درسگاہ اور جامعہ ازہر (مصر) کے پائے کا دار العلوم (یونیورسٹی) بن گیا۔

دار العلوم دیو بند کے پہلے شاگرد 'محمود حسن' تھے جو بعد میں مدرسے کی توسیع و ترقی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے پہلے مدرس اور پھر پہلے شیخ الحدیث بھی بنے اس دار العلوم سے لاکھوں تشنگانِ علم نے اپنی پیاس بجھائی اور اقصائے عالم میں اپنے علمی وفکری اور عملی کارناموں سے امت مسلمہ کا نام روشن کیا تاہم اس مادر علمی نے شیخ الہند سے بڑا سپوت آج تک پیدا نہیں کیا تحریک شہیدین کے وارثوں کا خلوص واخلاص تھا اور امت مسلمہ کی زبوں حالی اور برطانوی استعمار کی جبری غلامی (مُلْکًا جَبرِیًّا) سے آزادی کا جذبہ تھا جو جبر واستبداد کے باوجود سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا اور مختلف شکلوں میں نمودار ہو کر اپنے جوہر دکھاتا رہا تا آنکہ 1947ء میں مسلمانانِ ہند کو آزادی حاصل ہوگئی۔

دنیا بھر میں قیادت کا منبع اور سرچشمہ تین طرح کے طبقات کے ہاتھوں میں رہا ہے۔ سیاسی وعسکری قیادت حکمرانوں کے پاس، مذہبی قیادت مذہبی علماء اور مفکّرین ومصلحین کے پاس جبکہ روحانی قیادت مذہبی طبقہ ہی کے درویشوں و مخلصین کے پاس۔ یہ اصول اتنا تاریخی تسلسل رکھتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے دور صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی خلافت راشدہ میں

Marfat.com

قوت وسیادت کے یہ تینوں سرچشمے ایک ہی شخصیت میں جمع ہوتے تھے۔ صوفیاء وعلماء یعنی مذہبی لوگ اور حکمران یعنی سیاسی وعسکری قیادت الگ الگ نہیں تھے، بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دور صحابہ تک مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں تھے۔ مذہبی لوگ ہی سیاسی ہوتے تھے اور سیاست بھی مذہب سے علیحدہ نہیں تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دشمنوں کی گواہی موجود ہے کہ هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ (وہ رات کے راہب اور دن کے شاہسوار ہیں) قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک طرف 'اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ' اور 'رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ' ہیں ——— تو دوسری طرف تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ایسی ہی جامع شخصیات تھیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور تراشیدہ 'کردار' تھے جو صدیقیت اور شہادت کے مقامات عالیہ کی زینت تھے اور ان اعلیٰ مقامات کے کامل ترین مصداق بھی

> مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ (سورۃ الفتح۔29)
>
> ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں، (کثرت اور طوالت) سجود کے اثرات ان کے چہروں سے عیاں ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں''

ایسے ہی لوگ قرآن پاک کی اصطلاح میں ''حزب اللہ'' کہلاتے ہیں اور یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ حزب اللہ دو چار آدمیوں کو نہیں کہتے بلکہ فئة قليلة بھی ہو تو سینکڑوں ہزاروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بدر میں یہ جماعت 313 کی تعداد میں تھی احد میں 700 کی تعداد میں اور صلح حدیبیہ کے موقع پر 1400 اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی شان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جلو

Marfat.com

میں تھے اور فتح مکہ کے سفر میں یہ جماعت یا 'حزب اللہ' 10 ہزار فرشتہ صفت انسانوں پر مشتمل تھی۔ اعلیٰ ترین ایمان کے ساتھ اتنے زیادہ پاکیزہ صفت لوگوں کا اجتماع ـــــــ ایک پیغمبر علیہ السلام کے ہم رکاب راہِ جہاد میں سربکف رواں دواں کبھی چشم فلک نے نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھے گی۔ اسی طرح کی حزبُ اللہ کے پروان چڑھنے سے 'حزب الشیطان' کو ہزیمت اُٹھانی پڑتی ہے اور شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ابلیسی ایوانوں میں سوگ برپا رہتا ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد آہستہ آہستہ مسلمانوں میں بھی دور بنواُمیہ کے آخر تک سیاسی قیادت اور علماء الگ الگ گروہ بن گئے تھے دور بنوعباس کے آغاز کے بعد تو یہ تقسیم واضح ہوگئی بلکہ علماء اور اہل علم کے بھی دو واضح طبقات ہو گئے ایک پڑھنے لکھنے کا کام کرنے والے، تصنیف و تالیف مکاتب و مدارس سے وابستہ حضرات فقہاء اور سرکاری ملازم اور دوسرے صوفیاء جو دنیاوی عیش اور اسباب دنیا سے کنارہ کش رہ کر اللہ سے 'لَو لگانے کو اہمیت دیتے تھے یعنی صوفیاء و 'درویش'۔

یہ تینوں طبقات علیحدہ ہو کر بھی صحیح رہیں اور دین پر کاربند رہیں تو غنیمت ہے مگر جب سیاسی قیادت دین سے ہٹ جائے علماء حقّانی کے ساتھ ساتھ علماء سُوء پیدا ہو جائیں اور صوفیاء ربّانییّن کے جلو میں دنیادار صوفی کثرت سے پیدا ہو جائیں تو اجتماعیّت کا زوال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ایک مشہور تابعی حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اسی صورت حال کا عکاس ہے۔

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ

وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

''دین سے آزاد بادشاہوں، علمائے سوء اور درویشوں ہی نے دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے''

جنوبی ہند میں مغلیہ دور میں بھی یہی صورت حال تھی حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں سیاسی قیادت، مذہبی قیادت اور صوفیاء میں مخلص حضرات کی کثرت تھی مگر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ بگاڑ میں اضافہ ہوتا چلا گیا پہلے سیاسی قیادت پر زوال طاری ہو گیا ـــــــ جب اصلاح کی کوئی صورت نہ رہی تو مسلمانوں کی قیادت علماء مخلصین کے ہاتھ میں آگئی چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان 1750ء کے بعد سے اُمت مسلمہ کی 'اُمیدوں' کا مرکز بنا رہا۔ انگریزوں کی آمد اور بنگال و میسور میں مسلمانوں کی سیاسی پسپائی کے بعد یہ علماء کا ہی

Marfat.com

طبقہ تھا جس نے مسلمانوں کو جذبہ اور تحفظ فراہم کیا ہے۔

خاندانِ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سب سے پہلے جہاد کا فتویٰ دیا اور اس خاندان کے تربیت یافتہ لوگ تھے جنہوں نے جہاد کا علم بلند کیا اور تحریک شہیدین برپا کر کے مسلمانوں کے سامنے قرنِ اوّل کی یاد تازہ کر دی۔ بعدازاں اس جہادِ آزادی میں بھی مسلمانوں کی قیادت تحریکِ شہیدین کی باقیات صالحات کے علاوہ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی اور کالے پانی کی عمر قید اور سزائے موت پائی۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نے مسلم قیادت کو اس بے دریغ انداز میں (اور تھوک کے حساب سے) پھانسیاں دیں کہ صرف پچیس، تیس سال کی عمر کی قیادت کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہوسکی اور وہ بھی زیادہ تر روپوش ہوگئی ہجرت کر گئی یا گوشہ گمنامی میں چلی گئی۔

شیخ محمود حسن صاحب کی علمی قابلیّت کا اندازہ اولاً آپ کی پورے برطانوی ہند میں علمی شہرت اور برتری سے اور دوسرے درجے میں آپ کے مشہور تلامذہ کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔ دنیا میں یہ عام اُصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح کوئی شخصیت اپنے شاگردوں سے پہچانی جاسکتی ہے۔ آپ کے علمی مقام کے پیشِ نظر آپ کے ہم عصر علماء وفضلاء نے آپ کو شیخ الہند کا خطاب دیا جبکہ آپ کے شاگردوں میں سے چند مشہور اصحابِ علم وفضل کے نام درج ذیل ہیں:

- علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ جن کے شاگردِ خاص علامہ محمد یوسف بنوری تھے جنہوں نے جامعہ بنوریہ کراچی کی بنیاد رکھی۔
- علامہ عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ
- مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ
- مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی مفتی تقی عثمانی، مفتی رفیع عثمانی وغیرہم اُن کے ابناء واحفاد ہیں۔
- مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ حضرت کے سیاسی مشن کے جانشین بنے۔
- مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

- مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (بانیٔ تبلیغی جماعت)
- مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (مشہور صوفی بزرگ)

حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال دیوبند میں تدریس کا کام کیا۔ آپ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ طلباء کابل سے لے کر آسام تک سے آتے تھے اور علم کے اس سرچشمہ سے خوب خوب سیراب ہوتے تھے۔ آپ نے علم کے ساتھ ساتھ شاگردوں کی ہمہ جہتی تربیّت بھی فرمائی اور ان میں جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

آزادی وطن کے لیے آپ کی سرگرمیاں

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات 1899ء) کے بعد آپ نے جہاد حریت اور برطانوی سامراج سے ملکی آزادی کے لئے بہت کام کیا اور اندرون ملک ہی نہیں افغانستان، ترکی اور حرمین شریفین تک رابطے فرمائے۔ اس سلسلے میں آپ نے ایک تحریک کا آغاز فرمایا اور اس کا جال پورے ملک اور بیرون ملک پھیلا دیا۔ اس تحریک کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے افغانستان ہجرت کی جائے اور وہاں سے والی افغانستان کی مدد سے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جائے (یہ منصوبہ قابل عمل تھا یا نہیں یہ دوسری بات ہے) شیخ الہند نے اس منصوبے پر انتھک کام کیا۔ اس تحریک کی بدولت آپ کے کارکن پورے ہندوستان میں سرگرم تھے اور یہ منصوبہ آگے بڑھ رہا تھا اسی سلسلے میں 1916ء میں آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا اور ارادہ تھا کہ ترکی حکومت سے رابطہ کریں اور انہیں اس منصوبہ کا قائل کریں کہ آپ کی سرگرمیوں اور ملاقاتوں کے پیش نظر شریف مکہ کی حکومت نے گرفتار کر کے آپ کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا اور انگریز نے آپ کو بحیرۂ روم کے قدیم عیسائی مرکز جزیرہ مالٹا میں چار سال کے لئے قید کر دیا اور رہائی اس وقت ملی جب ڈاکٹروں نے ٹی بی کی تشخیص کر دی (ٹی بی اس وقت تک قابل علاج مرض نہیں تھا) آپ چار سال کی قید کاٹ کر جون 1920ء میں ممبئی کے ساحل پر اُترے تو استقبال کرنے والوں میں آپ کے عقیدت مندوں اور شاگردوں کے علاوہ چوٹی کے سیاسی لیڈر مہاتما گاندھی بھی موجود تھے۔ قید و بند کی اس صعوبت میں آپ کے شاگرد (حضرت) حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) مدینہ سے ہی آپ کے ساتھ ہو گئے تھے اور انہوں نے آپ کے ساتھ خدمت کے جذبے اور حق شاگردی کی

Marfat.com

ادائیگی کے لئے رضا کارانہ جیل کاٹی اور استاد کی خوب خوب خدمت کی۔ حضرت شیخ کی عمر 1916ء میں 66 سال کی تھی۔

یہ سیاسی تحریک ——— جہاد حریّت اور وطن کی آزادی کا پیغام آپ نے جس طرح وسائل کی کمی کے باوجود عام کیا اور حکومتی مشنری کو حیران کر کے رکھ دیا وہ آپ کے اخّاذ اور اعلیٰ ذہن کی پیداوار تھی۔ یہ ملک گیر تحریک بعد میں بے نقاب ہوئی اور ریشمی رومال کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ آپ نے پیغام رسانی کے لئے ایسا طبقہ ایجاد کیا کہ برطانوی ایجنسیاں عرصہ دراز تک اس کی کھوج نہ لگا سکیں۔ یہ تحریک آپ کی وفات کے بعد ملتان میں پکڑی گئی اور اس طرح اس کی تفاصیل سامنے آنے پر کارکنوں کو ہراساں کر کے تتر بتر کر دیا گیا۔

اس تحریک کا نام 'ریشمی رومال تحریک' اس لئے پڑ گیا تھا کہ آپ کے کارکن اپنے کاندھے پر ایک ریشمی رومال رکھتے تھے (جیسے علماء کے ہاں آج کل بھی طریقہ ہے) اسی رومال کو پیغام رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ آج بھی ان رومالوں پر مختلف قسم کے پھول بوٹے اور انداز ہوتے ہیں حضرت شیخ الہند نے اسی کڑھائی (EMBROIDERY) میں تحریر کا ایک خاص انداز ایجاد کیا اور اس کو استعمال کر کے تحریک کی بنیاد بنا دیا۔

دیوبند کے اکابرین میں سے مولانا سیّد اصغر علی صاحب ایک معروف بزرگ اور عالم تھے ان کی اولاد تقسیم ہند کے بعد پاکستان منتقل ہو کر آباد ہوئی سیّد رشید احمد صاحب اسلامیہ ہائی سکول جھنگ میں عرصہ دراز تک عربی ٹیچر رہے اپنے زمانہ طالب علمی 1960-1963 تک ان سے عربی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد میں سید صاحب نقل مکانی کر کے ہمارے محلّہ میں ہی آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک دن ریشمی رومال تحریک کے دوران اس تحریر کی تفصیلات بتائیں تھیں۔

وہ تحریر ایسی تھی جیسے انگریزی میں بڑے حروف (CAPITAL LETTER) میں کوئی عبارت الگ الگ حروف میں لکھی جاتی ہے پہلے ایک کھڑی لکیر اردو لفظ 'الف' کی طرح لگائی جاتی تھی پھر دائیں طرف کھجور کی شاخ کی طرح لکریں لگا کر ابجد، ھوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ کے الفاظ کو ظاہر کیا جاتا تھا پھر بائیں طرف اسی طرح کی ترچھی لکیروں سے 'کلمن' لفظ میں سے اگر 'م' کو ظاہر کرنا ہے تو تین لکیریں لگا دی جاتی تھیں اس

Marfat.com

طرح سارے الفاظ لکھ کر پوری عبارت رومال پر منتقل کر دی جاتی تھی اور یہ رومال کارکن ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے رہتے تھے۔ ریشمی رومال تحریک سے وابستہ حضرات کڑھائی کا یہ کام اپنے گھر کی خواتین سے لیتے تھے گویا خواتین بھی اس تحریک آزادی میں برابر کی شریک تھیں مثال کے طور پر نام 'محمد علی' کے لئے اشارات یوں لکھے جاتے ہیں:

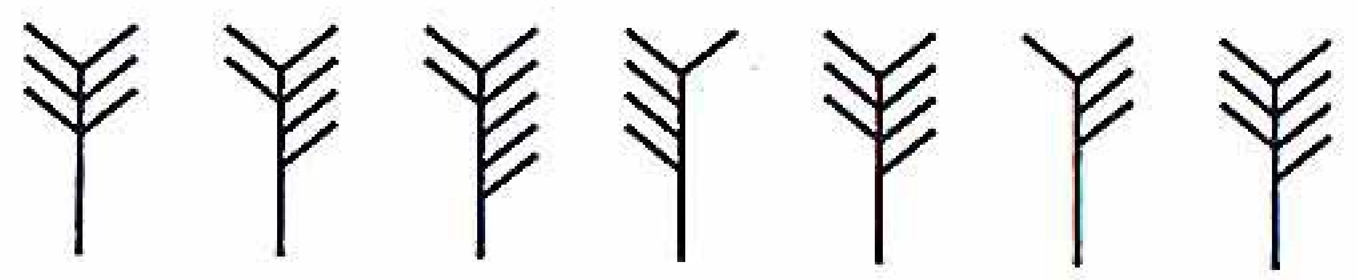

م ح م د ع ل ی = (محمد علی)

اسی طرح حروف ابجد کی گنتی ہے 'اعداد' کو ظاہر کرنے کے لئے ان حروف کی عددی قیمت لکھ کر رقمیں بھی لکھی جاتی تھیں۔ حیرت کی بات ہے کہ رواج کے طور پر آج کے رومالوں پر ابھی تک اس ڈیزائن کے نشانات بنائے جاتے ہیں اگرچہ اب ان میں کوئی معنوی حقیقت نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علمی برتری بھی مسلّم تھی۔ برطانوی ہند میں مسلمانوں کے درمیان دینی علم کے بے شمار مراکز اور خانقاہیں تھیں جس میں دہلی کے آس پاس کا علاقہ نمایاں تھا اس کے علاوہ بریلی، بدایوں، فرنگی محل، اجمیر شریف وغیرہ بھی بہت اہمیّت کے حامل تھے۔ حضرت شیخ الہند پورے ہند میں تمام مسالک کے علماء کے متّفقہ سرخیل تھے۔ اس وقت پورے برطانوی ہند میں مسلمانوں کا ایک ہی مذہبی پلیٹ فارم تھا جمعیت علماء ہند اور آپ اس کے صدر تھے۔ اس جمعیت میں علماء اہلحدیث، علماء احناف اور شیعہ مسالک کے علماء بھی جمع تھے۔ دیوبندی بریلوی علماء کی بھی تقسیم ابھی اتنی گہری نہیں تھی جتنی آج ہے۔ بریلوی علماء میں مولانا احمد رضا خان صاحب کے علاوہ سب اس جمعیت میں موجود تھے بلکہ بریلوی علماء میں بھی علمائے اجمیر شریف مولانا معین الدین اجمیری کے علاوہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے داماد مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی بھی اس میں شامل تھے (آپ پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا شاہ احمد نورانی کے والد اور مولانا انس نورانی کے دادا تھے)۔ یوں سیاسی اعتبار سے بھی، جہاد حریّت اور آزادی وطن کی جدوجہد کے اعتبار سے بھی اور رسوخ فی العلم کے اعتبار سے بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔

آپ نے 1916ء سے جون 1920ء تک مالٹا میں جیل کاٹی واپسی پر آپ کا ممبئی سے

Marfat.com

دیوبند تک ہر جگہ شاندار استقبال ہوا۔ دیوبند میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں آپ کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ اس میں آپ نے بڑے درد بھرے لہجے میں فرمایا: (یہ روایت مفتی محمد شفیع صاحب کی ہے جو اس جلسہ میں موجود تھے)

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؛ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

(اقتباس از ''وحدتِ امت'' تالیف مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب)

وطن واپسی پر آپ کو جہاد حریّت کے لئے کئی اقدام کرنے کا موقع ملا جن میں ایک اہم بات یہ تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو مدارس سے فارغ التحصیل تو نہ تھے مگر 1912-1916 تک اپنے جریدوں البلاغ اور الہلال کے ذریعے حکومت الٰہیہ کے قیام کی بھرپور دعوت پورے ملک میں بڑے زوردار انداز میں عام کر چکے تھے۔ آپ نے ابوالکلام آزاد کی پہلے بھی تصویب فرمائی تھی تاہم واپسی پر ان کے تبصرے اور حالات حاضرہ پر گہری نظر کی وجہ سے مسلمانوں میں نصب امام کے لئے 'امام الہند' بنانے کی کوششیں فرمائیں جو بوجوہ کامیاب نہ ہوسکیں۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ آپ نے مسلمانوں میں علی گڑھ اور دیوبند کے جُدا راستوں کو مسلمانوں کی قوت کی کمزوری پر قیاس کرتے ہوئے علی گڑھ (جدید علوم کی درسگاہوں) سے رشتۂ الفت ومحبّت جوڑنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود علی گڑھ کا دورہ فرمایا اور

Marfat.com

وہاں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا اُمّیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر الٰہی کی روشنی جھلک رہی ہے ____ اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی جانب بڑھایا اور اس طرح ہم نے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا''۔

(خودنوشت سوانح حیات مولانا حسین احمد مدنی، بحوالہ بیس بڑے مسلمان)

مسلمانوں کے اندر علم کے دو جُدا دھارے (علی گڑھ اور دیوبند و دیگر دینی مدارس) نئی نسل میں فکری انتشار کا باعث بن رہے تھے اور یہ خلیج وقت کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی۔ اس خلیج کو پُر کرنے یا کم کرنے کے لئے اصحاب علم و دانش نے کئی کوششیں فرمائیں جیسے ندوۃ العلماء لکھنو کا قیام وغیرہ تاہم یہ خلیج کم نہ ہوسکی۔ اسی سلسلے میں ایک کوشش حضرت شیخ الہند نے فرمائی۔ دہلی میں اپنے معتقدین اور متوسّلین کے ذریعے جامعہ ملّیہ کا قیام عمل میں لائے اس ادارے نے گزشتہ ایک صدی میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔

مسلمانوں کی بہتری کے لئے ایک تیسرا کام آپ نے یہ کیا ____ جیسا کہ آپ نے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا مسلمانوں نے قرآن مجید سے دوری اختیار کرلی ہے اس کے لئے قرآن مجید کے علوم کو عوامی سطح پر لانا چاہیے اور عام کرنا چاہیے۔ یہ سوچ آپ کی پہلے سے تھی ایّام اسیری میں جتنا غور فرمایا یہ سوچ اور پختہ ہوگئی۔ اسی سوچ کے تحت آپ نے قرآن کا ترجمہ کیا اور سلیس زبان میں حواشی لکھنے کا آغاز کیا جسے بعد میں آپ کے ہونہار اور لائق شاگرد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب (شیخ الاسلام پاکستان) نے مکمّل فرمایا اور تفسیر عثمانی کے نام سے مطبوعہ موجود ہیں۔ یہ

Marfat.com

حواشی مختصر ہونے کے باوجود آج بھی نہایت مستند سمجھے جاتے ہیں۔اس کے دیباچے میں آپ نے علماء کو توجّہ دلاتے ہوئے فرمایا:

''حضرات علمائے کرام نے عوام کی بہبودی کی غرض سے جیسے سہل اور آسان متعدّد ترجمے شائع فرما دیے ہیں ایسے ہی اس کی بھی حاجت ہے کہ علی العموم مسلمانوں کو اُن ترجموں کے سیکھنے اور اُن کے سمجھنے کی طرف رغبت بھی دلائی جائے۔علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سمجھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دلنشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کے لئے ایسے سلسلے بھی قائم فرمادیں کہ جو چاہے اسے بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔ واللہ المُوَفّق والمُعین''

قرآن مجید کے علوم کو عوامی سطح پر عام کرنے کی ضرورت کا احساس جتنا حضرت شیخ الہند کو 1920ء میں تھا اس سے کہیں زیادہ آج بانوے سال بعد 2013ء میں بھی اس کی ضرورت ہے۔'عوامی درس قرآن' کا لفظ حیرت ہے حضرت شیخ الہند نے 1920ء کے لگ بھگ ارشاد فرمایا حالانکہ پاکستان میں عوام کی زبان پر 'عوامی' کا لفظ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں آیا۔کاش آج بھی اس طرف توجّہ مبذول ہو اور اختلافات کو بھلا کر قرآن مجید کو حقیقتاً عام کرنے کا بیڑا اٹھایا جائے اور گلی گلی کوچے کوچے اس کو عوامی بیداری کا ذریعہ اور اساس بنایا جائے تو کچھ بعید نہیں کہ ایک طرف ہمارے درمیاں اتّحاد و یگانگت پیدا ہو جائے اس لیے کہ آج بھی قرآن مجید کا متن متّفق علیہ ہے اور امّت کے اتّحاد کا واحد ذریعہ اور اساس بن سکتا ہے اور دوسری طرف ایک شعوری انقلاب برپا ہو کر مسلمانوں کو امریکی غلامی سے نکلنے پر آمادہ کر دے۔

حضرت شیخ الہند کی ذات ستودہ صفات کی رحلت کے بعد برطانوی ہند کے مسلمانوں کی قسمت میں ایسا انقلاب آیا کہ اس کے بعد علمائے دین (چاہے مسلم لیگ کے ساتھ تھے اور پاکستان کی جدوجہد کر کے پاکستان میں ہیں یا بھارت میں ہیں) مسلمانوں کی قیادت کے منصب سے محروم ہو گئے۔ یہاں مسلم لیگ یا پیپلز پارٹی کے ساتھ شامل ہو کر وزارتِ مذہبی امور یا

Marfat.com

امورِ کشمیر لے کر مطمئن ہو جاتے ہیں یا اسلامی نظریاتی کونسل اور رؤیت ہلال کمیٹی کی صدارت حاصل کر لیتے ہیں۔ اصل اقتدار کسی اور کے پاس ہوتا ہے۔ پاکستان کے مسلمان ہوں یا بھارت کے، ان کی قیادت علماء کے ہاتھ سے نکل کر جدید تعلیم یافتہ افراد کے ہاتھ میں آ گئی تھی اور گزشتہ پوں صدی سے حالات کا رُخ یہی ہے نہ معلوم یہ صورت حال کب تک جاری رہے گی یا علمائے دین جدید علوم سیکھ کر حالات حاضرہ اور ریاستی معاملات کی باریکیوں کو سمجھنے لگیں گے اور قیادت کے منصب پر فائز ہوں گے یا جدید تعلیم یافتہ حضرات علم دین سے بہرہ ور ہو کر اسلام کے تقاضوں کے مطابق خلافت قائم کر دیں گے۔

شیخ الہند کی تصنیفات کم ہیں آپ نے اپنے شاگردوں کی شکل میں سیرت و کردار کے پیکر تصنیف فرمائے جو دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اُمت، علم و تحقیق، جہادِ آزادی اور حفاظتِ دین کے میدان کے شہسوار بنے اور آپ کے لیے توشۂ آخرت۔

حضرت شیخ الہند نے نومبر 1920ء میں وفات پائی اور ہزاروں شاگردوں اور لاکھوں ابنائے وطن کو سوگوار چھوڑ کر دیو بند میں مدفون ہوئے۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

مہمانِ عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدرسہ والوں کا ضمیر
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز!
چاہیے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آ جائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

علامہ اقبال

Marfat.com

ایک اہم اقتباس

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ القرآن کے مقدمہ سے

حضرات علماء نے عوام کی بہبودی کی غرض سے جیسے سہل اور آسان متعدد ترجمے شائع فرما دیئے ہیں ایسے ہی اسکی بھی حاجت ہے کہ علی العموم مسلمانوں کو اُن ترجموں کے سیکھنے اور اُن کے سمجھنے کی طرف رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سمجھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں۔ بلکہ ترجمہ کی تعلیم کے لئے ایسے سلسلے بھی قائم فرمادیں کہ جو چاہے بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔ واللہ الموفق والمعین۔

Marfat.com

19

مجدّدِ تبلیغ

حضرت مولانا

محمد الیاس کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1303ھ/1886ء

1911ء میں مظاہر العلوم سہانپور میں مدرّس مقرر ہوئے۔ پھر دہلی میں والد ماجد کے قائم کردہ مدرسہ کا انتظام سنبھالا اور میوات کے علاقے میں پہلے تعلیمی مکاتب قائم کیے اور پھر 1926ء میں حج سے واپسی کے بعد عوامی سطح پر احیائے اسلام کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا اور اسلام کے عالمی غلبہ کے ابتدائی درجہ کے طور پر عوام کو دعوت دی کہ وہ بھی اپنے گھروں اور کاروبار سے نکل کر دین سیکھیں اور اس کو پھیلانے کی جدوجہد کریں۔

وفات: 1363ھ/1944ء

Marfat.com

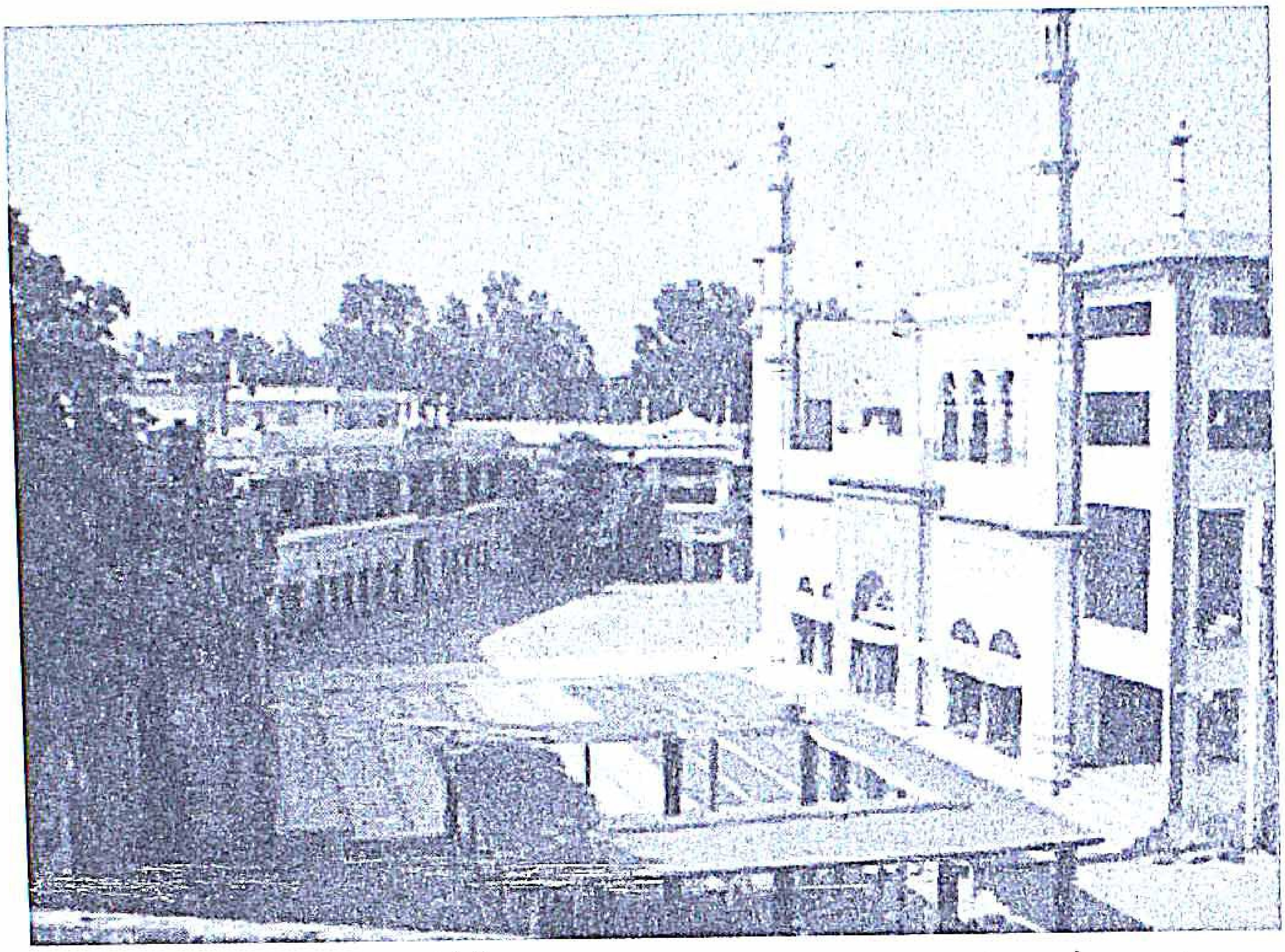

▲ (مدرسہ باغوں والی، جہاں سے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تبلیغی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انڈیا)

▼ (مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت کا موجودہ عالمی مرکز۔ رائیونڈ، پاکستان)

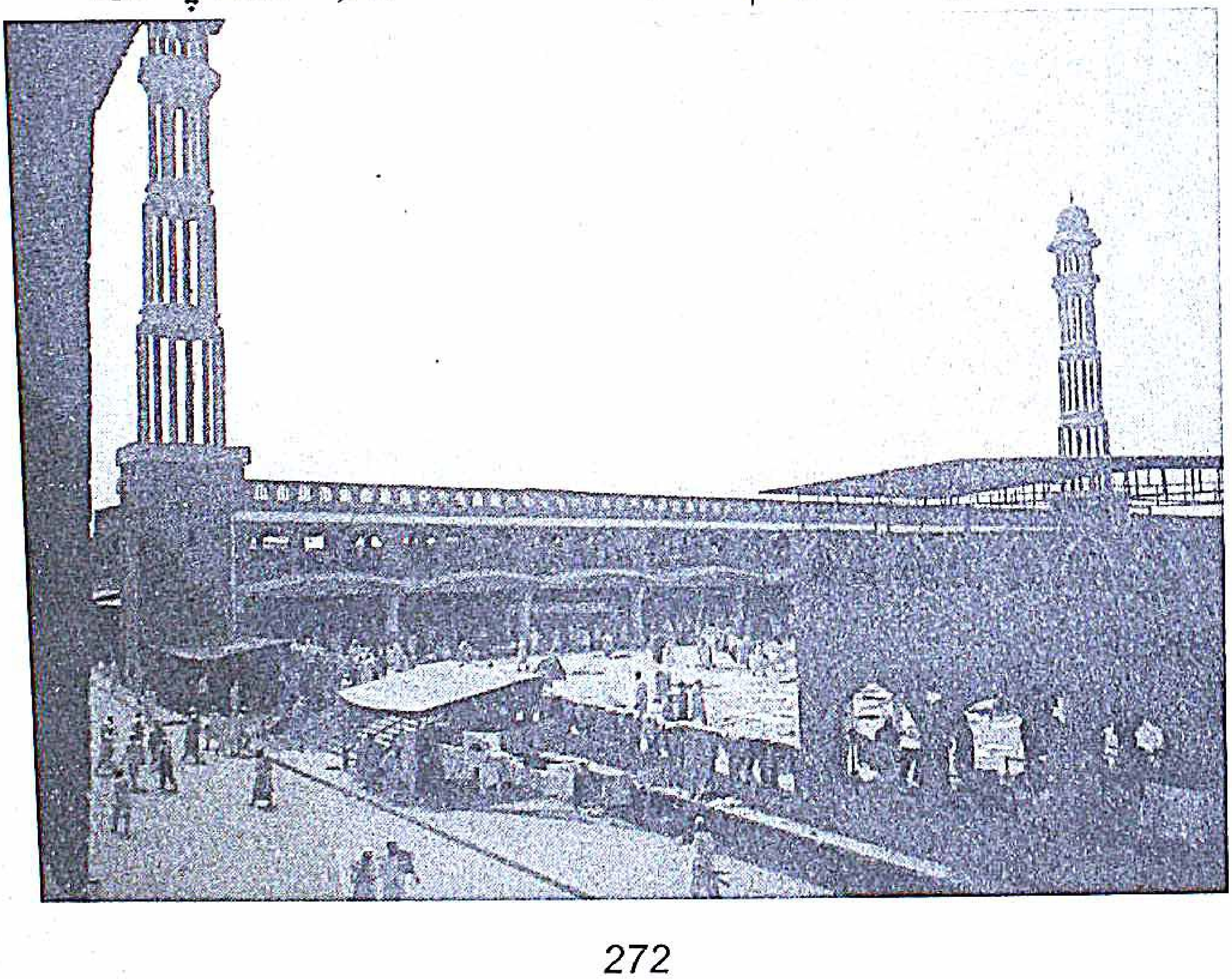

Marfat.com

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں 1886ء (1303ھ) میں پیدا ہوئے، ان دنوں آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ گنگوہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آپ کے والد گرامی نے 1898ء (1315ھ) میں وفات پائی تو بھائی ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے اور ابتدائی تعلیم بڑے بھائی سے ہی حاصل کی۔ گنگوہ ان دنوں اکابر علماء اور مجاہدین کا گہوارہ تھا۔ آپ نے اس ماحول میں تربیت پائی اور دین کے کام کی تڑپ، جدوجہد اور احیائے اسلام کی لگن جیسے جذبات سے خوب حصّہ پایا۔ آپ نے مولانا رشید احمد گنگوہی سے بچپن میں ہی بیعت کر لی تھی۔ آپ نے دیوبند میں حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تحصیل علم کیا۔ پہلے مظاہر العلوم سہارن پور میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر 1911ء میں بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی وفات کے بعد دہلی منتقل ہو کر والد گرامی کی مسند سنبھال لی۔ آپ کے آباء واجداد جھنجھانہ سے تعلّق رکھتے تھے والد گرامی کاندھلہ میں شادی کی بنا پر کاندھلوی مشہور ہوئے اور آپ دہلی میں تبلیغی سرگرمیوں کی بنا پر محمد الیاس دہلوی کہلائے۔ آپ کی وفات جولائی 1944ء (1363ھ) میں ہوئی۔

دہلی صدیوں سے حکمرانوں کا مسکن اور اہل علم وفن کا گہوارہ رہا ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے بھی اسے اپنا دارالسّلطنت بنائے رکھا ہے۔ یہاں علم کے سینکڑوں مراکز، بے شمار علماء، فضلاء اور صوفیاء پیدا ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق اشاعت علم دین میں وقت گزارا۔ تاہم نیرنگیٔ افلاک دیکھیے کہ دہلی اور اس کے آس پاس کا دیہاتی علاقہ (بے شمار دوسرے علاقوں کی طرح) کے عوام ماضی میں کلمہ اسلام پڑھ کر دائرہ اسلام میں آ جانے کے باوجود اسلام کی ابدی تعلیمات سے بے بہرہ رہے۔ کئی نسلوں سے علم دین سے محرومی کی بنا پر ان علاقوں کے لوگوں کی کثیر تعداد مسلمان

Marfat.com

کہلانے کے باوجود کلمہ اسلام بھی صحیح طریقے پر نہیں پڑھ سکتے تھے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی نے (1860ء کے بعد) بستی نظام الدین میں رہائش کر کے مسجد تعمیر کی تو نمازیوں کو تلاش کرنا پڑا یہیں سے تبلیغ دین کا جذبہ پیدا ہوا۔ مدارس کا قیام اور علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس ایک اور شعبہ ہے، علماء دین کی کھیپ تیار کر دینا بالکل دوسری بات ہے اور عوام میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنا ایک بالکل علیحدہ شعبہ ہے۔ آپ کے والد گرامی نے عوامی سطح پر میوات کے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کا بڑا کام کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات بھی عطا فرمائے۔

یہی دور ——— وہ دور ہے جب 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان اگلے مرحلہ کی تیاری کر رہے تھے جبکہ ہندو برطانوی استعمار سے ٹکرانے کی پالیسی کی بجائے ابتداء ہی سے مفاہمت کی پالیسی اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس طرح ہندو نو وارد حکمرانوں کو سہارا دے کر ان سے مراعات بھی حاصل کرتا رہا۔ برطانوی سامراج نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی؛ لہٰذا مسلمانوں اور سات سمندر پار کے غاصب حکمرانوں میں اختلافات کی خلیج حائل تھی اور تصادم کا معاملہ تھا جو 1857ء کے بعد بظاہر دب گیا تھا مگر ع ''آگ دبی ہوئی سمجھ، بجھی ہوئی نہ جان'' کے مصداق وہ جذبہ ختم نہیں ہوا تھا۔ ہندو مرہٹہ قوت میں مسلم دشمنی کے انتقامی جذبات بھی پروان چڑھ رہے تھے اور انگریز کے زیر سایہ برطانوی ہند میں اندلس (سپین) کی طرح مسلمانوں کی بیخ کنی کا منصوبہ آگے بڑھا رہے تھے۔ برہمو سماج کی تحریک تو تھی ہی؛ شدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں شروع ہوئیں کہ ہند میں آباد مسلمانوں کی اکثریت مقامی قبائل سے مسلمان ہوئے ہیں لہٰذا انہیں واپس ہندو بنا لینا چاہیے۔ یہ بڑی خوفناک تحریکیں تھیں اگر دست قضا مسلمانوں میں بعض اہم شخصیات کے ذریعے شجر اسلام کی آبیاری کا کام نہ لے لیتا تو یہ اسلام کا شجر سوکھ چکا ہوتا انہیں شخصیات میں اہم نام مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

آپ نے نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانے کا عزم کیا اور ان میں دین کی عظمت، اسلامی تعلیمات اور فرائض کا علم اور دین کے لئے جان و مال سے محنت (جہاد) کا جذبہ پیدا کر دیا اور تبلیغ کے نام سے ایسی جدوجہد کی کہ نصف صدی بعد وہ تحریک ایک تن آور درخت بن

Marfat.com

کر عالمی تحریک بن گئی۔

اس تبلیغی کام کی ابتدائی اُٹھان اسلام کے ابدی اور آفاقی اصولوں پر ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو بیدار کرو۔۔۔۔۔ قرآن مجید کی تعلیمات عام کرو۔۔۔۔۔ جذبہ جہاد پیدا کرو۔۔۔۔۔ آگے بڑھ کر اسلام کو غالب کر کے ایک اسلامی خلافت کی بنیاد رکھ دو۔۔۔۔۔ اس لئے کہ خلافت کے قیام کے بغیر اور ایک علاقہ فتح کر کے اس میں اسلامی تعلیمات کو رائج کیے بغیر مسلمان پورے دین پر کبھی عمل نہیں کر سکتے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ ان کے خطابات سے واضح ہے اور ان کی تبلیغی مساعی اور کاموں سے ظاہر ہے ان کا ایک خطبہ جو بحمد اللہ مطبوعہ موجود ہے اور پہلے تبلیغی نصاب کے ساتھ چھاپا جاتا تھا ہماری مراد ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' نامی تحریر ہے جو مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر کو نقل کر کے انہیں کے ایک عزیز اور عقیدت مند مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شائع کرائی تھی۔ اس تقریر میں آپ نے اپنے تبلیغی کام کا سارا صغریٰ کبریٰ اور اپنی مساعی کا ابتدائی مرحلہ، آگے کے مراحل اور آخری مراحل کا بھی اشارہ دیا ہے۔ اس تحریر کا مطالعہ کر کے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی مساعی کے ساتھ ان کے اعلیٰ فکر اور غلبہ اسلام کی تڑپ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

- آج کی تبلیغی جماعت کے اکابرین واصاغرین اسلام کے غلبہ کو اس اہمیت سے بیان نہیں کرتے جس کا یہ متقاضی ہے یہ اشارہ ہے جماعت کے اہداف میں تبدیلی کا۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو اور ہمارا مشاہدہ صحیح نہ ہو اور جماعت تبلیغ کے اکابرین اور اصاغرین سب اسلام کے غلبہ کو اپنا مطمع نظر سمجھتے ہوں اور قیامِ خلافت کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کرنے کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے ہوں جس کا تذکرہ سورہ نور کی آیات 57 میں آیا ہے اور جس کے بغیر مسلمان پورے دین پر عمل پیرا بھی نہیں ہو سکتے اور نہ عوام کو اسلامی تعلیمات کی برکات مل سکتی ہیں۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی اسی انقلابی سوچ کے بارے میں سیّد قاسم محمود صاحب اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں رقم طراز ہیں:

''مولانا کا اس کام کے بارے میں نقطہ نظر بہت بلند تھا، ان کے سامنے صرف اتنی

Marfat.com

بات نہ تھی کہ عوام الناس نماز، روزہ سیکھ جائیں اور ذکر واذکار کے پابند ہو جائیں بلکہ مولانا پوری ملّت اسلامیہ کو بیدار کر کے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کو اسلامی بنانے کی فکر رکھتے تھے۔ خود مولانا کے الفاظ ہیں:

"ہماری اس تحریک کا اصل مقصد یہ ہے: اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے اُمّت کو وابستہ کر دینا۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی ا، ب، ت ہے"۔

جناب سیّد قاسم محمود صاحب مزید رقم طراز ہیں:

"مولانا نے 1330ھ / 1916ء میں نکاح کیا تھا۔ اولاد میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد یوسف اور ایک دختر تھی جو مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بیاہی گئیں۔ مولانا پست قد تھے، گندمی رنگ اور دبلا جسم تھا، داڑھی گھنی تھی، زبان میں قدرے لکنت، آواز پر جوش، طاقتور اور عالی ہمت کہ تبلیغ کے سلسلے میں پہاڑیوں پر چڑھتے، تیز دھوپ اور گرم لُو برداشت کرتے، مئی جون کی گرمی میں میوات کا دورہ کرتے، سخت سردیوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرتے"۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے اس کام میں مجدّدانہ اصلاحات فرمائیں روایتی مذہبی تبلیغ، تبلیغی کانفرنسیں عام طور پر اختلافی مسائل پر اپنے ہم خیال عوام کے سامنے علماء کا اپنے نظریات کا دوبارہ اظہار کرنا ہوتا ہے اور علماء کرام اس کام کے لئے بھاری بھاری معاوضے وصول کرتے ہیں۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کے لئے پیغمبرانہ شان کے ساتھ کام کیا اور اس کو عام کرنے کی کوشش فرمائی کہ تبلیغ دین کے لئے اپنی جیب سے خرچ کرو، اپنا بستر خود اٹھاؤ اور اپنے کام خود کرو اور عوام تک جا کر دین پہنچاؤ۔ اس کام کی یہ شان تھی کہ انہیں تبلیغ کے شعبہ کا مجدّد کہا جانا ان ہی کے شایانِ شان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہیں جیسا جذبہ نہ سہی ان کے جذبہ کا کوئی حصّہ ہی عطا فرما دے۔ (آمین)

Marfat.com

20

رئیس الاحرار، بے مثال خطیب،

بحالیٔ خلافت اسلامیہ کے نقیب حضرت مولانا

محمد علی جوہر

رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: 1297ھ/1878ء رام پور
1918ء میں سقوطِ خلافت عثمانیہ کے بعد احیائے خلافت کے لیے ایسی جدوجہد کی کہ پورے ہندوستان میں ہنگامہ برپا کردیا۔ 1920ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ 1931ء میں ہندوستان کی آزادی کے لیے انگلستان میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔
وفات: 1350ھ/1931ء لندن، مدفن: بیت المقدس

Marfat.com

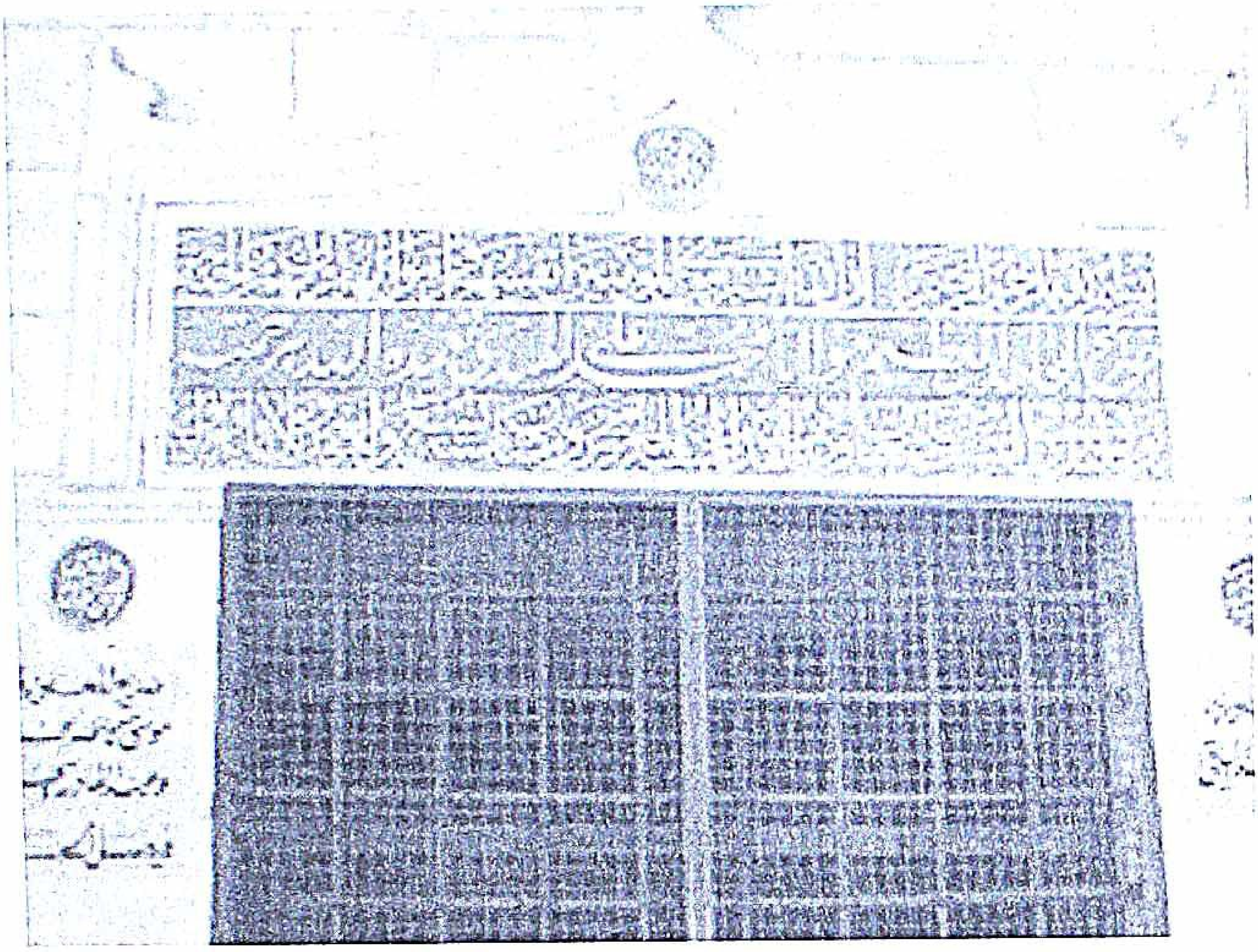

(آخری آرامگاہ: مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، بیت المقدس)

(مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ روزنامہ اخبار ''ہمدرد'' کے صفحے کا عکس)

Marfat.com

مولانا محمد علی جوہر 10 دسمبر 1878ء کو رامپور میں پیدا ہوئے تو سقوطِ دہلی کو 21 برس گزر چکے تھے اور سر سیّد کی 'اسبابِ بغاوتِ ہند' بھی منظرِ عام پر آ چکی تھی، علی گڑھ کے مدرسہ کا بھی باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ دو سال کی عمر میں ہی والد (بعمر 30۔32 سال) انتقال کر گئے۔ والدہ نے بیوگی میں ہی بچوں کی پرورش کی اور ناخواندہ ہونے کے باوجود بچوں میں اسلامی جذبۂ حریّت بھر دیا، گھریلو ماحول اچھا میسّر آیا۔ برطانوی استعمار کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم نے اس عشرے میں پیدا ہونے والے دیگر مسلم زعماء کی طرح محمد علی کے دل میں بھی مغرب اور مغربی استعمار کے خلاف نفرت کو بھڑکا دیا تھا۔ آپ کی شخصیت سازی میں آپ کی والدہ کا بہت حصّہ ہے۔ آپ نے علی گڑھ سے بی اے کیا، آکسفورڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے 1902ء میں واپس آئے۔ تیس سال کی عملی زندگی گزار کر 4 جنوری 1931ء کو لندن میں وفات پائی اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے۔ اُنہوں نے زندگی بھی بڑے سلیقے کی گزاری اور انہیں مرنا بھی خوب سلیقہ کا نصیب ہوا۔ ع سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر ﷺ گزشت

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے جس زمانے اور ماحول میں شعور کی آنکھ کھولی اور پرورش پائی وہ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد انگریزی مظالم کی طویل تاریک رات کا زمانہ تھا جس میں آزادی کے متوالوں بالخصوص مسلمان زعماء اوران کے متوسّلین ومعتقدین کو چن چن کر تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھا اور بالغ نظر اور MATURE قیادت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ 1860ء اور 1870ء کے عشرے کے دوران برطانوی استعمار کے منحوس سائے میں جنوبی ایشیا میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی رہی۔ جبر اور گھٹن کے اس ماحول میں وہ شخصیات پیدا ہوئیں جو

Marfat.com

آگے چل کر مسلمانوں کے لئے آزادی کی پیامبر اور اُمّت مسلمہ کی بیداری اور دکھوں کے مداوا کے لئے مسیحا ثابت ہوئیں۔ محمد علی جناح (قائدِ اعظم) ولادت 1876ء ٹھٹھہ (سندھ)، محمد اقبال (علامہ) ولادت 1877ء سیالکوٹ، محمد علی جوہر ولادت دسمبر 1878ء رامپور ــــــــ برطانوی غلامی سے آزادی کے مجاہدین میں سے چند نمایاں نام ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر نے ابتداء میں بروڈہ کی سول سروس میں ملازمت اختیار کی، اس عرصے میں وہ سیاسی طور پر بیدار ہو چکے تھے۔ 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے قواعد وضوابط کی تیاری کا کام آپ نے سرانجام دیا تھا۔ اس وقت کے کثیر الاشاعت اخبار 'ٹائمز آف انڈیا' میں قومی مسائل پر آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے، آپ نے شاعری کا لب و لہجہ بھی اختیار کیا تاہم ساری سرگرمیوں کا حاصل برطانوی استعمار اور اس کے پس پردہ یہودی صیہونی ذہن سے نجات حاصل کرنا اور عالم اسلام میں نئی روح پھونکنے کا عزم تھا اسی لئے وہ صحافت وسیاست سے وابستہ تھے آپ کی حق گوئی اور بے باکی کی بلند آواز برطانوی ایوانوں میں بھی لرزہ طاری کرتی تھی اور ملک کے طول وعرض میں لوگوں کو میدانِ عمل میں لے آتی تھی۔ برطانوی ہند کے طول وعرض میں حالتِ محکومی میں ایک عوامی تحریک برپا کر دینا ان کی خداداد صلاحیّتوں کا بیّن ثبوت ہے۔

تحریک بحالیٔ خلافت یا تحریک خلافت 1919ء۔1924ء برعظیم پاک وہند کے طول وعرض میں اُبھرنے والے مسلم جذبے کی ترجمان تھی اور اتنی زوردار تحریک تھی کہ ایک طرف ہندو اس تحریک میں شامل ہو کر اپنا تشخّص برقرار رکھنے پر مجبور ہوا اور دوسری طرف برطانوی سامراج کا تخت ڈول گیا۔ ہندو کو خوف پیدا ہوا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو مسلمان مستقبل کے حکمران ہوں گے لہٰذا گاندھی اور نہرو بھی بحالی خلافت کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ کہاں ہندو اپنی سرزمین پر مسلمانوں کو علیحدہ وطن دینے پر آمادہ نہیں تھا اور انتقامی جذبات رکھتا تھا اور کہاں مسلمانوں کی مرکزیّت اور بحالیٔ خلافت کی تحریک میں شمولیّت۔

یہ تحریک خلافت کیوں برپا ہوئی اور اس کے مقاصد کیا تھے؟ آیئے ذرا اس کی تفصیل میں جاتے ہیں:

Marfat.com

مسلمانوں کی تاریخ میں خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کا پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت ہوا تھا۔ دور بنو اُمیہ 661ء۔ 752ء (40ھ تا 132ھ) اور دور بنو عباس 752ء۔1258ء (132ھ۔656ھ) چھ صدیوں پر محیط ہے۔ سقوطِ بغداد تاتاریوں کے ہاتھوں ہوا۔ ہلاکو خان، چنگیز خان، منگولیا (چین) سے آئے تھے مگر دو صدیوں کے اندر ہی جنہوں نے مسلمانوں کو فتح کیا تھا انہیں اسلام کی حقانیت نے فتح کرلیا اور ایک ہی وقت میں ہند میں مغلیہ سلطنت، ایران میں صفوی سلطنت اور ترکی میں عثمانی سلطنت قائم ہوئی۔ یہ تینوں انہی قبائل سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان میں سے عثمانی حکومت سطوت وعظمت اور مرکزیّت کے لحاظ سے بہت آگے تھی۔ سلطان محمد فاتح نے 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کرکے عیسائیت اور قیصر روم کی باقیات کا غرور خاک میں ملا دیا، جس سے مشرقی یورپ کی طرف اسلام کا دروازہ کھل گیا۔ (یاد رہے کہ مغربی یورپ میں اسلام 711ء (93ھ) میں طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پہلے ہی آ چکا تھا۔ 1492ء تک مسلمان حکمران رہے۔ اسپین اور مغربی یورپ، ترقی، تعلیم اور سائنسی ایجادات میں عربوں کے زیرِ احسان ہیں)

1452ء کے بعد مسلمان مشرق سے یورپ میں داخل ہوئے تو ظالم حکمرانوں کے چنگل میں پھنسے اور رومی جبر وظلم کے مارے یورپی عوام کو سکھ کا سانس لینے کا موقع ملا اور دیکھتے ہی دیکھتے روسی ترکستان اور سارا مشرقی یورپ عثمانی سلطنت کے زیرِ نگین آ گیا اور مسلمان افواج فرانس کے دل پیرس کے پاس پہنچ گئیں۔

عثمانی سلطنت کی حدود مشرق وسطی کے ساتھ ساتھ شمالی اور وسطی افریقہ کے سارے آباد علاقوں تک وسیع تھیں جنوبی افریقہ اس وقت تک ویسے ہی بے آباد تھا۔ 1750ء کے عشرے تک امریکہ جانے والے لوگ مراکش کے ساحل پر عثمانی سلطنت کو ٹیکس دیتے تھے اور یورپی ماہی گیر عثمانی سلطنت کی اجازت کے بغیر امریکہ سفر نہیں کر سکتے تھے۔

عثمانی سلطنت مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نقیب اور مسلم تہذیب وثقافت کی آئینہ دار تھی ساری دنیا کے علاقائی مسلمان حکمران سلطنت عثمانیہ کا اجازت نامہ حاصل کرتے تھے حتیٰ کہ مغلیہ خاندان کے حکمران بھی عثمانی خلافت کے تابع تھے اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

Marfat.com

عثمانی سلطنت کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ 1750ء کے لگ بھگ فرانس کے شہر پیرس میں پہلا نائٹ کلب (بے حیائی کا اڈہ) قائم ہوا اور اس کی اطلاع عثمانی خلیفہ کو ہوئی تو اس کو علماء نے مشورہ دیا کہ اس 'برائی' کو 'نہی عن المنکر' کے تحت روکنا ضروری ہے ورنہ یہ بُرائی مسلم علاقوں میں بھی پھیل جائے گی۔ عثمانی حکمران نے فرانس کی حکومت کو خط لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے ملک میں ایک 'نائٹ کلب' کھلا ہے اس کو بند کردو ورنہ ہم تمہارے ملک پر حملہ کر دیں گے۔ قارئین حیران ہوں گے کہ وہ نائٹ کلب بند کر دیا گیا۔

یورپی استعمار ــــــــ صنعتی ترقی اور سائنسی ایجادات کے ساتھ اُٹھا، مشینوں کی ایجاد سے کارخانوں میں پیداوار بڑھی تو تیار کردہ مال کے لئے منڈیوں کی تلاش کا مرحلہ آیا۔ تاہم برطانیہ، فرانس، سپین، پرتگال، جرمنی، بلجیم، اٹلی سب کو احساس تھا کہ مشرق میں اور جنوب میں پورا افریقہ عثمانی سلطنت ہے لہٰذا انہوں نے مغرب میں امریکہ اور بڑی کوشش سے راس امید (جنوبی افریقہ) سے ہو کر ہندوستان اور مشرق بعید کے ممالک کو اپنی کاروائیوں کا نشانہ بنایا اور قبضہ کر کے اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یورپی ممالک بالخصوص برطانیہ نے عثمانی سلطنت سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر سازشوں، بدعہدیوں، غدّاریوں اور مسلمانوں کے اندر گھس کر (نام نہاد مسلمان بن کر) کام کیا ہے۔ ''ہمفرے کے اعترافات'' نامی کتاب میں درج تفصیلات سے برطانوی کارپردازوں کے ابلیسی ذہن، اَخلاق و کردار سے حد درجہ گری ہوئی حرکات، بے حیائی کے فروغ اور بے اُصولی کے پرلے درجے کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے اور سلطنت عثمانیہ کو کمزور کرنے کی صدیوں پر پھیلی ہوئی شیطانی کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔

'ہر کمالے را زوال' کے مصداق یہ سلطنت عثمانیہ بھی اُنیسویں صدی کے آخر میں آ کر کمزور پڑ گئی اور بیسویں صدی کے آغاز میں تو ڈگمگانے لگی۔ علامہ اقبال نے اسے 'مردِ بیمار' کہا تھا۔ پہلی جنگ 1914ء۔1918ء میں ترکی نے جرمنی اور آسٹریا کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جرمنی کی شکست کے بعد ترکی کو بھی اس کے نتائج بھگتنا پڑے۔ اس جنگ میں برطانیہ نے مشرق وسطیٰ کے علاقے میں اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔ 1917ء میں برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے

Marfat.com

ایک ڈکلریشن کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے اور جائیداد خریدنے کی اجازت دے دی۔ پہلے انہیں اس کی اجازت نہیں تھی۔

1919ء میں جنگ کے خاتمے پر ایک کانفرنس میں عثمانی حکومت کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس سے برطانوی ہند کے مسلمانوں میں غم وغصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ خلافت بھی عملاً ختم کر دی گئی، مصطفےٰ کمال اتاترک کو صدر بنا دیا گیا اور ترکی کے نام سے ایک ملک باقی رہ گیا، ساری عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے، مشرقی یورپ کی ساری ریاستیں آزاد ہوگئیں، مشرق وسطی میں کئی آزاد ممالک بنا دیے گئے جو برطانیہ کے زیر اثر رہے۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کا برطانیہ کے محکوم مسلمانوں نے بہت اثر لیا اور ملک گیر احتجاج کا پروگرام بنا کہ برطانوی حکومت یہ فیصلہ واپس لے، 'تحریک خلافت' کے نام سے تحریک جاری ہوئی جس کا آغاز اجتماعی جلسوں سے ہوا۔ 27 اکتوبر 1919ء کو یوم خلافت منایا گیا اور ملک بھر میں کاروبار بند رہے، مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے 'ہفتہ تقریباتِ امن' کا بھی بائیکاٹ کیا۔

آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس 24 نومبر 1919ء کو مسٹر فضل الحق کی زیر صدارت دہلی میں ہوا۔ اس میں مسٹر گاندھی، مسٹر نہرو اور پنڈت موہن مدن دہلوی بھی شریک ہوئے، مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ 1920ء میں خلافت کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ ایک وفد یورپی ممالک اور مسلم ممالک میں بھیجنے کا فیصلہ ہوا تاکہ ان ممالک کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ دوسری طرف برطانیہ اور یہودی ذہن ترکی کی خلافت پر پروپیگنڈا کر رہا تھا تاکہ خلافت کے خاتمے کے لئے فضا ہموار ہو۔ وفد مشرقِ وسطی سے ہو کر لندن گیا۔ وزیراعظم وغیرہ سے ملاقاتیں بھی ہوئیں مگر بے سود۔ اس لئے کہ جنگ کے بعد کے اقدام یہودی کانگریس کے 1897ء کے خصوصی اجلاس کے فیصلوں کے مطابق پہلے ہی طے شدہ تھے اور 'فرنگ کی رگِ جان پنجہ یہود میں ہے' کے مصداق مسلمانوں کی اجتماعیّت کے خلاف یہ فیصلے ہر طرف سے ایک ہی مشن کے لئے ممد ومعاون تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی مرکزیّت ختم ہو اور اسرائیل کا قیام عمل میں آئے۔ یہ وفد یورپ کے دیگر ممالک اٹلی فرانس سے ہوتا ہوا واپس پہنچا۔ ستمبر 1920ء میں یہ طے پایا تھا کہ عدمِ تعاون کی ملک گیر تحریک چلائی جائے۔ اس پروگرام کی

Marfat.com

کانگریس، جمعیت علمائے ہند اور خلافت کمیٹی نے بھرپور حمایت کردی۔ اس کے لئے تعاون کی عملی اپیل ہوئی تو اس کا بھرپور مثبت عوامی ردّعمل سامنے آیا۔ دراصل ہندو چاہتا تھا کہ مسلم قیادت ہجرت کر کے ہندوستان سے چلی جائے جس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں سے نمٹنا آسان ہو جائے گا۔

کامیاب تحریک چلی ہزاروں لوگ گرفتار ہوئے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین، پیر غلام مجدد وغیرھم کو دو دو سال کے لئے قید کر دیا گیا جس سے تحریک کو زبردست دھچکا بھی لگا اور قیادت کے خلا سے تحریک شدت پسند ہوگئی اور متعدّد تشدّد کے واقعات رونما ہو گئے جس سے حکومت نے اس تحریک کو سختی سے کچل دیا۔ اس تحریک کے لیےسب سے زیادہ نقصان دہ واقعہ برطانیہ کے سازشی ذہن کی پیداوار مصطفٰے کمال اتاترک کا اقتدار تھا جو منصوبہ سے حکمران بنا اور بالآخر مارچ 1924ء میں مسلمانوں کا نظامِ خلافت ختم کر کے اسلامی شریعت کے قوانین منسوخ کر دیے اور اس کی جگہ رومن لا اور مغربی جمہوری نظام نافذ کر دیا۔

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ

تاہم اس موقع پر گاندھی نے جس طرح آخری دنوں میں اسی تحریک کا اختتام کیا اس سے مسلمانوں کے بارے میں ہندو ذہن سامنے آ گیا اور مسلمانوں کے دلوں میں بظاہر ہندو دوستی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ تحریک خلافت بظاہر بے نتیجہ رہی۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے باوجود اس پانچ سالہ جدوجہد نے ملک کے طول و عرض اور عالمی سطح پر بھی مسلمانوں کی عمومی بیداری میں بڑا اکلیدی کردار ادا کیا۔

مسلم اکابر پر مقدمات کا سلسلہ چلا اور غدّاریوں کے مقدمات میں سزائیں بھی ہوئیں تاہم برطانوی ہند میں جہاں 1857ء کے بعد مسلمان اُمّت میں خوف اور بے حسی پھیلی ہوئی تھی اس تحریک کے نتیجے میں اس خوف میں شدید کمی آئی اور مسلمان بھی آزادی کے لئے جاری جدوجہد کے دھارے میں شامل ہو گئے۔ اس عمومی مسلم بیداری و شاندار تحریک اور ملک گیر

Marfat.com

حرکت نے جو اُمید کی ایک کرن پیدا کر دی تھی اس کے پیچھے علامہ اقبال کی اُمید افزا شاعری کو بھی بہت زیادہ دخل تھا۔ علامہ اقبال 1911ء میں لاہور میں شکوہ اور 1913ء میں جوابِ شکوہ مسلمانوں کو سنا چکے تھے اور اس کی داد بھی پا چکے تھے۔ اس شکوہ رجوابِ شکوہ کا شہرہ ملک گیر تھا اور عوام وخواص سبھی اس سے متاثر ہوئے تھے۔ پھر علاّمہ اقبال اپنی شاعری میں اسلام کے شاندار مستقبل سے پردہ اُٹھا کر مسلمان اُمت کے دلوں کو گرما رہے تھے۔ اسی دوران میں یہ تحریک برپا ہوئی اور شاندار انداز میں ملک گیر سطح پر بیداری کی لہر آئی اور علامہ اقبال بھی اس سے مسلمانوں کے بارے میں مایوسی کی فضا میں مثبت اور اُمید افزا تائثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام نظم میں اسلام کے شاندار مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کے حالات پر گفتگو کرتے ہیں۔ اس نظم کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی!

عروقِ مُردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی!

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نُطقِ اعرابی

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتابِ ملّتِ بیضاء کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے!

یہ نکتہ سرگزشتِ ملّتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بُتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

Marfat.com

ہوئے اُحرارِ ملّت جادہ پیما کس تجمّل سے — تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی!

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟ — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں!

ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری — یہ سب کیا ہے؟ فقط اِک نکتۂ ایماں کی تفسیریں!

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے — ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!

یقیں محکم، عمل پیہم، محبّت فاتحِ عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے — دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بے تابے!

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی — یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

پھر اُٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبّت کی — زمیں جولانگہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے!

علامہ اقبال کی اس نظم سے مسلمانوں کے دِلوں میں اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بازیافت اور مستقبل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا اور مسلمانوں میں برطانوی غلامی سے آزادی کے لئے جدوجہد کا جذبہ پہلے سے کہیں زیادہ زور آور ہو گیا۔

1920ء کی دہائی علی برادران کے ملک گیر سطح پر عُروج کا دور ہے جس میں محمد علی جوہر نمایاں تھے دیگر رہنمایاں جو سیاسی سطح پر سرگرم تھے وہ اور تھے۔ اس تحریک سے مسلمانوں میں عمومی بیداری کی لہر اُٹھی اور ملک کے طول وعرض میں کئی انجمنیں اور سوسائٹیاں وجود میں آگئیں اور اپنی اپنی سطح پر علاقائی بنیادوں پر سرگرمِ عمل ہوئیں۔ مدراس کی محمڈن سوسائٹی کے تحت مولانا سیّد سلیمان ندوی کے ''خطباتِ مدراس'' اور علامہ اقبال کے
RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM
اسی دور کے ہیں حتیٰ کہ مسلمان رہنماؤں نے جن کا ہاتھ حالات کی نبض پر تھا، دسمبر 1930ء میں آلہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس طے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع خاص طور پر پیدا فرمایا تھا محمد علی جناح برطانوی ہند میں ہندو ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر لندن چلے گئے تھے۔ مسلم لیگ کے روایتی صدر آغا خان جو اس تحریک خلافت کے دوران بھی انگریز کے اشاروں پر ہی عمل پیرا

Marfat.com

رہے، صدارت سے علیحدہ ہوکر ملکہ برطانیہ کے قدموں میں پریوی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے جا بیٹھے تھے۔ ان حالات میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس عام کے لئے نگاہیں کسی شخصیت کی تلاش میں تھیں کہ دسمبر 1930ء میں ہی برطانیہ میں پہلی گول میز کانفرنس کا انعقاد طے پایا جس میں چوٹی کے مسلم زعماء کو بھی جانا پڑا اور مولانا محمد علی جوہر اس وفد میں شریک تھے لہٰذا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لئے صدارت کا قرعۂ فال رب ذوالجلال کی طرف سے علامہ اقبال کے نام نکلا جو قدرت کے طے شدہ پروگرام کے مطابق یقیناً حکیمانہ فیصلہ تھا اور آنے والے دور کا نقطہ آغاز بن گیا اسی سالانہ اجلاس کی صدارت کے موقع پر علامہ اقبال نے صدارتی خطبہ میں ہی دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا نقشہ سامنے رکھا تھا جس سے ملک کے طول وعرض میں جاری مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد اور بیداری کو ایک نصب العین اور منزل مل گئی اور پاکستان کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی۔

لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر اور دیگر زعمائے ملت نے مسلمانوں کے جذبات کی بھرپور نمائندگی کی اور آزادی پر زور دیا۔ حتیٰ کہ مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا کہ تم مجھے آزادی دو ورنہ قبر کے لئے جگہ دو میں ایک غلام ملک میں نہیں مرنا چاہتا اور نہ غلام ملک میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ نے اس مطالبے میں جان ڈال دی اور مولانا جوہر بیمار ہوکر 4 جنوری 1931ء کو ہی برطانیہ میں انتقال کر گئے۔ اس صورتِ حال سے برطانیہ کو بڑی پریشانی ہوئی اور مولانا محمد علی جوہر کی میت کو ہندوستان لانا ممکن نہیں رہا جبکہ برطانیہ میں دفن کرنے کا انتظام کرنا بھی ہند کی آزادی کے پروانے پر دستخط کرنے والی بات تھی۔ لہٰذا بڑی کوشش اور مذاکرات کے بعد مولانا کو فلسطین لے جا کر بیت المقدس کے قریب دفن کیا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں سے حضرت محمد ﷺ معراج کی شب مکہ سے زمینی سفر کے بعد پہنچے تھے اور یہاں سے آسمانی سفر شروع ہوا تھا اور واپسی بھی یہیں ہوئی تھی۔ شاعر نے اسی لئے مولانا محمد علی جوہر کی وفات اور تدفین پر کہا کہ

ع سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر ﷺ گزشت

مولانا محمد علی جوہر بیک وقت افسانہ نگار، شاعر، صحافی، اعلیٰ مقرّر، مورّخ، زبردست

Marfat.com

انشاء پرداز اور بہت بڑے لیڈر بھی تھے۔ تحریک خلافت میں ان کی فدائیت اور جانثاری کا جذبہ دیدنی تھا۔ اسی موقع پر اُن کی والدہ نے کہا تھا کہ 'جان بیٹا خلافت پہ دے دو'۔ اُنہوں نے اس کو نظم کر دیا اور یہ نظم پورے ملک میں پھیل گئی اور زبان زدِ عوام و خواص ہو گئی۔ تحریک خلافت کے دوران یہی نعرہ زبانوں تھا:

بولی امّاں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

خدا رحمت فرمائے مولانا محمد علی جوہر پر...... خوب آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ آرام بخشے۔ آمین

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خوبصورت نعت

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تشفّی ہے ہر آن تسلّی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہے مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے دعوے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیّت
اِک فاسق و فاجر میں، اور ایسی کراماتیں!
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

Marfat.com

21

حکیم الامّت، مبشّر پاکستان، داعیٔ انقلاب،

احیائے خلافت اسلامیہ کا نقیب

حضرت علّامہ

ڈاکٹر محمد اقبال

رحمۃ اللہ

ولادت: 1294ھ/1877 سیالکوٹ

1907ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے تو وکالت کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری، تقاریر اور تصانیف کے ذریعے اُمت مسلمہ کو بیدار کیا، مسلمانانِ ہند کے تشخص کے تحفظ کے لیے گرانقدر کام کیا اور ان میں آزاد وطن (پاکستان) کے حصول کا جذبہ پیدا کیا۔

وفات: 1357ھ/1938ء لاہور

Marfat.com

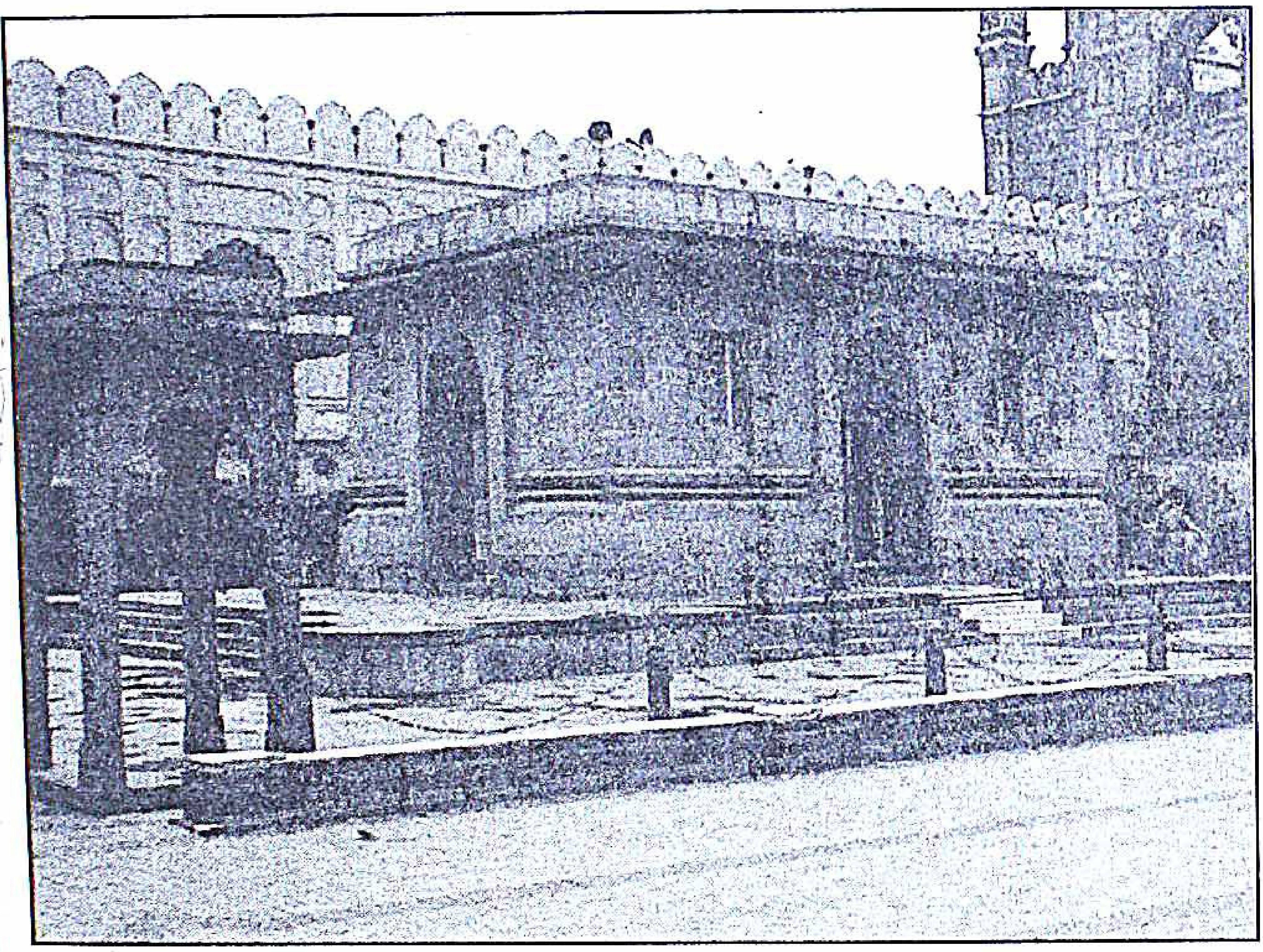

آخری آرام گاہ: حضرت علامہ اقبالؒ (بیرون شاہی مسجد) لاہور

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا!
نُور سے معمُور یہ خاکی شبستاں ہو ترا!

Marfat.com

حضرت علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مقامی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے فلسفہ اور ایم اے عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر یہیں تعلیم کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان (برطانیہ) تشریف لے گئے، وہاں وکالت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، یورپی درسگاہوں میں وقت گزارنے سے وہاں کے کلچر اور فکری رُجحانات سے شناسائی حاصل ہوئی، 1907ء میں واپس تشریف لائے، وکالت کے شعبہ میں کام کرتے رہے لیکن اُن کا اصل شعبہ جس میں اُنہوں نے کام کیا اور عزت پائی وہ سوئی ہوئی مسلمان اُمت کو بیدار کرنا تھا۔ آپ نے اُمت کو بیدار کیا، راستہ بھی دکھایا، نشانِ منزل بھی دیا اور قوم کو قرآن مجید کے ساتھ جوڑ دیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی محبت اور عشق سے خود بھی وافر حصہ پایا تھا اور قوم کو بھی اس جذبے سے سرشار کرنے کا کام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح جیسا رہنما ڈھونڈ کر قوم کو دیا اور پاکستان کے قیام کی نظریاتی اور عملی راہ ہموار کی۔ دوقومی نظریہ کی آبیاری کی اور مسلمانانِ ہند کے تشخص کا تحفظ اور اُمّت مسلمہ کی بقا کا گراں قدر کام کیا اور حکیم الامّت کہلائے۔

21 اپریل 1938ء کو وفات پائی اور بادشاہی مسجد کے باہر آسودۂ خاک ہیں۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

علامہ اقبال کا کام بہت وسیع الاطراف ہے اُن کے کارنامے کثیر الجہت ہیں اور اُن کی خدماتِ جلیلہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق ہیں۔ ان کے ہمعصروں اور بعد والوں میں کسی ایک انسان کے لئے (جوان سے مقام ومرتبہ میں فروتر بھی ہو) اُن کے کارناموں کا احصاء اور توصیف ممکن نہیں ہے۔ اُن کے شارحین کی تعداد لاکھوں میں نہیں تو

Marfat.com

ہزاروں میں ضرور ہے۔ مجموعی طور پر وہی بات حق ہے جو ایران کے ملک الشعراء ملک بہار نے فرمائی تھی

؎ عصر حاضر خاصّۂ اقبال گشت
واحدے کز صد ہزاراں برگزشت

عصر حاضر (گزشتہ 1900ء سے لے کر آج تک) دراصل عصر اقبال ہے وہ تنہا لاکھوں پر سبقت لے گئے۔ اُن کے فکر کے بحر ذخّار سے، ہر ساعی و متلاشی اپنی بساط کے مطابق لعل ہیرے اور موتی نکال نکال کر لا رہا ہے اور ___ ان کا کلام ___ علم و معنی کا بحر ذخار کیوں نہ ہو کہ وہ مرد قلندر ___ علامہ اقبال ___ فکری طور پر خود قرآن میں ڈوبا ہوا ہے۔

ع قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان

قرآن مجید میں اسی ''غوطہ زنی'' کا ''مان'' ہے جو خود انہیں بھی تھا اور وہ اس کے حقدار تھے اور اہل بھی۔ اُن کا مان بجا تھا چنانچہ وہ اپنے اشعار، جو ''عرض بحضور رحمت للعالمین ﷺ'' کے عنوان سے ہیں، میں خود فرماتے ہیں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرار قرآن سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است یک دعایت مزد گفتارم بس است

علامہ اقبال کے گوناگوں کارناموں میں سے ان سطور میں ہم علامہ اقبال کے صرف دو کارناموں کا ہی تذکرہ کریں گے:

- ایک ان کا اس وقت کی عالمی مغربی تہذیب یعنی صہیونی یورپی برطانوی سامراج کی برتری کا تجزیہ، تشخیص اور صائب مشورے دینا۔
- دوسرا سوئی ہوئی، کمزور، غلام مسلمان اُمّت کے زوال کے اسباب، علاج، راہ عمل اور نشان منزل کا شعور واضح کرنا۔

Marfat.com

اسلامی انقلابی شخصیات پر سیمیناروں کے سلسلے کا THEME اور مقصد ہی یہ تھا کہ ایسی شخصیات کا نئی مسلمان نسل سے تعارف کرایا جائے جنہوں نے ماضی میں انفرادی و اجتماعی، اصلاحی، انقلابی، خانقاہی اور میدانِ جنگ کی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہے یا اس کا درس دیا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کی شخصیت اس سلسلۂ رُشد و ہدایت اور سیمیناروں کی آخری کڑی ہے۔ جس نے دورِ غلامی میں آنکھ کھولی اور مغرب کی گود میں پرورش پائی اور آپ کا انقلابی فکر اسی تہذیب کے لئے "جان لیوا" ثابت ہوا۔

فکرِ مغرب کی اٹھان

علامہ اقبال نے شعوری زندگی کا جو زمانہ پایا (1895ء۔1938ء) وہ بجا طور پر یورپی طاقتوں کی صنعتی، معاشی اور نظریاتی بالادستی کا دور تھا۔ یہ یورپی طاقتیں استعماری طاقتیں تھیں اور غریب پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ اقوام کو زیر کرنے، اس کے معاشی و معدنی وسائل کو لوٹنے اور اس علاقے کو اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے ایک منڈی بنانے سے زیادہ سوچ نہیں رکھتی تھیں، اس کام کے لئے اُنہوں نے جبر و استبداد کا ہر ہتھکنڈا استعمال کیا سوائے ایک یورپی طاقت جرمنی کے۔ فرانس، اٹلی، پرتگال، برطانیہ سب کے سب ہمیشہ اپنے مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں میں غاصب ہی سمجھے گئے اور اُن کے ملکوں کے عوام جتنا عرصہ بھی ان یورپی طاقتوں کے غلام رہے کبھی استعماری طاقتوں کے اقتدار پر خوشی اور اطمینان کا اظہار نہیں کیا۔

ان یورپی طاقتوں کے مقاصد کیا تھے؟ نظریات کیا تھے؟ اور وہ کس مشن پر ان دور دراز علاقوں میں پہنچ کر قابض ہو گئے تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنے سے فکرِ مغرب کی حقیقت سامنے آجائے گی۔

مسیحی یورپ جب دورِ جہالت و ظلمت (DARK AGES) سے بیدار ہوا تو اس بیداری میں سپین میں مسلم عرب اقتدار (711ء سے 1492ء تک) کی شاندار روایات، مذہبی رواداری، بے نظیر کائناتی تصورات و نظریات (ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ و ایمان بالرسالت) اور علم دوستی کے ساتھ بے پناہ سائنسی اور فنی ترقی شامل تھی۔ فرانس، برطانیہ اور اٹلی کے نوجوان یہیں سے علم سیکھ کر جاتے تھے اور دوسرے ہم وطنوں کے لئے مشعلِ راہ بنتے رہے تھے۔

Marfat.com

سپین سے مسلمانوں کے خاتمہ اور یورپ کی بیداری سے مسیحی یورپ ایک عجیب کشمکش سے دوچار ہوگیا۔ مسیحیت جو تثلیث کے نظریات لے کر چل رہی تھی اور مذہب کو عقل پر پرکھنے کو جرم سمجھا جاتا تھا اس سائنسی ترقی اور کائنات پر غور وفکر کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہونے لگی تو کسی ''دستِ غیب'' (صیہونیت) نے کیتھولک مسیحی مذہب سے پروٹسٹنٹ خیالات کے مسیحی لوگوں کو الگ کردیا۔ اب پروٹسٹنٹس بائبل پر ایمان لائے بغیر مسیحی کہلاتے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے حکموں کو ماننے بغیر ان کے پیروکار۔ یہ ''دست غیب'' یا خفیہ طاقت سائنسی ترقی کو مسیحیت سے ٹکراؤ کے انداز میں لے کر چلتی رہی ہے اس طاقت نے کوشش کر کے پروٹسٹنٹس کو سود پر آمادہ کیا اور سترھویں صدی میں بنک آف انگلینڈ قائم ہوگیا۔ یہ منصوبہ یہودی سوچ اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے اہل کاروں کے ذریعہ بروئے کار لایا گیا۔ اس سودی نظام سے صنعتی ترقی کو بھی مدد ملی اور سرمائے کی ضرورتیں بھی پوری ہوئیں۔ مزید برآں سود کی مد میں بے پناہ وسائل ہاتھ آئے تو سائنسی ترقی کو آگے بڑھانے کے لئے اسی سرمائے کو مزید استعمال کیا گیا۔

صنعتی ترقی کے ساتھ سیاسی طاقت کا توازن بھی اسی دست غیب یعنی یہود اور بظاہر پروٹسٹنٹ فرقہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ سترھویں صدی کے آخری عشروں اور اٹھارھویں صدی کے آغاز تک یورپ میں یہود اور پروٹسٹنٹ فرقہ کو آگے بڑھانے کے لئے مذہب اور سیاست یا چرچ اور سیاست کو الگ کردیا گیا۔ اس اہم واقعہ سے ایک خلا پیدا ہوگیا۔ چنانچہ سیاسی حکمرانوں کے پاس اب اخلاقیات کے میدان میں کوئی ضابطہ اخلاق یا صحیفہ یا ریفرنس ہی نہ رہا اور نہ حکومت کو چلانے کے لئے قانون (LAW) اور عدالتوں کا نظام۔ نیز مسیحیّت کے پاس (یورپ میں) اس ضمن میں آسمانی ہدایت کے تحت کسی قانونی نظام کی روایات موجود نہ تھیں جس پر مستقبل کے ریاستی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی۔

اس خلا کو محسوس کر کے صیہونیّت (یا یہود) جو درپردہ اس ساری کارروائی کو چلا (HANDLE) رہی تھی نے دو اقدامات کیے۔ ان اقدامات کے پیچھے چرچ اور سیاست کی جدائی کو بنیاد کا پتھر کہا جاسکتا ہے (یاد رہے کہ کیتھولک مسیحیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے لے کر 1998ء تک یہی رائے مستحکم رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوانے میں یہود کا

Marfat.com

ہاتھ تھا اس لیے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہیں لہٰذا ان سے دوستی نہیں ہو سکتی)۔

- پہلا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ ملک کو مذہب سے آزاد سیکولر انداز میں چلانے کے لئے (جس میں دراصل یہود ہی کو فائدہ تھا) یونانی فلسفہ کو بطور ''مذہب'' یا کائنات کی تشریح کرنے کے TOOL کے طور پر اختیار کر لیا گیا اور دو ہزار سال بعد یونانی فلاسفہ کو نئی زندگی دے کر ان کے نظریات کو سرکاری سطح پر رائج کر دیا گیا۔
- دوسرا کام یہ ہوا جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ملک کے لئے قانونی نظام تو مذہب دے سکتا ہے جبکہ مذہب سے انکار ہو چکا اب اس خلاء کو پر کرنے کے لئے بہترین نظام سپین کا نظامِ حکومت تھا مگر درمیان میں مذہب دوبارہ آتا تھا اور دوسرے یہود کے منصوبوں میں چونکہ اسلام دشمنی ایک بنیادی پتھر ہے لہٰذا رومیوں کے ظالمانہ، بے رحمانہ اور مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر تعمیر کردہ قانونی نظام کو اپنا لیا گیا اور رائج کر دیا گیا۔ اس موقع پر یہود حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قانون حکمرانی نافذ کر سکتے تھے مگر مصلحتاً اس سے باز رہے کہ ان کے ابلیسی مقاصد اس طرح حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

یونانی فلسفہ اور رومی نظام قانون (ROMAN LAW) دو ایسے اہم ستون ہیں جن پر مغربی فکر و فلسفہ اور استعمار کی ساری عمارت کھڑی ہے اور اسی ظالمانہ نظام قانون سے ہی یورپی استعماری طاقتیں دنیا بھر کے علاقوں پر قابض ہو گئیں۔ اس لئے کہ ان کے دامن میں نہ کوئی اخلاق تھا نہ رحمدلی، نہ انسانی ہمدردی نہ نوع انسانی کے لئے کوئی فلاحی مقاصد۔ چنانچہ دور حاضر کی مشہور کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' (CLASH OF CIVILISATIONS) کا مصنّف (P.HUNGTINGTON) لکھتا ہے:

> ''............ 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دار و مدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے......''

Marfat.com

یہی وجہ تھی کہ یورپی استعمار، استعمار ہی رہا اور مقبوضہ علاقوں میں کوئی مثبت روایات نہ چھوڑ سکا۔

اس مغربی فکر نے صنعتی ترقی کے ساتھ پروان چڑھ کر مزید کئی گل کھلائے ہیں اور اس کے پیچھے بھی یہی 'دست غیب' یہودی ذہن' فری میسن تحریک اور صیہونی عزائم ہی کارفرما نظر آتے ہیں۔

اجتماعی سطح پر برطانیہ، فرانس اور دوسرے یورپی ممالک (اور بعد ازاں امریکہ) جدھر جا رہے تھے اس میں یہی در پردہ قوتیں سیکولرازم کو کا زہر گھول رہی ہیں۔ یہ ان کی بڑی دور رس منصوبہ بندی تھی اور اسی میں ان در پردہ قوتوں کو آزادانہ کام کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ اس سیکولرازم کی سوچ میں بظاہر بڑی معصوم اصطلاحات اور عنوانات ہیں جنہیں غلط استعمال کر کے غلط فلسفہ ہائے زندگی بنا دیا گیا۔ انسانی حقوق، ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق، مذہبی آزادی، رائے کی آزادی ایسی اصلاحات ہیں جن کی آڑ میں یہ فری میسن تحریک اور صیہونیت پل کر جوان ہوئی ہے۔ اسی سوچ نے جمہوریت کی بنیاد رکھی مگر یہ 'خیر' بھی اس گروہ نے سرمایہ دارانہ جمہوریت میں بدل کر انسانیت کے لئے 'شر' بنا دیا۔

یورپی معاشرہ پہلے پہل ایسا برا نہیں تھا وہاں بھی اہل حق اور باضمیر لوگوں نے سیکولرازم کو اس خلاف فطرت سوچ اور معاشرے کی بنیادی اقدار کو مسخ ہوتے دیکھا تو اس کو روکنے کی سرتوڑ کوششیں کی ہیں۔ بہت سے حق پرست اور باضمیر حکماء نے اس سلسلے میں ساری ساری زندگیاں لگا دیں جیسے جرمنی کے کانٹ (1722ء۔1804ء) اور گوئٹے۔ گوئٹے نے یورپی اقوام میں انسانی اعلیٰ اخلاق اور بنیادی انسانی اقدار کو یوں فنا ہوتے اور صنعتی ترقی کے سامنے دم توڑتے دیکھا تو تحریک مشرقی شروع کی (جرمن قوم باقی یورپی اقوام سے تاریخی جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی طور پر قدرے مختلف ہے) تاکہ مذہب اور انسانی اقدار کا تحفظ ہو سکے مگر صیہونی عزائم اور صنعتی ترقی کے ریلے میں بدلتی معاشرتی اقدار اور دنیا پرستی و عیاشی کے رُجحانات کے سامنے یہ تحریک دب کر رہ گئی۔

آزادیٔ رائے کے عنوان سے اور پروٹسٹنٹ کے مزاحمتی اور CHALLENGING انداز کے فروغ سے نت نئے فلسفے اور ماضی کی انسانی روایات کی بلاوجہ دھجیاں بکھیرنے والی سوچ آگے بڑھی ماحول نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور یوں مختلف پست انسانی رویّے فلسفوں کی شکل میں سامنے آتے چلے گئے۔

Marfat.com

اس سارے عمل میں بہت ساری تحقیق، انکشافات اور کائناتی تسخیر کے نتیجے میں مثبت چیزیں بھی سامنے آئیں اور سابقہ انسانی اوہام، فرسودہ خیالات اور بے بنیاد اعتقادات کی بنیادیں یکسر منہدم ہوگئیں مگر نتیجے کے طور پر مغربی تہذیب اور معاشرہ جدھر چل نکلے تھے اس میں 'شر' اور ابلیسی روئیّے ہی زیادہ نمایاں ہوتے چلے گئے۔

مشہور نظریات جن کو در پردہ صیہونی قوتوں نے جان بوجھ کر ابھارا یونیورسٹیوں میں جگہ دی اس کے حامیوں کو اعلیٰ اعزازات، منصب اور نوبل پرائز دیے وہ سب کے سب انسان کو اعلیٰ اخلاق سے دھکیل کر حیوانیّت اور بہیمیّت (BEASTALITY) کی طرف دھکیلتے چلے گئے۔ میکڈوگل، ڈارون، ایڈلر مارکس، فرائڈ وغیرہم اس ضمن میں اپنے نقطہ نظر کے سرخیل تھے ان کے ساتھ ہزاروں دیگر افراد تھے جو ان کے ہم خیال بن گئے' انسان میں پابندیوں سے گریز کا مادہ تو ہے ہی، مذہبی احکام اور آسمانی ہدایت کی پابندیوں کا مذاق اُڑایا گیا اور ترقی یافتہ ممالک بظاہر ترقی کی طرف گامزن تھے مگر دراصل حیوانیت کے قعرِ مذلّت میں گرتے چلے گئے۔

علّامہ اقبال نے اسی مغربی فکر اور اس کے سب اجزائے ترکیبی پر سخت تنقیدیں کی ہیں ان کی اُردو اور فارسی شاعری میں یہ رچا بسا ہے۔ بانگ درا اگرچہ بہت بعد میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی مگر اس میں شامل کلام علّامہ اقبال کے طویل عرصے کی سوچ اور اظہار مافی الضمیر کا عکس ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زر کم عیار ہو گا

مغربی تہذیب کے بارے میں فرماتے ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیّت کی رہ سکی نہ عفیف!
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف!

سیکولرازم اور مادر پدر آزادی کے بارے میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ!

عصرحاضر کے بارے میں فرماتے ہیں:

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام!
مردہ لادینیٔ افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام!

(لادینی افکار سے مراد سیکولرازم ہی ہوسکتا ہے اور عشق سے مراد خداشناسی اور دینی اقدار ہیں)

مغربی تہذیب میں STATUS رکھ رکھاؤ اور بہترین دنیاوی زندگی، بہترین آسائشیں (MODERN COMFORTS) ہی اصل مقصود اور نظریۂ حیات قرار پایا ہے۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش!

اور اس چکاچوند ترقی سے انسان فطرت شناس نہ رہا بلکہ بطن وفرج کا غلام ہوگیا

مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش!

سوالیہ انداز میں بے برگ وبار مغربی ترقی کے بارے میں فرماتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش!
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بے کار و زن تہی آغوش!

مغربی افکار میں 'آزادی' (مادر پدر آزادی اور عورتوں کی آزادی) کے بارے میں حد سے زیادہ

Marfat.com

زور ہے اور آزادیٔ نسواں کے نام پر بے حیائی اور بدتمیزی کا طوفان برپا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرّد کا گلوبند؟

تہذیب مغرب نے فرصت کے لمحات کے لئے جو فنون لطیفہ بنائے اس میں رقص، بے لباسی، عریانی، شراب، حیوانیت بنیادی تصوّرات ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

چھوڑ یورپ کے لیے رقصِ بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللّٰہی!
صلہ اُس رقص کا ہے تشنگیٔ کام و دہن
صلہ اِس رقص کا درویشی و شاہنشاہی!

اہل مغرب کو فکر مغرب کی ناپختگی سے متنبّہ بھی فرمایا:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپایدار ہوگا

یورپی ترقی سے دراصل یہودی وصیہونی عزائم کی تکمیل ہی مقصود ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ عیش فراواں، یہ حکومت، یہ تجارت
دل سینۂ بے نور میں محرومِ تسلّی!
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلّی!

Marfat.com

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیبِ جوانمرگ
شاید ہوں کہ کلیسا کے یہودی متولّی!

مغربی تہذیب کے ابلیسی عزائم کے بارے میں فرماتے ہیں:

ے تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

فکر مغرب کی معراج جمہوریت کے بارے میں فرماتے ہیں:

ے جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ے دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

جمہوریت کی آڑ میں ابلیسی عزائم کی تکمیل پر تبصرہ کرتے ہوئے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ارشاد ہے:

ے تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

ے ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خودنگر

علامہ اقبال کے بارے میں دوسرا پہلو جس کا اوپر تذکرہ ہوا تھا وہ ان کے کلام میں اُمت مسلمہ سے خطاب ہے اور اس سوئی ہوئی قوم کو جگانے کا عظیم کام ہے اور علامہ اقبال کا اصل کارنامہ ہی یہی ہے۔ مغرب پر تنقید دراصل مسلم نوجوانوں اور آسودہ حال، مغرب پرست اور مغرب زدہ طبقات کو مغرب کی تہذیب کی حقیقت دکھانا مقصود تھا تاکہ وہ بھی ان کی طرح اسلام کے دامن میں آجائیں اور حضرت محمد ﷺ کے قدموں تلے گوشہ عاقبت تلاش کرلیں۔

Marfat.com

اس نقطہ نظر سے ان کی شاعری پر نگاہ ڈالی جائے تو نظر آتا ہے کہ یہی ایک مقصد تھا جواُن کے پیش نظر تھا اور جس کے ابلاغ کا حق ادا کرنے کے لئے انہوں نے اظہار مافی الضمیر کے مختلف پیرائے استعمال فرمائے۔

اردودان طبقے کے لئے اُردو میں، وسیع تر حلقے اور اعلیٰ علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے فارسی میں (اس وقت فارسی کا اعلیٰ علمی ذوق موجود تھا جو آج ناپید ہے) اور عالمی سطح پر اونچے طبقات میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اپنی بات کے ابلاغ کے لئے انگریزی زبان میں اپنے خیالات وافکار دنیا کے سامنے پیش فرمائے۔ خود فرماتے ہیں دنیا مجھے شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے حالانکہ میں (محض) شاعر نہیں ہوں ع میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

اور ؎ جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

یا فارسی زبان میں ارشاد ہے ع مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اور ؎ نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

علامہ اقبال کے سینۂ میں یہی جذبہ موجزن تھا جس نے 1911ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں 'شکوہ' کی صورت اختیار کرلی۔

اس وقت مسلمانوں کی بے چارگی، اقتصادی بدحالی، تعلیمی پسماندگی، قیادت کا فقدان، غلامی کا شکنجہ، جبر واستبداد، دین سے بے اعتنائی اور تاریک مستقبل کا خوف ایسے منحوس عوامل تھے جس سے برطانوی ہند کے مسلمان دوچار تھے اگرچہ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے پہلے 'مسدس حالی' لکھی تھی اور مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی تھی تاہم علامہ اقبال کی نظم 'شکوہ' نے پورے ہند کے مسلمانوں کو گرمادیا اور باشعور طبقے کی آنکھیں کھل گئیں۔

یہ 'شکوہ' کیا تھا مسلمانوں کو اپنا عظیم ماضی یاد دلا کر دوبارہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

Marfat.com

رسول ﷺ کی طرف لوٹنے کا احساس دلانا تھا۔ سوالیہ انداز میں مسلمان عوام وخواص کو سوچنے پر مجبور کرنا تھا کہ کبھی مسلمان کیا تھے؟ اور آج کیا ہیں؟

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر　　کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکر محسوس تھی انساں کی نظر　　مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا!

ٹل نہ سکتے تھے' اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے　　پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی' تو بگڑ جاتے تھے　　تیغ کیا چیز ہے؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟　　شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟　　کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز　　قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے　　نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے　　تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں' تو بھی تو دلدار نہیں!

آخر میں التجا کے انداز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے:

Marfat.com

مشکلیں اُمتِ مرحوم کی آساں کر دے   مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے   ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما!

اپنے بارے میں انہیں احساس تھا کہ ان کا مشن کیا ہے؟ تاہم لوگ ان کا ساتھ نہیں دے رہے اور بات نہیں سنتے۔

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

مسلمانوں کی حالت زار پر خون کے آنسو بہائے ہیں اور فرمایا:

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزا جینے میں   کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں!
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں   کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں!

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

اس مضمون کو فارسی میں یوں ادا کر کے قوم کے اہل علم دانشور طبقے کو احساس دلایا ہے۔

غمِ پنہاں کہ بے گفتن عیان است
چو آید بر زبان یک داستان است
رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مُردہ و شب درمیان است

''ایک اندرونی غم کہ اس کے اثرات بغیر بتائے ظاہر ہوں اگر اسے زبان پر لایا جائے تو ایک (طویل) داستان ہے (ان حالات میں) راستہ پیچیدہ اور مسافر خستہ حال اور پریشان ہے۔ چراغ بجھا ہوا اور (شام کا وقت کہ) ایک (طویل) شب سامنے ہے۔''

اپنے کلام اور اس کے مضامین کی پاکیزگی اور احیائے اُمت کے مشن کے بارے میں اُن کے باطنی احساسات یہ تھے:

Marfat.com

عجمی خم ہے تو کیا مَے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

دو سال بعد 1913ء میں اسی جگہ 'جوابِ شکوہ' نظم پڑھ کر سنائی یہ 'جواب' دراصل کچھ اہل علم کی طرف سے نظم شکوہ کے بعض الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے سوئے ادب کے پہلو نکلنے پر لکھا گیا تھا۔ اس میں شاعرانہ تخیل بہت بلند ہے اور کلام اللہ و فرامین نبوی ﷺ سے ہی اُمّت کی ذمہ داریاں، اللہ تعالیٰ سے محبّت اور رسول ﷺ کی محبّت کے تقاضے، سچا اُمتی ہونے کا مطلب، بندگیٔ رب اور عشقِ رسول کے دعوے کا مطلب ہی مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے۔ شکوہ سے قوم میں' اللہ کی خاص اُمّت ہونے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسبت، اولیاء اللہ سے نسبت، مسلمانوں کے شاندار ماضی کا احساس پیدا ہوا تو جوابِ شکوہ سے اُن کی ذمہ داریاں اور مستقبل میں اسلام کے غلبے اور عالمی خلافت کے قیام پر بات ختم ہوئی۔ فرماتے ہیں:

عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

اس طرح علامہ اقبال نے انسان کو وقتی طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام کر دیا۔

شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا نے تو نے

جوابِ شکوہ میں علامہ نے جو سخت تنقید اُمت کے حالات زار، علماء وصوفیاء اصحاب ثروت، اُمت کے رہنماؤں پر کی ہے وہ اپنی جگہ ایک اہم کارنامہ ہے

کِس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ! ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفا داری ہے ؟

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن ، تم ہو نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن ، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو

Marfat.com

ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے ؟

منفعت ایک ہے اِس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبیﷺ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک؟

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں !
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟

زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب — جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا، تو غریب — نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا ، تو غریب

امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روحِ بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود — ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے — تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے — تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

مغربی سامراج اور یورپی استعمار کی چیرہ دستیاں، ظلم و استبداد اور مسلمانوں سے

Marfat.com

بالخصوص ظالمانہ سلوک کے بارے میں فرمایا:

عہدِ نو برق ہے، آتش زنِ ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا، نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے ملّتِ ختمِ رُسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مغربی صنعتی ترقی کے بعد مغربی تہذیب کا جو سیلاب آرہا تھا وہ خداشناسی اور اخلاق سے متعلّق سب کچھ بہا کرلے جارہا تھا دوسری اقوام کو تو اس نئی تہذیب کو اختیار کرنے میں وقتی طور پر کوئی عار تھا بھی تو ہو جلد کافور ہو گیا مگر اُمت مسلمہ تو ......وارثت انبیاء کی نقیب ہے۔

چنانچہ طلوع اسلام نظم میں فرماتے ہیں:

ے خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

ع مشرق کی اندھیری رات میں دھندلا سا ستارہ تو ہے

ے سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مزید فرمایا: ے شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

جوابِ شکوہ بھی اسلام کے شاندار مستقبل، عالمی غلبے اور احیائے خلافت کی نوید پر ختم ہوتی ہے۔

ے عقل ہے تیری سِپر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

اور مسلمان کا فرض کیا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری ہے۔

ے کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اُمّت مسلمہ کی بیداری کے مقصد کو علامہ اقبال نے ہر ممکن پیرائے میں بیان کیا ہے اور

Marfat.com

ابلاغ کا حق ادا کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔ اُردو میں بچوں، جوانوں، بوڑھوں سب کے لئے پیغام ہے۔ فارسی میں علماء، صوفیاء اور دانشور طبقہ کے لئے، انگریزی میں جدید تعلیمافتہ مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات کے لئے آساں پیرائے میں بھی اور فلسفیانہ انداز میں بھی آسان نثر میں اور فلسفہ کی زبان میں اپنا مدّعا بیان کیا ہے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ ـــــ نظام خلافت

نظام خلافت انسانی زندگی کے انفرادی کے ساتھ اجتماعی پہلوؤں کو بھی اپنے محیط میں لے لیتا ہے؛ اس لئے کہ اسلام پوری زندگی کا دین ہے اور دین کا تقاضا ہے کہ اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ (سورۃ البقرۃ۔208)۔ اجتماعی زندگی کے گوشوں میں دین کا غلبہ دورِ غلامی میں ایک خواب و خیال بن گیا تھا علامہ اقبال نے اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ سماجی میدان، معاشی میدان اور سیاسی میدان میں بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل درآمد کو واضح فرمایا۔

دین کا تقاضا ہے کہ نماز کی طرح سماجی سطح پر بھی مسلمان مساوات کا مظہر ہوں۔

ع بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

یا ع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

معاشی سطح پر نقد روپے کا منافع سود ہے اور اسلام میں حرام ہے جبکہ آج ساری معیشت سود اور جواء (CHANCE MONEY) پر قائم ہے۔ سود کی برائی کو واضح فرمایا

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن
کس نداند لذّتِ قرض حسن

ایک اور جگہ فرمایا کہ سُود خور انسان درندہ بن جاتا ہے (انسانی خون چوستا ہے) بغیر دانتوں اور درندوں والی آواز کے۔ اسی طرح زمین کا معاملہ ہے جاگیرداری (FEUDALISM) ایک لعنت ہے اور اسلام سے پہلے بھی اور آج بھی دنیا پر مسلّط ہے۔ جبکہ خلافت راشدہ میں اسے ختم کر دیا گیا تھا اور عرصے تک مسلمان حکمرانوں کے ہاں نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عراق فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے بارے میں یہی فیصلہ ہوا کہ یہ 'خراجی' زمینیں ہیں اور اجتماعی ملکیت (STATE LANDS) ہیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

Marfat.com

رزق خود از زمین بُردن روا است

ایں متاعِ بندہ و ملک خدا است

یا منفی انداز گفتگو میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا ہے کہ اسلام کے نظام خلافت کا مطلب جاگیرداری اور بادشاہت کا خاتمہ ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

اور تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں لہٰذا زمین سے ہر انسان کو رزق حاصل کرنے کا برابر کا حق حاصل ہے۔

سیاسی سطح پر کامل مساوات کا نظارہ دنیا اس طرح دیکھے کہ انسانوں پر انسان حاکم نہ بن بیٹھیں بلکہ اللہ کی حاکمیت کا تصور نظام خلافت کی روح رواں ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی تشریحات ہی قانون اسلامی کا منبع (SOURCE OF LAW) ہے۔ چنانچہ فرمایا:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اور سیاسی سطح پر "لا الٰہ الّا اللہ" کا مطلب "لا ملکَ اِلّا اللہ" فرماتے ہیں جب اللہ کے قانون پر عمل ہوگا تو اسی سے عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر یہ تصورات کسی معاشرے میں نمایاں ہوں اور انفرادی زندگی میں بھی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کر رہے ہوں تو............ یہ نظام خلافت ہے۔

اس نظام خلافت کے نفاذ کے لئے ایک ملک درکار ہے اور علاقہ ضروری ہے لہٰذا علامہ نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ ملک پاکستان کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے لئے قائداعظم محمد علی جناح کو لندن سے بلا کر مسلمانان ہند کی قیادت کے لئے آمادہ کیا۔ ملک پاکستان صرف ایک زمین کا ٹکڑا نہیں (PIECE OF LAND) بلکہ اس ملک خداداد کو نظام خلافت کا گہوارہ بنانا ضروری ہے اور یہی علامہ اقبال کا مدعا تھا۔

Marfat.com

اس ملک میں نظام خلافت کے لئے ایک انقلاب (بنیادی تبدیلی) کی ضرورت ہے سود کا خاتمہ ہوجائے، جاگیرداری کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے، انسانوں کے درمیان اونچ نیچ (ذات، برادری، نسل، پیشہ، حیثیت وغیرہ کی بنیاد) ختم کردی جائے، یہ چیزیں صرف پہچان کے لئے باقی رہ جائیں......حاکمیّت اللہ کی ہوجائے اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون نہیں اللہ کا قانون نافذ ہو......اس کے لئے بادشاہوں اور خدائی کے دعویداروں اور دوسرے نظاموں سے گلوخلاصی ضروری ہے۔اس کام کے لئے سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو اس کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں اللہ کی رضا کے لئے نکلیں اور دنیا سے ظلم ناانصافی کے خاتمے کے لئے اللہ کے بھیجے ہوئے نظام کو عام کریں۔لوگوں میں شعور پیدا کریں لوگوں کو جمع کریں ان کی تربیّت کریں ان کو باطل سے ٹکرادیں اور انقلاب برپا کردیں اس سارے معاملے میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے اور سخت مشقت اور محنت طلب کام ہے۔

ے بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

یا جیسے اُردو کا ایک اور شعر ہے

ے تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر — اکبرالہ آبادی

اس انقلاب اور اللہ کی حاکمیّت کے لئے علامہ اقبال نے قرآن مجید پڑھنے اور عشق رسول ﷺ کا درس دیا

ے وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ے گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور ے کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Marfat.com

اس انقلاب کے لئے مسلم نوجوان کو مخاطب کیا ہے۔

محبّت مجھے ان نوجوانوں سے ہے
ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند

مسلمان بچوں کو فرماتے ہیں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
میرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس راہ پہ چلانا مجھ کو

مسلمانوں کو مایوسی سے نکالا ہے اُمید اور حوصلہ دیا ہے اور اسلام کے غلبہ کی نوید سنائی ہے

آسماں ہوگا سحر کے نُور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

نغمۂ توحید ہی کے عام ہونے سے دنیا میں سماجی سطح پر مساواتِ انسانی کو فروغ ملے گا معاشی سطح پر سود، جاگیرداری، جوا، سٹہ وغیرہ سے نجات اور سیاسی سطح پر ظلم و ناانصافی سے گلوخلاصی حاصل ہو سکے گی۔

یہی علامہ اقبال کا پیغام ہے اور اسی کو عام کرنے کی ضرورت ہے دنیا اس وقت ظلم اور

Marfat.com

ناانصافی سے بھرگئی ہے بے حیائی، بے راہ روی، سیکولرازم نے شرف انسانی کی جگہ حیوانیت کو عام کردیا ہے۔ معاشی بدحالی، بے روزگاری اور محرومیاں دنیا کی کثیر آبادی کا مقدّر ہیں۔ امن و آشتی، عدل وانصاف، کفالت عامّہ کا تصوّر صرف خالق ارض وسماء کے قانون میں ہے اوراسی کی حاکمیت کے تحت ہی ممکن ہے۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے

علامہ اقبال کا ہم پر فرض یہی ہے کہ قرآن مجید کو اُمّت کے موجودہ مسائل کا حل سمجھتے ہوئے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کریں قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا عام کردیں اور اس قرآن مجید کے دیے ہوئے نظام.........نظام خلافت کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگادیں تاکہ ایک طرف ہمارا رب اوراس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے راضی ہو جائیں تو دوسری طرف دنیا خلافت راشدہ کے دور کی طرح امن وسکون کا گہوارہ بن جائے تاکہ ساری نسل انسانی اپنے رب کی بندگی کے دامن میں آسکے۔

علامہ اقبال کی تصنیفات

علم الاقتصاد (اُردو) نایاب ہے۔ فلسفہ ایران (انگریزی)۔ اسرارِ خودی (فارسی)۔ رموز بے خودی (فارسی)۔ پیامِ مشرق (فارسی)۔ زبور عجم (فارسی)۔ لیکچرز مدراس (انگریزی)۔ جاوید نامہ (فارسی)۔ بانگِ درا (اُردو)۔ بالِ جبریل (اُردو)۔ ضربِ کلیم (اُردو)۔ مسافر (فارسی)۔ ''پس چہ باید کرد'' (فارسی)۔ ارمغان حجاز (فارسی واُردو)۔

Marfat.com

مصادر و مراجع

- قرآن مجید
- تفسیر عثمانی
- شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا — مؤلفہ: سیّد قاسم محمود
- اُردو معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
- ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ — مؤلفہ: ثروت صولت
- عظیم شخصیات کے آخری لمحات — مؤلفہ: خواجہ طاہر محمود کوریجہ
- تاریخ المشاہیر — مؤلفہ: قاضی محمد سلیمان منصور پوری
- جہانگیر سیریز انسائیکلوپیڈیا جنرل نالج عالمی معلومات۔ — مؤلفہ: زاہد حسین
- انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا — مؤلفہ: سیّد قاسم محمود
- منصب امامت — مؤلفہ: شاہ اسماعیل
- شاہ اسماعیل شہید — مؤلفہ: ڈاکٹر علامہ خالد محمود
- باغی ہندوستان — مؤلفہ: مولوی فضل خیر آبادی
- غزوۃ الہند اور سلطانِ جہاں — مؤلفہ: صدیق صادق
- مولانا محمد علی جوہر (حیات وخدمات) — مؤلفہ: صابر ارشاد عثمانی
- شیخ الہند اور تنظیم اسلامی — مؤلفہ: ڈاکٹر اسرار احمد
- وحدتِ امت — مؤلفہ: مولانا محمد شفیع
- خودنوشت سوانح حیات مولانا حسین احمد مدنی
- بیس بڑے مسلمان — مؤلفہ: عبدالرشید ارشد
- یادِ رفتگان — مؤلفہ: سیّد سلیمان ندوی
- مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

Marfat.com

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اَسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

علامہ اقبال

Marfat.com

الحمد للہ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ
کی مطبوعات

- خیریت تعلّم و تعلیم قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں 16/-
- جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو سال (1910ء-2010ء) 300/-
- یاجوج ماجوج؟ 220/-
- 21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ اوّل) 120/-
- 21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ دوم) 130/-
- 21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ سوم) 120/-
- 21 اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل) 370/-
- صہیونیت کیا ہے؟ (قرآن مجید کی روشنی میں) زیر طبع

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ 047-7630861 047-7630863

Marfat.com

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

کی سرگرمیاں اور منصوبہ جات

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

آسان عربی کلاسیں

(12 ہفتے کا کورس)

25

کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

ہر سال تین کورسز مئی، جون، جولائی کے مہینے میں منعقد ہوتے ہیں

ہر سال رمضان المبارک میں

تراویح کے ساتھ مکمل قرآن مجید کا ترجمہ

پوسٹ گریجوایٹ طلباء کے لئے فری ہوسٹل

Marfat.com

عمر بن عبد العزیز | امام ابو حنیفہ | امام احمد بن حنبل | امام غزالی | شیخ عبد القادر جیلانی | صلاح الدین ایوبی

امام ابن تیمیہ | محمود غزنوی | مجدد الف ثانی | شیخ عبد الحق | اورنگزیب عالمگیر | شاہ ولی اللہ | احمد شاہ ابدالی | فتح علی ٹیپو شہید | شاہ اسماعیل شہید | مولانا فضل حق | امداد اللہ مہاجر مکی | محمود حسن شیخ الہند

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اور قیامِ پاکستان سے پہلے کی

21 اسلامی انقلابی شخصیات

تعارف، کارنامے، ملّی خدمات

مکمّل

انجینئر مختار فاروقی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

علامہ محمد اقبال | مولانا محمد علی جوہر | مولانا محمد الیاس

Marfat.com